إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا
سیرتِ ائمہ اربعہ
اسلامی فقہ کی ابتدائی تاریخ و ترویج کی تفصیل، ائمہ اربعہ، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے حالاتِ زندگی اور ان کے دینی کاموں کا مستند تذکرہ
از: حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری
ناشر: ادارہ اسلامیات
۱۹۰- انارکلی
لاہور (پاکستان)

إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ

سیرتِ ائمہ اربعہ

اسلامی فقہ کی ابتدائی تاریخ و ترویج کی تفصیل، ائمہ اربعہ، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد حنبل رحمہم اللہ کے حالاتِ زندگی اور ان کے دینی کاموں کا مستند تذکرہ

از: حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری

ادارہ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۷۲۳۴۱۲، ۷۲۳۴۶۸۵ فیکس ۹۲-۴۲-۷۲۳۴۶۸۵

★ ۱۹۰- انارکلی، لاہور، پاکستان
فون ۷۲۳۹۹۱ - ۷۲۵۲۲۵۵

★ موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

طباعت اوّل : ذیقعدہ ۱۴۱۰ ھ

: جون ۱۹۹۰ ء

باہتمام : اشرف برادران سلّمہم الرحمان

ناشر : ادارہ اسلامیات، لاہور

مطبع :

قیمت :

ادارہ اسلامیات

پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ — دینانا تھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۳۲۴۴۱۲، فیکس ۹۲-۴۲-۶۳۲۴۷۸۵

★ — ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون — ۷۲۲۴۹۹۱ - ۷۳۵۲۲۵۵

★ — موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۲۲۴۴۰۱

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی، لاہور

دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی

ادارۃ المعارف - دارالعلوم کورنگی، کراچی

مکتبہ دارالعلوم - دارالعلوم کورنگی، کراچی

فہرست مضامین سوانح ائمۂ اربعہ رح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

حامداً ومصلیاً! اسلام، تمام انسانوں کے لئے خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے کہ وہ دنیا میں امن وامان اور آخرت میں فوز وفلاح کا ضامن ہے، اس لئے ہندوستان میں اسلامی اقتدار کا آفتاب غروب ہوا تو اکابر دارالعلوم نے اس نعمتِ خداوندی یعنی اسلامی اقدار کے بقاء وتحفظ کیلئے دارالعلوم دیوبند اور اس کے نہج پر دیگر مدارسِ عربیہ کی صورت میں جگہ جگہ نور کے مینار قائم فرما دئے اور آج صرف برصغیر ہندوپاک ہی نہیں سارا عالمِ اسلام اکابرِ دارالعلوم کے روشن کردہ چراغوں سے روشنی حاصل کر رہا ہے فللہ الحمد۔

اسلام کی خدمت کیلئے دارالعلوم میں اگرچہ تعلیم وتدریس کو بنیادی اہمیت حاصل ہے لیکن فرزندانِ دارالعلوم نے صرف اسی انداز میں نہیں بلکہ اسلام کی ہمہ جہت خدمت کی ہے۔ اسلام کے حریم اور علومِ اسلامیہ کے گلشن کی انھوں نے خونِ جگر سے اسطرح آبیاری کی ہے کہ ہر پھول کی خوشبو اور ہر غنچے کی زبان ان کے احسانات کی معترف ہے، بے سروسامانی کے باوجود ان بوریہ نشین اکابر نے کامیاب جدوجہد کر کے انسانیت کو یہ سلیقہ سکھایا کہ کنجِ قفس کو فصلِ بہاراں بنا دینے اور خاکِ ساحل سے طوفان اٹھانے کا کیا طریقہ ہے؟

لوح وقلم بھی اکابرِ دارالعلوم اور اس کے فرزندوں کے فیض سے نہ صرف یہ کہ محروم نہیں رہے بلکہ مسلمانوں کی دینی ضروریات سے متعلق کوئی موضوع ایسا نہیں ہے جس کا انھوں نے حق ادا نہ کر دیا ہو۔

ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ فرزندانِ دارالعلوم کی قلمی کاوشوں کی بیشتر اشاعت ان کی مادرِ علمی کے ذریعہ نہیں ہو سکی مگر صحیح بات یہ ہے کہ علوم ومعارف کا جو بحرِ ذخار ان بزرگوں کے سینے سے نکل کر کاغذ وقرطاس پر پھیلا اسے کسی ایک ادارے کی حدود کا پابند بنا نا ممکن بھی نہیں تھا۔ جب ایک ایک اہلِ قلم کی تصانیف کی تعداد سینکڑوں اور کبھی کبھی ہزاروں تک پہنچتی ہو تو ان کی اشاعت کا انتظام ایک

ادارہ سے نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ فرزندانِ دار العلوم کے علمی کارنامے مختلف اداروں سے طبع ہوتے رہے اور انشاء اللہ ہوتے رہیں گے۔

لیکن ماضی قریب میں مجلس شوریٰ نے علمی و تحقیقی کتابوں کی تالیف، اکابرِ دار العلوم کے علوم و معارف کی ترتیب و اشاعت اور دیگر مقاصد کیلئے دار العلوم کی سرپرستی میں شیخ الہند اکیڈمی کے قیام کی تجویز منظور کی اور حضرت مولانا سعید احمد صاحبؒ اکبرآبادی کو اس کا نگراں مقرر کیا، لیکن اتفاق کہ حضرت مولانا مرحوم اکیڈمی کو کسی نہج پر فعال کرنے سے پہلے انتقال فرما گئے۔

اس کے کچھ دنوں کے بعد مورخِ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری زید مجدہم کو اکیڈمی کا اعزازی نگراں مقرر کیا گیا۔ موصوف کا قلم ماضی میں متعدد تاریخی اور تحقیقی کتابیں پیش کر کے نامور علماء سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے، اور اس وقت شیخ الہند اکیڈمی کی جانب سے موصوف کی ایک مختصر تالیف "ائمہ اربعہ" پیش کی جارہی ہے۔

زیرِ اشاعت کتاب میں مصنف محترم زید مجدہم نے ائمہ متبوعین امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کی سوانح اور ان کے علمی کارناموں کو اختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ چونکہ تقلید مسلکِ دار العلوم کا جزء ہے، اسلئے ائمہ کرام کی سوانح شیخ الہند اکیڈمی کی جانب سے پیش کرتے ہوئے ہم مصنف محترم کے ممنون ہیں۔

اس کے بعد انشاء اللہ عنقریب "مناقبِ امام اعظم" مصنفہ حضرت مولانا عبد الغفار صاحبؒ اعظمی تلمیذ خصوصی قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، اور اس کے بعد انشاء اللہ "تدوین سیر و مغازی" مصنفہ حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب کی اشاعت کی جائے گی۔

دعا ہے کہ پروردگار عالم دار العلوم کے اس اہم شعبہ کو دار العلوم کے شایان شان خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(مولانا) ریاست علی غفرلہٗ
یکم رجب المرجب ۱۴۰۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین، والعاقبۃ للمتقین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم، وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔

علمائے اسلام نے دین اور کتاب وسنت کی حفاظت وصیانت کے لئے ابتدا میں فن اسماء الرجال سے کام لیا، اور رواۃ حدیث کے حالات مرتب کر کے ان کی زندگی کے ایک ایک پہلو پر بڑی دیانتداری اور ذمہ داری سے روشنی ڈالی، آگے چل کر اس فن میں بڑی وسعت پیدا ہوئی جس کے نتیجہ میں سلف اور خلف کے درمیان واسطۃ العقد کی حیثیت سے طبقات وتراجم کا فن وجود میں آیا، اور ہر دور کے بے شمار علماء، فقہاء، محدثین، عباد، زہاد، مشائخ اور ہر علم وفن اور ہر طبقہ کے ارباب فضل وکمال کے حالات زندگی اور ان کے دینی وعلمی کارناموں سے مسلمانوں کو استفادہ کا موقع ملا، اس طرح تاریخ وطبقات کا فن صرف علم ومعلومات کا ذریعہ ہی نہیں رہا، بلکہ مسلمانوں کی دینی وعلمی اور عملی زندگی میں مؤثر ہوا، اور اس کی افادیت واہمیت کے پیش نظر علماء نے بہت سے بلاد وامصار کی تاریخ مرتب کر کے وہاں کے علماء ومشائخ کے حالات بیان کئے۔ اس سلسلۃ الذہب کی بدولت آج تک اسلاف واخلاف میں نہ ٹوٹنے والا ربط قائم ودائم ہے۔

پیش نظر کتاب "ائمہ اربعہ" اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ رحمہم اللہ کے معتبر ومستند حالات اختصار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، چونکہ اس کتاب میں عامۃ المسلمین کے ذوق کا لحاظ رکھا گیا ہے، اس لئے علمی اور فقہی مسائل ومباحث سے تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ حوالہ کے ساتھ عربی عبارتیں بوقت ضرورت اہل علم کے کام آسکتی ہیں۔

اس کتاب اور اس کے مؤلف کے شرف کے لئے یہ کیا کم ہے کہ اس کی اشاعت اسلامی علوم ومعارف کے عالمی ادارہ دارالعلوم دیوبند کی شیخ الہندؒ اکیڈمی کی طرف سے ہو رہی ہے۔ راقم دارالعلوم کے مہتمم اور اکیڈمی کے ناظم دونوں حضرات اور ارکان کا صمیم قلب سے شکر گذار ہے۔

قاضی اطہر مبارکپوری

یکم محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

۱۵/ اگست ۱۹۸۸ء

فقہ اسلامی کی تدوین وترویج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں شرعی احکام کا دار و مدار کتاب اللہ یعنی قرآن اور سنتِ رسول اللہ یعنی حدیث کی صورت میں وحی الٰہی کے تازہ ارشادات و ہدایات پر تھا، اور غیر منصوص مسائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آرار و اقوال اور مرضیات کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آرار و اقوال سے بھی کام لیاجاتا تھا خصوصاً عہد رسالت میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم دینی امور میں مشورہ اور فتویٰ دیا کرتے تھے،

فقہائے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال اور وحی الٰہی کے انقطاع کے بعد شرعی مسائل و حوادث میں کتاب و سنت کے بعد صحابۂ کرام مرجع تھے۔ اور نئے مسائل میں ان صحابہ کے آرار و اقوال معتبر مانے جاتے تھے جو دینی علم میں نمایاں مقام رکھتے تھے، اور ان کے مشورہ سے اہم مسائل طے ہوتے تھے۔ بالفاظِ دیگر خلافتِ راشدہ میں اجماع امت" کی تشکیل شروع ہوگئی تھی، اور اس دور کے اہل علم صحابہ کی رائیں معتبر مانی جانے لگیں۔

صحابہ کرام میں وہی حضرات دینی مسائل میں معتبر مانے جاتے تھے، جو قرآن کے عالم تھے، جنھوں نے قرآن کو لکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو پڑھا اور اس کے معنیٰ و مفہوم اور ناسخ و منسوخ وغیرہ کو سمجھا، اس زمانہ میں ایسے اہلِ علم صحابہ قُرّار کے لقب سے مشہور ہوئے، یہ لقب عالم کو غیر عالم سے ممتاز

کرتا تھا، صحابہ کرام میں اصحاب فتوی تقریباً ایک سو تیس[۱۳۰] حضرات تھے، جن میں مرد، اور عورتیں دونوں صنف شامل تھیں، ان میں فتویٰ کے اعتبار سے سات[۷] صحابہ "مکثرین" ہیں، یعنی ان کے فتاوی کثرت سے ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں (۱) حضرت عمر بن خطاب، (۲) حضرت علی بن ابی طالب، (۳) عبداللہ بن مسعود، (۴) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۵) حضرت زید بن ثابت (۶) حضرت عبداللہ بن عباس، (۷) حضرت عبداللہ بن عمر، رضی اللہ عنہم، ان حضرات کے فتاوے اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ہر صحابی کے مسائل و فتاویٰ کئی کئی ضخیم جلدوں میں تیار ہو جائیں چنانچہ ابو بکر محمد بن موسیٰ نے صرف حضرت عبداللہ بن عباس کے فتاوے بیس[۲۰] جلدوں میں جمع کئے تھے۔

اور یہ تیرہ[۱۳] حضرات "متوسطین" میں ہیں، (۱) حضرت ابو بکر صدیق (۲) ام المومنین حضرت ام سلمہ، (۳) حضرت انس بن مالک، (۴) حضرت ابو سعید خدری، (۵) حضرت ابو ہریرہ، (۶) حضرت عثمان بن عفان، (۷) حضرت عبداللہ بن عمرو عاص، (۸) حضرت عبداللہ بن زبیر، (۹) حضرت ابو موسیٰ اشعری، (۱۰) حضرت سعد بن ابی وقاص (۱۱) حضرت سلمان فارسی، (۱۲) حضرت جابر بن عبداللہ، (۱۳) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم، ان حضرات کے فتاوے اگر جمع کئے جائیں تو ان کی چھوٹی چھوٹی جلدیں بن سکتی ہیں، ان ہی میں یہ حضرات بھی شامل کئے جا سکتے ہیں حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابو بکرہ، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، رضی اللہ عنہم ان حضرات کے فتاوے جمع کئے جائیں تو مختصر مختصر مجموعات تیار ہو سکتے ہیں، ان کے علاوہ باقی حضرات "مقلین" ہیں یعنی ان میں سے ہر ایک سے چند فتوے منقول ہیں جن کو تلاش کے بعد مختصر مجموعہ کی شکل میں مدوّن کیا جا سکتا ہے،

فقہائے تابعین و تبع تابعین

اس کے بعد امام ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں تفصیل سے بتایا ہے کہ عہد صحابہ کے بعد عہدِ تابعین و تبع تابعین کس کس شہر میں کون کون حضرات اصحاب فتویٰ تھے، ہم اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

مدینہ منورہ میں

مدینہ منورہ میں فقہائے سبعہ دینی مسائل میں مرجع تھے، اور ان کے فتاوے مستند و معتبر مانے جاتے تھے، ان کے نام یہ ہیں (۱) سعید بن مسیب، (۲) عروہ بن زبیر، (۳) قاسم بن محمد، (۴) خارجہ بن زید، (۵) ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث، (۶) سلیمان بن یسار، (۷) عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ رحمہم اللہ، نیز ان کے معاصرین میں یہ حضرات فقہ و فتویٰ میں مشہور تھے، ابان بن عثمان بن عفانؒ، سالمؒ، نافعؒ، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوفؒ، علی بن حسینؒ، زین العابدینؒ، ان حضرات کے بعد مدینہ منورہ میں اصحابِ فتویٰ یہ حضرات تھے، ابوبکر بن محمد بن حنفیہ، حسین بن محمد بن حنفیہ، جعفر بن محمد بن علی، عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابوبکر، محمد بن منکدر، محمد بن شہاب زہری، محمد بن نوح نے امام زہری کے فتاوے فقہی ترتیب و ابواب پر تین ضخیم جلدوں میں جمع کئے تھے۔ ان حضرات کے معاصرین میں مدینہ منورہ میں اور بھی اصحابِ فتویٰ موجود تھے،

مکہ مکرمہ میں

مکہ مکرمہ کے اہل فقہ و فتویٰ میں یہ حضرات معتبر و مستند تھے، عطاء بن ابی رباح، مجاہد بن جبر، عبید بن عمیر، عمرو بن دینار، عبداللہ بن ابی ملیکہ، عبدالرحمٰن بن سابط، عکرمہ مولیٰ ابن عباس ان کے بعد ابوالزبیر مکی، عبداللہ بن خالد بن اسید، عبداللہ بن طاؤس، ان کے بعد عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج، سفیان بن عیینہ، ان کے بعد مسلم بن خالد

زنجی، سعید بن سالم القداح رحمہم اللہ مکہ مکرمہ میں فقہ و فتویٰ میں مرجع تھے، ان کے بعد محمد بن ادریس شافعی، اور عبداللہ بن زبیر حمیدی وغیرہ مرجع تھے،

بصرہ میں یہاں کے اصحاب فقہ و فتویٰ میں یہ حضرات مشہور تھے، عمر بن سلمہ جرمی، ابو مریم حنفی، کعب بن اسود، حسن بصری، ابوالشعثار جابر بن زید، محمد بن سیرین، ابو قلابہ عبداللہ بن زید جرمی، مسلم بن یسار، ابوالعالیہ حمید بن عبدالرحمٰن، مطرف بن عبداللہ بن شخیر، زرارہ بن ابی اوفیٰ، ابو بردہ بن ابو موسیٰ اشعری، ان میں امام حسن بصری نے پانچ سو صحابہ سے فیض پایا تھا بعض علمار نے ان کے فتاوے سات ضخیم اسفار میں جمع کئے تھے،

اس طبقہ کے بعد بصرہ میں ایوب بن کیسان سختیانی، سلیمان تیمی، عبداللہ بن عوف، یونس بن عبید، قاسم بن ربیعہ، خالد بن ابی عمران، اشعث بن عبدالملک ضمرانی، قتادہ، حفص بن سلیمان، قاضی ایاس بن معاویہ اہل فقہ و فتویٰ تھے۔ ان کے بعد ان کے تلامذہ کا سلسلہ قائم رہا،

کوفہ میں یہاں کے اصحاب فقہ و فتویٰ میں یہ حضرات مرجع تھے، علقمہ بن قیس نخعی، اسود بن یزید نخعی، عمرو بن شرحبیل ہمدانی، مسروق بن اجدع ہمدانی، عبیدہ سلمانی، قاضی شریح بن حارث، سلیمان بن ربیعہ باہلی، زید بن صوحان، سوید بن غفلہ، حارث بن قیس جعفی، عبدالرحمٰن بن یزید نخعی، عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، خیثمہ بن عبدالرحمٰن، سلمہ بن صہیب، مالک بن عامر، عبداللہ بن سخبرہ، زر بن جبیش، خلاس بن عمرو، عمرو بن میمون اودی، ہمام بن حارث، حارث بن سوید، یزید بن معاویہ نخعی، ربیع بن خیثم، عتبہ بن فرقد، صلہ بن زفر، شریک بن حنبل، ابو وائل شقیق بن سلمہ، عبید بن نضلہ،

کوفہ کے ان مجتہدین و مفتیین کا شمار اکابر تابعین میں ہے، یہ حضرت علیؓ

اور حضرت ابن مسعود کے خاص شاگردوں میں ہیں، اہل علم ان سے استفادہ کرتے تھے، اور یہ حضرات اکابرِ صحابہ کی موجودگی میں فتویٰ دیا کرتے تھے، حضرات صحابہؓ ان کو اس کی اجازت دیتے تھے، ان میں سے اکثر حضرات نے حضرت عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ سے علم حاصل کیا تھا، عمرو بن میمون اودی حضرت معاذ بن جبل سے خصوصی تلمذ رکھتے تھے، حضرت معاذ بن جبل نے وفات کے وقت ان کو وصیت کی تھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے علم حاصل کریں، اور عمرو بن میمون اودی نے اس پر عمل کیا،

فقہائے کوفہ کی اس فہرست میں یہ حضرات بھی قابلِ ذکر ہیں، ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، (انھوں نے ایک سو صحابہ سے کسب علم کیا تھا) میسرہ، زاذان، اور ضحاک، اس کے بعد ابراہیم نخعی، عامر شعبی، سعید بن جبیر، قاسم بن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود، ابو بکر بن ابو موسیٰ، محارب بن دثار، حکم بن عتبہ، جبلہ بن سحیم تلمیذ ابن عمر اہل فقہ و فتویٰ تھے۔

ان کے بعد حماد بن ابی سلیمان، سلیمان بن معتمر، سلیمان الاعمش، مسعر بن کدام کا درجہ ہے۔ پھر مذکورہ بالا حضرات کے سلسلۂ تلمذ میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن شبرمہ، سعید بن اشوع، قاضی شریک، قاسم بن معن، سفیان ثوریؒ، امام ابو حنیفہ، اور حسن بن صالح ہیں،

ان کے بعد فقہائے کوفہ میں حفص بن غیاث، وکیع بن جراح، اور امام ابو حنیفہ کے تلامذہ میں قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن شیبانی، زفر بن ہذیل، حماد بن ابی حنیفہ، حسن بن زیاد لؤلؤی، قاضی عافیہ، اسد بن عمرو، قاضی نوح بن دراج، اور امام سفیان ثوری کے تلامذہ میں اشجعی، معافی بن عمران، یحییٰ بن آدم قرشی وغیرہ ہیں

شام میں ملک شام کے تابعین میں یہ حضرات اصحاب فقہ و فتویٰ تھے، ابوادریس خولانی، شرحبیل بن سمط، عبداللہ بن ابی زکریا خزاعی، قبیصہ بن ذویب خزاعی، حیان بن امیہ، سلیمان بن حبیب محاربی، حارث بن عمیرہ زبیدی، خالد بن معدان، عبدالرحمٰن بن غنم اشعری، جبیر بن نفیر، ان کے بعد عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر، مکحول شامی، عمر بن عبدالعزیز، رجاء بن حیوہ، حدیر بن کریب تھے، اور اسی طبقہ میں خلافت سے پہلے عبدالملک بن مروان کا بھی شمار تھا،

اس کے بعد قاضی یحییٰ بن حمزہ، ابوعمر عبدالرحمٰن اوزاعی، اسمٰعیل بن ابی مہاجر، سلیمان بن موسیٰ اموی، سعید بن عبدالعزیز شام کے اہل فقہ و فتویٰ تھے، پھر مخلد بن حسین، ولید بن مسلم، عباس بن یزید تلمیذ اوزاعی، شعیب بن اسحاق تلمیذ ابوحنیفہؒ، ابواسحاق فزاری تلمیذ عبداللہ بن مبارک تھے،

مصر میں اہل مصر مسائل و حوادث میں ان بزرگوں کے فتاوے پر عمل کرتے تھے، یزید بن ابی حبیب، بکیر بن عبداللہ الاشج، عمرو بن حارث (جن کے بارے میں ابن وہب کا قول ہے کہ اگر عمرو بن حارث ہمارے درمیان زیادہ دنوں تک زندہ رہتے تو ہم امام مالک وغیرہ کے محتاج نہ ہوتے) لیث بن سعد، عبیداللہ بن ابی جعفر،

اس طبقہ کے بعد امام مالک کے تلامذہ میں عبداللہ بن وہب، عثمان بن کنانہ، ابن قاسم، اور امام شافعی کے تلامذہ میں مزنی، بویطی، ابن عبدالحکم مصر کے اصحاب فقہ و فتویٰ تھے،

دوسرے مقامات میں اسی طرح اس دور میں یمن، قیروان، اندلس، اور بغداد وغیرہ میں حضرات مجتہدین و مفتیین کی جماعت مسلمانوں کے دینی مسائل و معاملات میں مرجع تھی، اعلام الموقعین میں

اس کی تفصیل موجود ہے۔[1]

اصحاب الحدیث اور اصحاب الفقہ

خلافت راشدہ کے بعد علمائے دین کے لئے قرّاء کے بجائے دو نئے لقب پیدا ہوئے، صورت یہ ہوئی کہ بہت سے صحابہ احادیث کی کتابت اور اس کی سند و متن پر خاص توجہ رکھتے تھے، یہ صحابہ اور ان کے اصحاب و تلامیذ احادیث کے الفاظ و معانی کی طرف زیادہ متوجہ ہوئے، ان کو اہل الحدیث یا اصحاب الحدیث کے لقب سے یاد کیا جانے لگا، ان کے مرکز حجاز کے دو شہر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ تھے، ان کے مقابلہ میں بہت سے صحابہ احادیث کی کتابت کو پسند نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کو زبانی یاد کر کے معانی و مفاہیم پر زیادہ توجہ دیتے تھے، ان حضرات کے تلامذہ ان کا اتباع کرتے تھے، چونکہ یہ لوگ حدیث کے ظاہری الفاظ سے زیادہ اس کے منشاء و مفہوم کا لحاظ رکھتے تھے، اور نئے مسائل میں دوسرے شرعی دلائل سے بھی مدد لیتے تھے۔ اس لئے ان کو اہل الرائے یا اہل الفقہ کہا گیا، ان کا مرکز عراق کا شہر کوفہ تھا، اوپر جن اصحاب فقہ و فتویٰ کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں اصحاب حدیث بڑی تعداد میں اپنے اصول کے مطابق فتویٰ صادر کرتے تھے، ان ہی فقہاء و محدثین کے تلامذہ نے آگے چل کر دنیا میں کتاب و سنت اور فقہ و فتویٰ کو عام کیا ہے۔

فقہ کی تدوین

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت (۹۸ھ تا ۱۰۱ھ) میں ان کی توجہ سے احادیث و آثار کے جمع و تدوین کا باقاعدہ اہتمام ہوا، اور صحابہ کرام کی احادیث کے صحیفوں کی جگہ کتابوں کا رواج ہوا، اس طرح اموی دور میں تدوین و تالیف کا سلسلہ جاری ہوا، اور عباسی

---

[1] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۸ تا ص ۲۲۔

دور کی ابتدار سے مختلف علوم کی طرف زیادہ توجہ ہوئی، عام لوگوں میں علمی رجحان بڑھا، عربی زبان میں نئے نئے علوم منتقل کئے گئے، اس وقت پورے عالم اسلام میں علمائے تابعین اور ان کے تلامذہ پھیلے ہوئے تھے، اور ہر طرف دینی علوم کا چرچا ہو رہا تھا، اسی لئے دینی علوم کو بھی آگے بڑھنے کا موقع ملا، اور احادیث و آثار کو فقہی ترتیب و تبویب پر کتابی شکل میں مدوّن کیا گیا، چنانچہ دوسری صدی کے نصف اوّل میں مختلف ممالک میں وہاں ائمۂ دین نے کتابیں لکھیں، مدینہ منورہ میں امام مالکؒ نے، مکّہ مکرّمہ میں ابن جریج نے، بصرہ میں ربیع بن صبیح نے، کوفہ میں سفیان ثوری نے، شام میں اوزاعی نے، واسط میں ہشیم نے، یمن میں معمر نے، رَےؔ میں جریر بن عبدالحمید نے خراسان میں عبداللہ بن مبارک نے کتابیں لکھیں، یہ تمام حضرات ایک زمانہ میں موجود تھے اور انھوں نے فقہی ترتیب پر ۱۴۰ھ کے بعد اپنی اپنی کتاب لکھی اس لئے یہ معلوم نہیں ہے کہ کس عالم نے تدوین و تالیف کی ابتدار کی۔ [1]

یہ تو اس زمانہ میں اصحاب حدیث کی فقہی ترتیب پر تدوینی خدمات تھیں، اسی دور میں اصحاب فقہ کے مرکز کوفہ میں فقہ کی باقاعدہ تدوین ہوئی، اور امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ مثلاً امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر وغیرہ نے دنیا میں پہلی بار فقہ اسلامی کو مدوّن کر کے مستقل فن کی حیثیت سے پیش کیا، ان حضرات نے قرآن، حدیث، قیاس اور اجماع سے کام لے کر تقریبًا پانچ لاکھ فقہی مسائل کو مدوّن و مرتب کیا، اسی لئے امام شافعی کا قول ہے کہ تمام لوگ فقہ میں اہل عراق کے عیال ہیں، اور تمام اہلِ عراق، اہل کوفہ کے عیال ہیں، اور تمام اہل کوفہ ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔ [2]

نیز فقہی فروعات و مسائل کی طرح اصول فقہ کی تدوین سب سے پہلے امام ابوحنیفہ

[1] ہدیۃ الساری مقدمہ فتح الباری۔ [2] اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ قاضی صیمری۔

اوران کے تلامذہ نے کی ہے،

الغرض دوسری صدی میں فقہاء ومحدثین بالفاظ دیگر اہل الحدیث اوراہل الفقہ نے اپنے اپنے اصول وقواعد کی روشنی میں مسائل کے استنباط وتدوین کی خدمت انجام دی، اس کے بعد دونوں جماعتوں کے تلامذہ ومتبعین نے اپنے پیش روؤں کے نقشِ قدم پر چل کر حدیث وفقہ کو مدوّن کیا،

یہاں پر یہ جاننا ضروری ہے کہ محدثین اجتہاد وقیاس کے منکر نہ تھے، البتہ وہ احادیث پر زیادہ توجہ دیتے تھے، اورحتی الوسع حدیث کے ظاہری معنی پر عمل کی کوشش کرتے تھے، اسی طرح فقہاء احادیث کے منکر نہ تھے بلکہ وہ بھی قرآن وحدیث سے مسائل کا استنباط کرتے تھے، البتہ تمام اصول وفروع کا لحاظ کر کے احتیاطی راہ اختیار کرتے تھے، اورقرآن وحدیث کے منشاء پر زیادہ زور دیتے تھے۔

چار مکاتیبِ فقہ

گذشتہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ میں دینی احکام کا دارومدار وحی الٰہی اورآپؐ کے قول وفعل پر تھا، نیز اس عہد میں چند صحابہ اہل فتویٰ تھے، اس کے بعد صحابہ اورتابعین کے دور میں علوم شرعیہ کے حاملین حجاز، شام، مصر، عراق، اور دیگر مرکزی مقامات میں پھیل گئے اوراُن کے اصولِ فقہ وفتویٰ ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف تھے، ان میں علمائے حجاز حدیث کے اسانید ومتون میں مشہور ومعتبر تھے، ان کے سلسلۂ تلمذ میں بڑے بڑے ائمۂ حدیث پیدا ہوئے، ان کے سرخیل حضرت امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ ہیں، جنھوں نے مدینہ منورہ میں اپنی کتاب مؤطا کو فقہی ترتیب وتبویب پر اس طرح مدوّن کیا کہ یہ کتاب گویا اس طبقہ کی ترجمان بن گئی۔

اس کے مقابلہ میں علمائے عراق احادیث کی روایت میں بڑی شدت سے کام

لیتے تھے، بلکہ غایتِ احتیاط و تحرّی کی وجہ سے فتوی میں قالَ رسُولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بجائے اس کی نسبت اپنی طرف کرتے تھے تاکہ روایت میں زیادہ سے زیادہ احتیاط ہو سکے، اور کوئی ایسی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہو جس کو آپؐ نے فرمایا نہیں ہے، یا کیا نہیں ہے، اس جماعت کے سرخیل حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ ہیں، جنھوں نے اپنے تلامذہ کو لے کر فقہ اور اصولِ فقہ کو باقاعدہ مرتب کیا۔

ان دونوں اماموں کے بعد علمائے حجاز کے طبقہ میں حضرت امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ ہیں، جنھوں نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے اساتذۂ حدیث سے علم حاصل کیا، اسی کے ساتھ امام ابو حنیفہؒ کے تلامذہ سے تحصیل علم کی، خصوصیت کے ساتھ امام محمد بن حسن شیبانی سے بہت زیادہ پڑھا، چونکہ امام شافعی نے علومِ دینیہ کے دونوں مرکزوں یعنی حجاز اور عراق سے کسبِ فیض کیا تھا، اور دونوں مکاتیبِ فقہ و حدیث کے اصول اور فکر و نظر سے واقفیت حاصل کی تھی، اس لئے اہل حجاز اور اہل عراق کے طرزِ تفقہ میں درمیانی راہ پیدا کی، اور ایسی فقہ مدوّن کی جس میں حدیث اور رائے کا توازن برقرار رکھا، اس درمیانی راہ میں امام شافعی نے اکثر مسائل میں اہل حجاز کے سرخیل اور اپنے استاذ امام مالک سے اختلاف کیا اور اپنا جداگانہ مسلک جاری کیا۔

امام شافعیؒ کے بعد بغداد میں حضرت امام احمد بن حنبل شیبانی متوفی ۲۴۱ھ نے اہل حجاز کے علمی سلسلہ کے ساتھ وابستگی رکھکر اپنے مسلک کو رائج کیا جس کی بنیاد زیادہ تر حدیث کے الفاظ و معانی پر رکھی مگر اس میں اتنا غلو نہ تھا جتنا کہ امام داؤد ظاہری نے کیا، امام احمد بن حنبلؒ کے فقہی اقوال اور فتاوے کو ان کے شاگرد خلال نے الجامع الکبیر کے نام سے ایک کتاب میں بیس سے زائد اسفار

میں جمع کئے تھے۔

ان ائمہ اربعہ کے فقہی مذاہب سے پہلے ہر شہر کے لوگ مقامی مفتی وفقیہ کا اتباع کرتے تھے۔ نیز ایک مقام کے فتوے دوسرے مقام پہونچتے تھے، اس طرح ان چاروں فقہ سے پہلے عالم اسلام میں کئی فقہاء کی فقہ رائج تھی۔ اور عوام ان کے فتاوے پر عمل کرتے تھے۔ چنانچہ امام سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ امام حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور امام اوزاعی متوفی ۱۵۷ھ کے فقہی مذاہب پر عمل ہوتا تھا مگر یہ تینوں مسلک تیسری صدی تک معمول بہ رہ کر ختم ہو گئے۔ اسی طرح امام ابو ثور متوفی ۲۴۰ھ کا مسلک تیسری صدی تک رائج رہ کر ختم ہو گیا، البتہ امام داؤد ظاہری متوفی ۲۷۰ھ کا ظاہری مسلک زیادہ مدت تک چلا، علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں بیان کیا ہے کہ یہ مذہب آٹھویں صدی تک دنیا میں رائج تھا، ظواہر حدیث کا مطلب اس کے ظاہری الفاظ کے مطابق بیان کرتے تھے، اس میں کسی قسم کے اجتہاد اور قیاس کو دخیل نہیں مانتے تھے، اسی طرح اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ، ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ، سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ لیث بن سعد مصری متوفی ۱۷۵ھ کا فقہی مسلک رائج تھا۔

بہر حال یہ تمام فقہیں اپنے اپنے وقت پر ختم ہو گئیں اور اہل سنت والجماعت کے دینی مسائل ائمہ اربعہ کے چاروں مذاہب میں منحصر ہو گئے، اور چونکہ ایک مسئلہ میں ایک ہی مسلک کی پیروی کی جا سکتی ہے۔ اس لئے علمائے اہل سنت نے طے کر لیا کہ عامۃ المسلمین کو ان چاروں فقہوں میں سے کسی ایک فقہ کو مان لینا چاہیئے تاکہ فروعی مسائل میں ذاتی مصالح ومفاد کا سد باب ہو سکے، اہل سنت کے ان چاروں مذاہب کے علاوہ مسلمانوں میں بعض دوسری فقہیں ہیں، جیسے فقہ جعفری، فقہ اباضی، فقہ زیدی جن کا تعلق شیعہ، خوارج اور زیود سے ہے

ان کا ذکر ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

ان فقہاء اور ان کی فقہوں کے ماننے اور ان پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فروعی مسائل اور وقتی حوادث میں ہم ان کی تفریعات و تصریحات کو تسلیم کرتے ہیں جب کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو اصل قرار دیتے ہیں، اور ان ہی کی روشنی میں صحابہ کرام تابعین عظام اور علمائے اسلام کا اتباع کر کے فروعات میں ان کے آثار و اقوال اور فتاوے پر عمل کرتے ہیں۔

گذشتہ بیان سے فقہ اسلامی کی مختصر تاریخ معلوم ہو گئی جس سے اس کا منظر اور پس منظر سامنے آگیا۔ اب ہم چاروں فقہوں کی ترویج و اشاعت کا حال اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں، جس سے معلوم ہو گا کہ پورے عالم اسلام میں ان کی اشاعت و مقبولیت کن حالات میں ہوئی، اور کس ملک میں کون فقہی مسلک کب اور کیسے پھیلا اور اس کے پیرو کہاں کہاں پائے جاتے ہیں؟

حنفی مسلک

اہل سنت کا یہ پہلا فقہی مسلک امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی کی طرف منسوب ہے، جو تمام فقہی مسالک سے مقدم ہے، اس کی نشو و نما کوفہ میں ہوئی، ابتداء میں عراق کے مختلف شہروں میں پھیلا، پھر دنیا کے دور دراز ملکوں میں اس کی اشاعت ہوئی، اور تھوڑے ہی عرصہ میں بغداد، مصر، شام، روم، بلخ، بخارا، فرغانہ، فارس، ہندوستان، سندھ، اور یمن وغیرہ کے حدود اور اطراف میں پھیل گیا۔

امام صاحب کی نگرانی اور رہنمائی میں فقہ حنفی کو ان کے چالیس شاگردوں نے باقاعدہ مدوّن و مرتّب کیا، جن میں امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر بھی شامل تھے، اور امام صاحب کے شاگردوں میں امام اسد بن عمر نے خاص طور سے ان کی تصانیف اور فتاوے کو دنیا میں پھیلایا، کہا جاتا ہے کہ ۱۷۰ھ میں

خلیفہ ہارون رشید نے قاضی ابو یوسف کو پوری خلافتِ اسلامیہ کا قاضی القضاۃ بنایا، اور ان کے اثر و رسوخ سے حنفی مسلک حدودِ خلافت میں پھیلا، اور عباسی دورِ خلافت میں یہ مذہب دوسرے مذاہب پر غالب رہا، افریقہ میں امام ابو محمد عبداللہ بن فروخ فاسیؒ کی وجہ سے اس کی اشاعت ہوئی، اس کے بعد جب امام اسد بن فرات بن سنان وہاں کے قاضی ہوئے تو اس مسلک کو خوب عروج ہوا۔ اور چوتھی صدی تک افریقہ میں اس کو غلبہ حاصل رہا۔ حتیٰ کہ ۴۵۳ھ میں وہاں معز بن بادیس کی سلطنت قائم ہوئی اور اس نے وہاں مالکی فقہ کو رائج کیا، اندلس اور فاس میں بھی حنفی مسلک قدیم زمانہ میں رائج تھا، صقلیہ کے اکثر مسلمان حنفی مسلک کے پیرو تھے، اہل مصر ۱۶۴ھ میں اس مسلک سے اس وقت واقف ہوئے جب خلیفہ مہدی کی طرف سے امام اسمٰعیل بن یسع وہاں کے قاضی ہوئے، ان کی ذات سے پہلی بار اس مسلک کو جانا،

چوتھی صدی کے مشہور سیاح مقدسی بشاری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یمن اور صنعاء میں حنفی مسلک عام تھا، عراق کے اکثر قاضی اور فقیہ حنفی تھے، شام کا کوئی شہر اور دیہات حنفی مسلک والوں سے خالی نہیں تھا، بسا اوقات شام کے قاضی اسی مسلک کے ہوتے تھے، اسی طرح بلاد مشرق مثلاً خراسان، سجستان اور ماوراء النہر کے علاقہ ترکستان شرقی اور ترکستان غربی وغیرہ میں یہ مسلک غالب تھا، اقلیم دیلم میں جرجان اور طبرستان کے بعض علاقوں میں حنفی باشندے تھے، اقلیم رحاب کے شہر آرمینیہ اور تبریز میں حنفی مسلک کا زور تھا، اقلیم جبال اور اہواز کے شہروں میں یہ مسلک غالب تھا، ان علاقوں میں احناف کے علماء و فقہاء اور قضاۃ تھے، فارس کے شہروں میں احناف کی بڑی تعداد تھی۔ سندھ کے شہر اور قصبات حنفی فقہاء و علماء سے معمور تھے۔ ہندوستان کے اکثر

سلاطین حنفی تھے۔

مالکی مسلک اہلِ سنّت کا دوسرا فقہی مسلک مالکی ہے، جو امام مالک بن انس اصبحی مدنی متوفی ۱۷۹ھ کی طرف منسوب ہے، اس کا مولد و منشاء مدینہ منورہ ہے اور یہیں سے پورے حجاز میں پھیلا، پھر بصرہ، مصر، افریقہ، اندلس، مغرب اقصیٰ، صقلیہ، سودان میں اس کو غلبہ حاصل ہوا، نیز یہ مسلک خراسان، قزوین، ابہر، یمن، نیساپور، بلاد فارس، بلاد روم اور بلاد شام میں خوب پھولا پھلا، مقریزی نے کتاب الخطط والآثار میں بیان کیا ہے کہ مالکی مذہب کو مصر میں سب سے رواج دینے والے امام عبدالرحیم بن خالد بن یزید بن یحییٰ ہیں، ان کے بعد امام عبدالرحمٰن بن قاسم نے اس کی اشاعت کی، اس دور میں امام مالک کے تلامذہ مصر میں نسبتہً زیادہ رہتے تھے اس لئے فقہ مالکی کو کافی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، آخر میں عثمان بن حکم نے اس کی اشاعت کی، اور معز بن بادیس نے اپنی سلطنت میں بڑے بڑے عہدے اور منصب پر مالکی امراء و حکام اور قضاۃ کو رکھا، جس کی وجہ سے اس مسلک کو مغربی افریقہ میں غلبہ حاصل ہوا۔

امام تقی الدین فاسی مکی نے العقد الثمین میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں (نویں صدی)، اہل مغرب اکثر مالکی مذہب پر عمل پیرا ہیں، اندلس میں ابتداءً امام اوزاعی کا مسلک رائج تھا اور اس کو سب سے پہلے صعصعہ بن سلام نے اندلس میں داخل کیا، لیکن دوسری صدی کے بعد یہ مسلک وہاں سے ختم ہو گیا، اور اس کی جگہ فقہ مالکی نے لے لی، اور امام مالک کے تلامذہ میں سے زیاد بن عبدالرحمٰن، غازی بن قیس، یحییٰ بن یحییٰ مصمودی وغیرہ نے مدینہ منورہ سے اندلس واپس آکر فقہ اوزاعی کی جگہ فقہ مالکی کی نشر و اشاعت کی، نیز ہشام بن عبدالرحمٰن نے اس کی پیروی کا حکم دیا، یحییٰ بن یحییٰ کو خلیفہ ہشام بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا تھا، اور

اندلس میں عہدۂ قضاء کے لئے وہ جس عالم کی نشاندہی کرتے تھے، اسی کو قاضی بناتا تھا، نیز دوسرے سرکاری عہدوں پر ان کے مشورہ سے اس مسلک کے پیرو رکھتا تھا، ان باتوں کی وجہ سے اندلس میں فقہ مالکی کی خوب ترویج ہوئی،

علامہ مقدسی بشاری نے احسن التقاسیم میں لکھا ہے کہ چوتھی صدی میں مالکی مسلک عراق، اہواز، بلاد مغرب، اور افریقہ میں عروج پر تھا جیساکہ اندلس میں اس کو غلبہ حاصل تھا۔

شافعی مسلک

اہل سنت کا تیسرا فقہی مسلک شافعی ہے اس کی نسبت امام محمد بن ادریس شافعیؒ کی طرف ہے، اس کی ابتداء مصر میں ہوئی، امام شافعی کے اکثر تلامذہ مصری ہیں، اس کے بعد عراق میں اس کو فروغ ہوا، اور تیسری صدی میں حجاز، بغداد، خراسان، توران، شام، یمن، ماوراء النہر، فارس، ہندوستان، افریقہ اور اندلس تک پہونچ گیا، ان مقامات میں کہیں شافعی مسلک کو غلبہ حاصل رہا اور کہیں دوسرے مذاہب کے ساتھ اس کا بھی رواج رہا، مصر میں پہلے حنفیہ اور مالکیہ کا غلبہ تھا، مگر امام شافعی کے وہاں تشریف لے جانے کی وجہ سے ان کا مسلک خوب پھیلا، عراق، خراسان اور ماوراء النہر وغیرہ میں تدریس وافتاء میں فقہ حنفی کے ساتھ ساتھ شافعی کا رواج جاری رہا، اور دونوں میں بڑے بڑے معرکۃ الآراء مناظرے ہوئے، اور ایک نے دوسرے کی رد میں کتابیں لکھیں، شام میں پہلے فقہ اوزاعی کا دخل تھا، مگر جب ابو زرعہ محمد بن عثمان دمشقی مصر کے بعد دمشق کے قاضی بنائے گئے تو اپنے ساتھ امام شافعی کا مسلک بھی لیتے گئے، اس کے بعد دمشق کے دوسرے قضاۃ نے بھی اسی مسلک کو اختیار کیا، قاضی ابو زرعہ دمشقی کا قاعدہ تھا کہ جو عالم فقہ شافعی کی مشہور کتاب "المختصر للمزنی" کو زبانی یاد کرلیتا اس کو ایک دینار انعام دیتے تھے،

مقدسی بشاری نے لکھا ہے کہ چوتھی صدی میں شام میں کوئی شخص مالکی مسلک یا دوسرے مسلک کا نظر نہیں آتا ہے۔

امام سبکی نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں لکھا ہے کہ ماوراء النہر میں محمد بن اسمٰعیل قفال مروزی شاشی رح کی بدولت شافعی مسلک پھیلا، مقدسی بشاری کے بیان کے مطابق اقلیم مشرق کے بڑے بڑے شہر کور، شاش، ابلاق، طوس، ابی ورد، اور فساوغیرہ میں شافعی مذہب غالب تھا، نیز سرخس، نیساپور اور مرو میں یہ مسلک پایا جاتا تھا، امام سخاوی نے "الاعلان بالتوبیخ،، میں لکھا ہے کہ مرُد اور خراسان میں احمد بن سیار نے شافعی مذہب کو عام کیا، اس کے بعد حافظ عبدان بن محمد بن عیسیٰ مروزی نے اس کی اشاعت کی، اسفرائن میں سب سے پہلے امام شافعی کے مسلک اور ان کی کتابوں کو ابوزرعہ یعقوب بن اسحاق نیساپوری نے داخل کیا،

بغداد میں فقہ حنفی کا غلبہ تھا، امام شافعی نے وہاں جاکر اپنے مسلک کی ترویج کی، امام صاحب کے قدیم شاگرد حسن بن محمد زعفرانی نے بھی وہاں اس مسلک کو پھیلایا، امام سبکی کا بیان ہے کہ عرب کے علاقہ تہامہ میں یہ مسلک رائج تھا۔ اندلس میں مالکی مسلک کے علاوہ اور کوئی مسلک رائج نہیں تھا حتیٰ کہ وہاں کے لوگ کسی حنفی یا شافعی کو پاتے تو نکال دیتے تھے، علامہ ابن اثیر کے بیان کے مطابق افریقہ میں یعقوب بن یوسف بن عبدالمومن کے آخری دورِ سلطنت میں شافعی مسلک کی طرف رجحان پیدا ہوا، اور اس نے شوافع کو قاضی بنایا۔

حنبلی مسلک

اہلِ سنت کا چوتھا فقہی مسلک حنبلی ہے۔ اس کی نسبت امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی کی طرف ہے، اس کا مرکز بغداد تھا، اس کی اشاعت پہلے تینوں مذاہب سے کم ہوئی۔ ابن خلدون نے مقدمہ میں

اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ فقہ حنبلی اجتہاد سے بعید ہے، اور اس کا مدار زیادہ تر احادیث واخبار پر ہے، اکثر حنابلہ شام اور عراق کے علاقوں میں ہیں جو احادیث وسنن کی روایت میں سب سے آگے ہیں، ابن فرحون کا بیان ہے کہ امام احمد کا مذہب بغداد سے نکل کر شام کے اکثر شہروں میں پھیلا، اور مصر میں ساتویں صدی کے بعد ظاہر ہوا، سیوطی کے بیان کے مطابق حنبلی مسلک چوتھی صدی میں بغداد اور عراق کی حدود سے باہر آیا جب کہ مصر اور افریقہ پر عبیدیوں کا قبضہ تھا جو باطنی اسمٰعیلی شیعہ تھے۔ انھوں نے اپنے دور اقتدار میں علمائے اہلِ سنّت کو قتل وغارت اور جلاوطنی کے ذریعہ اپنی پوری حدودِ سلطنت سے ختم کر کے رفض وتشیُّع کو رُواج دیا۔ امام عبدالغنی مقدسی نے سب سے پہلے اس مسلک کو مصر میں پہونچایا، اور اس کی ترویج کی، مقدسی بشاری نے لکھا ہے کہ چوتھی صدی میں یہ مذہب بصرہ، اقور، دیلم، رحاب، سوس، خوزستان وغیرہ میں موجود تھا، اس زمانہ میں بغداد پر حنبلیت اور شیعیت کو غلبہ حاصل تھا، علّامہ ابن اثیر نے ۳۲۳ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں بغداد میں حنابلہ کو بڑی شوکت حاصل ہوئی، یہ لوگ امراء کے مکانات پر دھاوا بول کر نبیذ وغیرہ پاتے تو گرادیتے تھے، مغنّیات کو مارتے تھے اور سامانِ لہو ولعب کو توڑ پھوڑ کر پھینک دیتے تھے، منکرات پر اتنی شدت اختیار کرتے تھے کہ اہل بغداد پریشان ہوگئے، نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد میں اعلان ہوگیا کہ دو حنبلی ایک جگہ جمع نہ ہوں، اور نہ اپنے مسلک کے بارے میں گفتگو کریں، اس سے پہلے فتنۂ خلقِ قرآن میں امام احمد بن حنبل کے ابتلاء اور عباسی خلفاء وامراء اور معتزلہ کی مخالفانہ سرگرمیوں سے اس مسلک کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہوئی، اس مسلک کا کامل غلبہ بلاد نجد کے علاوہ کہیں سننے میں نہیں آتا ہے۔

فتنہ کا سدِ باب

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ چوتھی صدی سے پہلے مسلمان کسی خاص مذہب کی تقلید پر مجتمع نہیں تھے، کسی خاص شخص کے آراء و افکار کا قائل ہونا، کسی خاص مسلک پر فتویٰ دینا، اور اسی کے مطابق تفقہ پہلی اور دوسری صدی میں نہیں تھا، اس زمانہ میں بھی اس کی پابندی نہیں تھی، البتہ دو صدیوں کے بعد لوگوں میں اس کے اثرات کچھ کچھ ظاہر ہوئے۔ اس کے باوجود چوتھی صدی تک جیسا کہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے لوگ کسی خاص مذہب کی تقلید نہیں کرتے تھے، بلکہ علماء اور عوام کا یہ حال تھا کہ اجتماعی مسائلِ شرعیہ میں صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے تھے۔ اس بارے میں عام مسلمانوں اور جمہور مجتہدین میں کوئی اختلاف نہیں تھا، البتہ وضو، غسل، نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کے طریقوں کو اپنے آباء و اجداد یا اپنے شہر کے معلمین سے سیکھتے تھے۔ اور فروعات میں ان کے طریقوں کو اختیار کرتے تھے، اور نئے مسائل و حوادث میں بلا تعیین حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی جس مفتی و فقیہ سے چاہتے مسئلہ معلوم کر لیتے تھے، اور خواص کا حال یہ تھا کہ محدثین احادیث رسول اور آثارِ صحابہ کو لیتے تھے، تعارض یا اور کسی وجہ سے احادیث و آثار پر عمل نہ کر سکتے تو بعض متقدمین فقہاء کے کلام پر عمل کرتے، اگر کسی مسئلہ میں دو اقوال ہوتے تو قوی تر قول کو لے لیتے، اس میں یہ خیال نہ کرتے کہ یہ قول اہل مدینہ یا اہل کوفہ کا ہے، اور خواص جو علماء اہل تخریج تھے وہ اگر کسی مسئلہ میں تصریح نہ پاتے تو خود تخریج و اجتہاد سے کام لیتے، یہ حضرات اپنے شیوخ کی طرف منسوب ہوتے تھے، ان میں سے کسی کو شافعی اور کسی کو حنفی کہا جاتا تھا۔ اسی طرح محدثین بھی اگر کسی امام کی موافقت کرتے تو اس کی طرف منسوب ہوتے تھے جیسے نسائی اور بیہقی امام شافعی کی طرف منسوب ہوتے ہیں، اس زمانہ کے مجتہد حضرات فقیہ مانے

جاتے تھے، اور وہی قضاء اور افتاء کے منصب پر خاص طور سے رکھے جاتے تھے۔

بعد میں دوسرے لوگ پیدا ہوئے جو دین کی راہ مستقیم سے دور ہونے لگے، اور دین کی روح سے دوری کی وجہ سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہونے لگیں، ایسے حالات میں مسلمانوں نے خاص خاص مسلک کی تقلید کرلی، اور مزید فتنوں میں مبتلا ہونے کے مقابلہ میں کسی ایک مسلک کو اختیار کرلینا بہتر سمجھا،

موجودہ دور میں مذاہب اربعہ کے پیرو

مشہور مصری محقق علامہ احمد تیمور نے "نظرۃ تاریخیۃ فی حدوث المذاہب الاربعۃ وانتشارہا" میں لکھا ہے کہ موجودہ زمانہ میں اس کا صحیح اندازہ نہیں ہے کہ ان چاروں مذاہب کے ماننے والے کہاں کتنے ہیں؟ البتہ مغرب اقصیٰ تونس الجزائر اور کئی افریقی ممالک میں مالکی مسلک غالب ہے، ان علاقوں میں ترکی نسل سے تعلق رکھنے والے احناف بھی ہیں، اور سلاطین ترکی کے زمانہ سے یہاں آباد ہیں۔ اس لئے قلت کے باوجود حنفیت کو عروج حاصل ہے، مصر میں شافعی اور مالکی مسلک رائج ہے، صعید اور سودان میں مالکیہ ہیں، احناف بھی بکثرت ہیں۔ مصری حکومت کا مذہب حنفی ہے۔ کچھ حنابلہ بھی ہیں۔

شام کے مسلمان آدھے حنفی، ایک چوتھائی شافعی اور ایک چوتھائی حنبلی ہیں۔ فلسطین میں شوافع کا غلبہ ہے۔ مالکی اور حنفی بھی ہیں۔ عراق میں حنفی مسلک کو عروج ہے، شافعی، مالکی اور حنبلی بھی ہیں۔ ترکی، البانیہ، اور بلقان میں احناف کو غلبہ حاصل ہے۔ کردستان اور آرمینیہ پر شوافع کا اثر درسوخ ہے۔ فارس کے اہل سنت میں شوافع زیادہ ہیں، کچھ احناف بھی ہیں، افغانستان میں احناف کو غلبہ حاصل ہے۔ کچھ شافعی اور حنبلی بھی ہیں، ترکستانات غربی میں خیوہ (خوارزم) بخارا، تاشقند، ازبکستان، ترکمانیہ، قرغیریہ، قزاقستان، اور آذربیجان وغیرہ

میں حنفی ہیں، اور ترکستان شرقی (سنکیانگ) میں بھی حنفی ہیں، ساتھ ہی کچھ شافعی ہیں، بلاد قوقاز میں احناف کو غلبہ حاصل ہے۔ کچھ شوافع بھی ہیں، ہندوستان میں قدیم زمانہ میں شوافع زیادہ تھے۔ سندھ میں ان کی اکثریت تھی۔ مغربی سواحل پر قدیم زمانہ سے عربی النسل مسلمان آباد تھے۔ ان کا مسلک شافعی تھا، کوکن، مالابار اور مدراس میں اب بھی شوافع آباد ہیں، اس زمانہ میں ہندوستان میں بشمولیت پاکستان و بنگلہ دیش حنفی مسلک رائج ہے۔

جزیرہ مالدیپ کی کل آبادی کے تقریباً ایک لاکھ مسلمان کل کے کل شافعی ہیں، یہاں پہلے مالکی مذہب رائج تھا، سیلون (سری لنکا) جاوا، سماترا، جزائر شرق الہند اور جزائر فلپائن میں شوافع زیادہ ہیں، سیام (تھائی لینڈ) کے مسلمان زیادہ تر شافعی ہیں، کچھ حنفی بھی ہیں۔ ہند چینی اور اسٹریلیا کے مسلمان زیادہ تر شافعی ہیں۔

امریکہ کے علاقہ برازیل میں پچاسوں ہزار حنفی مسلمان آباد ہیں، اور امریکہ کے دوسرے علاقوں میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ مسلمان آباد ہیں جو مختلف مسلک کے پیرو ہیں۔

حجاز میں شافعی اور حنفی غالب ہیں۔ دیہاتوں میں احناف کے ساتھ مالکیہ بھی ہیں۔ اہل نجد حنبلی ہیں۔ اہل عسیر شافعی ہیں۔ نیز عدن، یمن، حضرموت کے اہل سنت شافعی ہیں۔ عدن میں احناف بھی ہیں، عمان پر فرقہ اباضیہ (خوارج) کا غلبہ ہے۔ وہاں حنبلی اور شافعی بھی ہیں، قطر اور بحرین میں مالکی مسلک عام ہے۔ نیز وہاں نجد کے حنابلہ ہیں۔ احساء کے اہل سنت میں حنبلی اور مالکی غالب ہیں۔ کویت پر مالکیہ کا اثر زیادہ ہے۔

یہ تخمینی اعداد و شمار اب سے پچاس سال پہلے کے ہیں۔ موجودہ زمانہ میں یورپ، امریکہ، افریقہ اور دیگر ایشیائی، افریقی اور مغربی ممالک میں بیرونی اور مقامی مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد پیدا ہو گئی ہے جو مختلف مذاہب سے تعلق رکھتی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ
نعمان بن ثابت کوفی

نام ونسب آپ کا اسم ونسب یہ ہے امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان تیمی، کوفی رحمۃ اللہ علیہ، بعض علماء نے دادا کا نام زوطیٰ بن ماہ بتایا ہے، وجہ یہ ہے کہ قبل اسلام نعمان کا نام زوطیٰ بَروزن موسیٰ یا بروزن سلمیٰ تھا اور مرزبان کا نام ماہ تھا جو فارس کے کسی علاقہ کے حاکم تھے، فارسی میں مرزبان حاکم وامیر کو کہتے ہیں، یہ بات بے اصل ہے کہ زوطیٰ زُطّ کا معرّب ہے جس کے معنیٰ ہندوستانی جاٹ یا سندھی جَٹ کے ہیں، نعمان بن مرزبان کابل کے اعیان واشراف میں بڑی فہم وفراست کے مالک تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلام قبول کرنے کے بعد کوفہ چلے آئے اور یہیں آباد ہو گئے، اس خاندان کو حضرت علیؓ سے خصوصی تعلق تھا۔

امام صاحب کے پوتے اسمٰعیل کا بیان ہے کہ میرا نام اسمٰعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مَرزبان ہے، ہم لوگ ابنائے فارس یعنی فارسی النسل ہیں، واللہ ہمارا خاندان کبھی کسی کا غلام نہیں تھا۔ میرے دادا ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، پردادا ثابت بچپن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئے، آپ نے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں خیر وبرکت کی

دعا فرمائی، ہم سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کی یہ دعا قبول فرمائی ہے نعمان بن مرزبان نے نوروز کے جشن پر حضرت علیؓ کو فالودہ پیش کیا، توآپ نے کہاکہ ہمارا ہر دن نوروز ہے، ایک روایت کے مطابق یہ واقعہ جشنِ مہرجان کا ہے[1]

قبیلہ بنی تیم اللہ بن ثعلبہ سے حلف و وِلاء !! یہ خاندان کوفہ کے ایک معزز شریف قبیلہ بنی تیم اللہ بن ثعلبہ سے ولاء اور دوستانہ تعلق کرکے تیمی کی نسبت سے مشہور ہوا، اس قبیلہ کے افراد نجابت وشرافت کی وجہ سے مَصَابِیحُ الظُّلَم، یعنی ظلمتوں کے چراغ کہلاتے تھے،[2]

امام صاحب کے تلامذہ میں ابو عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن یزید مقری مکی مولی آل عمر متوفی رجب ۲۱۳ھ بڑے زبردست مقری و محدث ہیں، وہ بصرہ یا اہواز کے کسی علاقہ کے رہنے والے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ولاء کا تعلق رکھتے تھے۔ ان کا واقعہ امام طحاویؒ نے مشکل الآثار میں ان کی زبانی نقل کیا ہے کہ میں جب امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں گیا تو انھوں نے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ میں نے کہاکہ میں ایسا شخص ہوں جس پر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق دیکر احسان کیا ہے، اس پر امام صاحب نے کہا

لاتقل ھٰکذا، ولکن وال بعض ھذہ الاحیاء ثم انتم الیھم	تم ایسا نہ کہو، بلکہ ان قبائل میں سے کسی کی وِلاء میں آجاؤ، پھر ان کی طرف اپنی

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، صیمری ص۳ طبع حیدرآباد، وتاریخ بغداد ص۳۲۶ ج۱۳ طبع مصر وعقود الجمان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان ص۳۷، ۳۸ طبع حیدرآباد، ووفیات الاعیان، ابن خلکان ص۲۹۴ ج۲ طبع قدیم اصفہان،

[2] جمہرۃ انساب العرب، ابن حزم ص۳۹۹ طبع مصر،

فانی کنتُ انا کذالک [1] — نسبت کرو، میں بھی ایسا ہی تھا۔

امام طحاویؒ کے تلمیذ حافظ ابن ابی عوام نے فضائل ابی حنیفہ واصحابہ میں مزید لکھا ہے کہ امام صاحبؒ نے مزید کہا کہ فوجد تھم حی صدق یعنی میں نے ان کو سچا پکا پایا۔ امام صاحبؒ کے خاندان کے علاوہ بنی تیم اللہ کی نجابت و شرافت کی وجہ سے متعدد علمی اور دینی خاندان اور افراد ان سے حلف و ولاء کی نسبت رکھتے تھے، ان ہی میں مشہور امام قرائت حمزہ (ابو عمارہ حمزہ بن حبیب بن عمارہ زیّات کوفی تیمی متوفی ۱۵۶ھ) بھی تھے جن کے بارے میں امام صاحبؒ کا قول ہے،

غلب حمزة الناس علی القرآن والفرائض [2] — حمزہ نے لوگوں کو قرآن اور فرائض حاصل کرنے پر مجبور و مغلوب کر دیا۔

ان تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ امام صاحب کا خاندان بنی تیم اللہ کا مملوک اور غلام نہیں تھا، نہ اُن کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا، بلکہ عجم کے نومسلم خاندانوں کی طرح یہ خاندان بھی ایک شریف قبیلہ سے رشتۂ ولاء قائم کر کے اس کی طرف منسوب ہوا، اور یہ روایت بے اصل ہے کہ امام صاحب کے والد کابل سے گرفتار کر کے کوفہ لائے گئے جہاں قبیلۂ تیم اللہ کی ایک عورت نے ان کو خرید کر آزاد کیا، یا ان کے دادا اس قبیلہ کے غلام تھے، اسی طرح یہ قول بھی بے اصل ہے کہ امام صاحب خالص عربی النسل تھے۔ غالباً یہ بات بجواب آں غزل" کے طور پر امام صاحب کو عجمی غلام کہنے والوں کے جواب میں کہی گئی ہے۔

مکان اور دکان

۱۷ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم و مشورہ سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ آباد کیا، اور وسطِ شہر میں جامع مسجد اور دار الامارۃ کی بنیاد رکھی، اس کے مشرقی علاقہ میں یمنی قبائل آباد ہوئے اور مغربی علاقہ میں حجاز کے نزاری قبائل کی آبادی ہوئی، دونوں علاقوں کے

---

[1] مشکل الآثار، ج ۴ ص ۵۴، [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۸

درمیان وسیع و عریض میدان تھا۔ جس میں جامع مسجد اور دار الامارۃ کی عمارت تھی، اور اسی میدان میں ایک طرف حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ نے اپنا شاندار مکان تعمیر کیا تھا، اسی کی وجہ سے اس علاقہ کو "رقاق عمرو" کہتے تھے جہاں ان کی اولاد کا قبضہ و غلبہ تھا، بعد میں سرکاری حکام اور ملازمین نے یہاں مکانات بنوائے اور یہ علاقہ گنجان ہو گیا، [1] اسی مکان میں امام صاحبؒ کے خاندان کی دکان تھی، اور مکان بھی اسی کے قریب مشرقی علاقہ میں تھا، جہاں یمن کے قبائل آباد تھے، ان ہی میں بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کا قبیلہ بھی آباد تھا جو یمن کے قبائل سے تعلق رکھتا تھا، اور امام صاحب کا خاندان اسی کے حلف و ولاء میں تھا، اسی قبیلہ کے پڑوس میں مکان بھی رہا ہوگا، اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ امام شعبی (عامر بن شراحیل حمیری متوفی ۱۰۹ھ) جو امام صاحب کے بڑے اساتذہ و شیوخ میں سے ہیں اور ان کا تعلق یمن کے قبائل سے تھا وہ بھی کوفہ کے مشرقی علاقہ میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ امام صاحب جوانی میں اپنے مکان سے دکان جا رہے تھے اور امام شعبی کی درسگاہ کے سامنے سے گذرے، تو امام شعبی نے ان کو بلا کر علم دین حاصل کرنے کی تلقین کی جیساکہ اس کی تفصیل بعد میں آئے گی۔

پیدائش اور بچپن

امام صاحب کی ولادت خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور میں ۸۰ھ میں کوفہ کے مشرقی علاقہ میں ہوئی، اس وقت کوفہ کی آبادی پر ۶۶ — ۶۷ سال گذر چکے تھے، صحابۂ کرام اور تابعین عظام کی کثرت تھی، جن کے دم قدم سے کوفہ کا کوچہ کوچہ دار العلم بنا ہوا تھا، ہر طرف دینی اور علمی مجلسیں اور طبقے قائم تھے، اسی ماحول میں امام صاحبؒ نے ہوش سنبھالا، خاندانی ذریعۂ معاش ریشم اور ریشمی کپڑے کی تجارت تھا، کوفہ کی جامع مسجد

---

[1] فتوح البلدان ص ۲۷۵، ص ۲۷۶،

کے قریب حضرت عمرو بن حریث رضؓ کے بابرکت مکان میں دکان تھی،

ایامِ حج میں حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضؓ کی زیارت اور ان سے روایت

بچپن میں امام صاحب نے مکہ مکرمہ میں ایامِ حج میں ایک صحابی حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ کی زیارت کی اور ان سے ایک حدیث سن کر اس کی روایت کی۔ مسند ابی حنیفہ، کتاب العلم میں ہے۔

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ عنہ: ولدتُ سنۃ ثمانین، وحججت مع ابی سنۃ ست وتسعین، وانا ابن ست عشرۃ سنۃ، فلمّا دخلتُ المسجد الحرام ورأیتُ حلقۃ، فقلتُ لابی: حلقۃُ مَن ھذہٖ؟ فقال: حلقۃ عبد اللہ بن الحٰرث بن جزء صاحب النبی صَلی اللہ علیہ وسَلم فتقدمتُ فسمعتہٗ یقول: سمعتُ رسول اللہ صَلی اللہ عَلیہ وسَلم یقول: من تفقہ فی دین اللہ کفاہُ اللہ مھمّہ ورزقہ من حیث لا یحتسب[1]۔

امام ابوحنیفہؒ نے بیان کیا ہے کہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوا۔ اور ۹۶ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کیا، اس وقت میں سولہ سال کا تھا جب مسجد حرام میں داخل ہوا تو ایک حلقہ درس دیکھا، والد سے پوچھا کہ یہ کس کا حلقہ ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ صحابی رسول عبداللہ بن حارث بن جزء کا حلقہ ہے، یہ سُنکر میں آگے بڑھا تو ان کو کہتے ہوئے سُنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کے دین میں تفقہ حاصل کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی مہمات کیلئے کافی ہوگا اور اسکو بے شان وگمان روزی دے گا۔

٭ ٭ ٭

[1] مسند ابی حنیفہ ص۲۵، ۲۶ طبع

اور جامع بیان العلم ابن عبدالبر اور اخبار ابی حنیفہ واصحابہ قاضی ابوعبداللہ صیمری میں لکھا ہے کہ امام صاحب کا بیان ہے کہ ۹۶ھ میں جب کہ میری عمر سولہ سال کی تھی، میں نے اپنے والد کے ساتھ حج کیا، دیکھا کہ لوگ ایک بزرگ کے پاس جمع ہیں، میں نے والد سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، ان کا نام عبداللہ بن حارث بن جزء ہے، میں نے پوچھا کہ ان کے پاس کیا ہے جو اس طرح لوگ ان کے گرد جمع ہیں؟ والد نے بتایا کہ ان کے پاس احادیث ہیں جن کو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے، میں نے کہا کہ مجھے آگے بڑھایئے تاکہ میں بھی ان کو سُن سکوں، چنانچہ وہ میرے آگے آکر بھیڑ چیرنے لگے یہاں تک کہ میں ان کے قریب پہونچ گیا، وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے الخ[1]

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ مصر میں رہتے تھے، ان کا انتقال ۸۵ھ یا ۸۶ھ یا ۸۸ھ میں ہوا اس لئے یہ واقعہ کسی دوسرے عبداللہ بن حارث سے تعلق رکھتا ہے، ابن حجر نے اصابہ میں عبداللہ بن حارث نام کے اٹھارہ انیس صحابی کا ذکر کیا ہے۔

جامع بیان العلم میں امام صاحب کے بیان میں یہ الفاظ ہیں۔

حججتُ مع ابی سنۃ ثلاث و تسعین ولی ست عشرۃ سنۃ	میں نے اپنے والد کے ساتھ ۹۳ھ میں حج کیا اور میری عمر سولہ سال کی تھی،

ہمارے خیال میں اس بیان میں سنہ کے اعداد و شمار میں غلطی چل پڑی ہے اور نقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ یہ عبارت اس طرح رہی ہوگی۔

حججتُ مع ابی سنۃ ست و ثمانین	میں نے اپنے والد کے ساتھ ۸۶ھ میں

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص۴ و جامع بیان العلم ج ۱ ص۴۵

ولی ست سنۃ ۔ حج کیا، اس وقت میری عمر چھ۶ سال کی تھی۔

اس کی تائید بعد کی عبارت سے ہوتی ہے جس کو صیمری اور ابن عبدالبر نے یوں نقل کیا ہے۔

فقلتُ قدِّمنی الیہ حتّی اسمع منہ، فتقدّم بین یدیّ فجعل یفرج عنی الناس حتی دنوت منہ فسمعتہ الخ	میں نے والد سے کہا کہ آپ مجھے ان کیطرف بڑھایئے تاکہ میں ان کی بات سُن سکوں تو وہ میرے سامنے آکر لوگوں کو ہٹانے لگے یہانتک کہ میں انکے قریب ہوا پس اس کو سُنا۔

سولہ ۱۶ سال کا جوان اپنے والد سے اس طرح کی گذارش نہیں کرتا ہے اور نہ والد اس کے لئے خود حدیث پڑھکر راستہ صاف کرتا ہے۔ محدثین اپنے بچوں کو کاندھے پر لیجا کر حدیث کے حلقہ میں بٹھاتے تھے۔ اوران کو حدیث کا سماع کراتے تھے، قدماء کے یہاں اس کا رواج ومزاج تھا، اس لئے یہ واقعہ بچپن کا ہوگا، اس قسم کی غلطی بعض اوقات کتابوں میں چلی آتی ہے مثلاً فاتح سندھ حضرت محمد بن قاسم کے بارے میں تقریباً تمام مؤرخین تصریح کرتے ہیں کہ ۹۳ھ میں سندھ پر حملہ کے وقت ان کی عمر صرف ستره ۱۷ سال کی تھی، حالانکہ یہ صریحی طور سے غلط ہے، یہ عمر ان کی فارس پر امارت ۸۳ھ کے وقت تھی، جہاں سے وہ براہِ راست ۹۲ھ میں سندھ کی امارت پر آئے، اور اس وقت ان کی عمر چھبیس ۲۶، ستائیس ۲۷ سال کی تھی، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ہماری کتاب "اسلامی ہند کی عظمت رفتہ" ص۱۰۴ تا ص۱۱۰،

دوسرے صحابۂ کرام کی دید وزیارت اور روایت

ائمۂ اربعہ متبوعین میں صرف امام صاحب کو متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم کی دید وزیارت اور ملاقات وہمنشینی کا شرف حاصل ہے، اور

آپ کا شمار اعیانِ تابعین میں ہوتا ہے، آپ کے بچپن میں متعدد صحابہ کوفہ میں بقیدِ حیات تھے، جن کی زیارت اور ملاقات سے مسلمان فیضیاب ہوتے تھے۔ خود آپ کی دکان کے مالک حضرت عمر بن حریث رضؓ موجود تھے جن کا وصال ۸۵ھ میں ہوا، اس وقت امام کی عمر پانچ سال کی تھی، ظاہر ہے کہ کبھی کبھی دکان پر آتے جاتے اس بچہ نے ان کی زیارت کی ہوگی، اس کے علاوہ اکثر تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ امام صاحب نے بچپن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے، امام ذہبی نے لکھا ہے کہ امام صاحب کی ۸۰ھ میں پیدائش کے وقت کوفہ میں صحابہ رضؓ کی ایک جماعت موجود تھی، اور ان شاء اللہ ان کی زیارت کی وجہ سے آپ تابعین کے زمرہ میں شامل تھے۔ صحیح قول کی بناء پر جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کوفہ تشریف لائے تو آپ نے ان کی زیارت کی۔[1] اور امام ذہبی ہی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ امام صاحب نے حضرت انس رضؓ کو ایک مرتبہ دیکھا ہے جب کہ وہ کوفہ آئے تھے[2] اسی طرح انھوں نے العبر میں اس کی تصریح کی ہے[3] ابن ندیم نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے متعدد صحابہ سے ملاقات کی ہے،[4] ابن خلکان کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ رحؒ نے چار صحابہ رضؓ کا زمانہ پایا ہے، حضرت انس بن مالک، اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کوفہ میں حضرت سہل بن سعد ساعدی مدینہ میں، اور حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ مکہ میں موجود تھے، امام صاحب ان حضرات میں سے جس سے ملے اکتسابِ فیض کیا، اور یہ قول اہلِ نقل کے نزدیک پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحؒ نے صحابہ کی ایک جماعت سے حدیث کی روایت کی ہے[5]

---

[1] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ ص۸، [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص۱۵۸، [3] العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص۱۶۴، [4] الفہرست ص۲۸۴، [5] وفیات الاعیان ج ۲ ص۲۹۴

امام صاحب کا بیان ہے کہ حضرت انس کوفہ آئے اور قبیلہ نخع میں قیام کیا، سُرخ خضاب استعمال کرتے تھے، میں نے ان کو کئی بار دیکھا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اپنے فتاوے میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے صحابہ کی ایک جماعت کا زمانہ پایا ہے، وہ کوفہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے جہاں حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ موجود تھے، ان کی وفات ۸۸ھ میں یا اس کے بعد ہوئی ہے، اور ابن سعد نے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ کو دیکھا ہے ان دونوں حضرات کے علاوہ دوسرے شہروں میں صحابہ موجود تھے، بعض علمار نے ایک کتاب میں صحابہ سے امام ابوحنیفہؒ کی روایتیں جمع کی ہیں، مگر ان کی سندیں ضعف سے خالی نہیں ہیں، مستند قول یہی ہے کہ انھوں نے بعض صحابہ کو دیکھا ہے، اس لئے وہ طبقۂ تابعین میں سے ہیں، اور یہ شرف ان کے معاصر ائمۂ امصار میں کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے، جیسے اوزاعی شام میں، حماد بن زید اور حماد بن سلمہ بصرہ میں، مالک بن انس مدینہ میں، اور لیث بن سعد مصر میں[1]

امام صاحب ابتدار میں خاندانی تجارت میں مشغولیت کے ساتھ بحث و مناظرہ میں بہت آگے تھے اور سارا زور علم کلام اور زنادقہ و ملاحدہ سے مجادلہ و مناظرہ پر صرف کرتے تھے، دینی علوم یعنی حدیث و فقہ کی طرف بہت کم توجہ تھی، اسی زمانہ میں جب امام شعبی نے ان سے دینی علوم کے بارے میں سوال کیا تو کہا کہ انا قلیل الاختلاف الیھم یعنی میں علمار و محدثین کی مجلس میں کم آتا جاتا ہوں۔ اس لئے اس دور میں احادیث کی طرف توجہ نہیں تھی، اور جماعتِ صحابہ سے شرفِ روایت کے ساتھ شرفِ روایت حاصل نہ ہو سکا،

جوانی میں زنادقہ و ملاحدہ اور فرقِ باطلہ سے مقابلہ

امام صاحب نہایت ذہین و فطین اور صاحب فہم و فراست تھے، جوانی کا زمانہ بڑی خوشحالی اور

[1] عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفہ النعمان ص۴۹، ۵۰، طبع جدید حیدر آباد۔

فارغ البالی میں گذر رہا تھا، اس وقت ایک طرف فقہاء و محدثین اپنے اپنے دینی وعلمی حلقوں میں احادیث و آثار کی روایت و درایت اور فقہ وفتویٰ کے اجتہاد واستنباط میں مشغول تھے، دوسری طرف عجمی اختلاط کی وجہ سے فرقِ باطلہ اسلامی عقائد و افکار کے مقابلہ میں بحث و مناظرہ کا بازار گرم رکھتے تھے، خود مسلمانوں کے گمراہ طبقہ میں جہمیہ، قدریہ، جبریہ، خوارج، روافض وغیرہ پیدا ہوگئے تھے، اسی کے ساتھ مجوسیت، ثنویت، سمنیت اور الحاد و زندقہ کے افکار بال و پر نکال رہے تھے جن کے مقابلہ میں علمائے اسلام علم کلام کا حربہ لے کر سامنے آئے، ان ہی علمائے اسلام میں امام صاحب بھی تھے جو ایام جوانی میں اس میدان میں اُترے، اور اپنی خداداد ذہانت، طباعی، اور حدتِ فکر و نظر سے اسلامی عقائد و افکار کی صحیح ترجمانی کر کے زنادقہ و ملاحدہ کو شکست دی، حتیٰ کہ اس بارے میں آپ کی شہرت و ناموری درجۂ کمال کو پہونچی، خود بیان کرتے ہیں کہ میں ابتدائی عمر میں بحث و مناظرہ میں مشغول رہتا تھا، اس وقت بصرہ مختلف فرقوں کے بحث و مباحثہ کا گہوارہ تھا، ان سے بحث و مناظرہ کے سلسلہ میں مجھے بیس۲۰ سے زائد مرتبہ بصرہ سے آنا جانا پڑا تھا بعض اوقات ایک سال بعض اوقات اس سے کم مدت تک وہاں مقیم رہتا تھا اور خوارج اور حشویہ سے مناظرہ و مباحثہ کرتا تھا۔ اس زمانہ میں علمِ کلام میرے نزدیک سب سے اعلیٰ و افضل علم تھا، اور سمجھتا تھا کہ یہ علم اصول دین میں سے ہے، اور اس سے دین کی بڑی خدمت انجام پاتی ہے،

ذہنی انقلاب میں ایک مدت تک اسی کو دینی علم سمجھ کر دشمنانِ اسلام سے مقابلہ کرتا رہا، پھر سوچا کہ حضرات صحابہ و تابعین دین میں ہم سے زیادہ علم و بصیرت رکھتے تھے، وہ لوگ کبھی بحث و مباحثہ میں نہیں پڑے بلکہ دین میں جدل و مجادلہ سے شدت کے ساتھ منع کرتے تھے، ان حضرات نے شرعی

امور واحکام میں غور و فکر کیا اور فقہی ابواب و مسائل کو اپنی ذہنی و فکری کاوشوں کا محور بنایا، اسی کے لیۓ وہ دینی و علمی مجلسیں اور حلقے قائم کرتے تھے۔

ورأیتُ من ینتحل الکلام و یجادل فیہ لیس سیما ھم سیما المتقد مین۔

اور میں نے دیکھا کہ جو لوگ علمِ کلام کے حامل ہیں اور اسمیں بحث و مجادلہ کرتے ہیں ان میں سلف کے اثرات و نشانات نہیں ہیں

امام حماد بن ابی سلیمانؒ کے حلقہ درس میں

ہماری مجلس حماد بن ابی سلیمان کے فقہی حلقہ درس کے قریب تھی جن دنوں میں ان خیالات میں پریشان تھا ایک عورت نے مجھ سے سوال کیا کہ ایک شوہر اپنی بیوی کو سنّت کے مطابق طلاق دینا چاہتا ہے اس کی کیا صورت ہے؟ میں نے ندامت اور شرمندگی کے ساتھ اس عورت سے کہا کہ تم حماد بن ابی سلیمان سے یہ مسئلہ معلوم کر کے مجھے بھی بتا دو، اس عورت نے ایسا ہی کیا، اس واقعہ کا اثر میرے دل پر یہ ہوا کہ

فقلتُ لاحاجۃَ لی فی الکلا م و اخذتُ نعلی، فجَلستُ الی حمّاد۔

میں نے کہا کہ مجھے علم کلام کی ضرورت نہیں ہے اور کلامی مجلس سے اپنا جوتا لیکر نکلا اور حمّاد کی فقہی مجلس میں جاکر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد باقاعدہ ان کے حلقہ درس میں حاضری دینے لگا،

حماد بن ابی سلیمان نے میرے ذوق و شوق اور انہماک کو دیکھکر کہا کہ ابوحنیفہ کے علاوہ کوئی شخص صدر مجلس میں میرے سامنے نہ بیٹھے، میں اسی طرح مسلسل دسؔ سال تک ان کی خدمت میں رہ کر فقہی تعلیم حاصل کرتا رہا، درمیان میں ایک مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ خود اپنا حلقہ درس قائم کروں مگر پھر اس سے یکسو ہو کر حمّاد کے حلقہ میں شامل رہا، ان ہی دنوں بصرہ میں ان کے رشتہ دار کی موت کی خبر آئی اور

وہ اپنی جگہ مجھے بٹھا کر بصرہ چلے گئے اور دو ماہ تک وہیں رہ گئے، اس درمیان میں میرے سامنے نئے نئے مسائل آئے، جن کے بارے میں حماد سے کچھ نہیں سنا تھا، میں ان کے جوابات دیکر لکھ لیا کرتا تھا، ان کی تعداد ساٹھ تھی۔ حماد بصرہ سے واپس آئے تو چالیس مسائل میں انھوں نے اتفاق کیا اور بیس مسائل میں مجھ سے اختلاف کیا، اس کے بعد میں نے قسم کھالی کہ حماد کی زندگی تک ان کے حلقۂ درس سے جدا نہیں ہوں گا اور ان کے انتقال تک وہیں رہا۔

امام صاحب سے ایک روایت میں ہے کہ میں جس زمانہ میں حماد بن ابی سلیمان کے حلقۂ درس سے علیحدگی کا خیال کر رہا تھا بصرہ جانے کا اتفاق ہوا، وہاں کے لوگوں نے مجھ سے مسائل دریافت کئے اور میں کئی مسائل کے جواب نہ دے سکا، اس لئے ارادہ کرلیا کہ حماد کی زندگی میں ان سے جدا نہیں ہوں گا، چنانچہ اٹھارہ سال تک ان کی خدمت میں رہا۔[1]

امام حماد بن ابی سلیمان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی، اور امام صاحب اُن کے انتقال تک ان کے ساتھ رہے جس کی مدت اٹھارہ سال ہے، اس حساب سے امام صاحب اپنے استاذ کے حلقۂ درس میں ۱۰۲ھ میں گئے جب کہ ان کی عمر بائیس ۲۲ سال کی تھی، اس سے پہلے علمِ کلام اور بحث و مباحثہ کے ذریعہ اسلام کی طرف سے دفاعی خدمت انجام دیتے تھے۔

امام صاحب ابتدا میں حماد بن ابی سلیمان کے پاس گئے تو انھوں نے دریافت کیا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ فقہ حاصل کرنے کے لئے، اس پر حماد نے کہا تم روزانہ تین مسائل سیکھا کرو، اس سے زیادہ نہ سیکھو۔ امام صاحبؒ نے ان کا مشورہ قبول کرلیا اور فقہ میں ایسی مہارت و شہرت حاصل

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۳ و عقود الجمان ص ۱۶۳ ،

کی کہ ان کی طرف انگلیاں اٹھنے لگیں[1]

امام شعبیؒ سے ملاقات اور ان کی جوہر شناسی و رہنمائی

جن دنوں امام صاحب علم کلام اور بحث و مباحثہ کی طرف سے بیزار ہو رہے تھے ایک اور واقعہ پیش آیا جس نے ان کی تمام تر توجہ دینی علوم کی طرف موڑ دی، امام صاحب کا بیان ہے کہ ایک دن میں امام شعبی کی درسگاہ کی طرف سے گذر رہا تھا، انھوں نے مجھے آواز دی، میں حاضر ہوا تو کہا تم کس کے یہاں آتے جاتے ہو؟ میں نے بتایا کہ فلاں شخص کے پاس جا رہا ہوں، امام شعبیؒ نے کہا کہ میرے سوال کا مطلب بازار آنے جانے کا نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم کن علماء کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے ہو؟ میں نے کہا کہ انا قلیل الاختلاف الیھم یعنی میں علماء کے پاس کم آتا جاتا ہوں، اس پر امام شعبیؒ نے کہا کہ

لا تفعل، وعليك بالنظر في العلم ومجالسة العلماء فاني ارىٰ فيك يقظة وحركة،	تم ایسا نہ کرو، میں تمہارے اندر ذہنی و فکری بیداری اور حرکت دیکھ رہا ہوں، تم علم دین اور علماء دین کی مجلس اختیار کرو،

امام شعبیؒ کی یہ بات میرے دل میں گھر کر گئی، اور اسی وقت سے بازار اور دکان میں آنا جانا بند کر کے علم دین کی تحصیل میں لگ گیا، اللہ تعالیٰ نے امام شعبی کی بات سے مجھے نفع پہونچایا،[2]

امام ابوحنیفہ اور علم حدیث

امام صاحب تقریبًا بائیس ۲۲ سال کی عمر تک علم کلام اور جدل و مباحثہ کے ذریعہ اسلام کی خدمت کرتے رہے اور اس میں درجۂ کمال تک پہونچے، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ دینی علوم خصوصًا علم حدیث سے اس مدت میں بالکل بے تعلق رہے

[1] اخبار ابی حنیفہ وصاحبیہ ص۶، [2] عقود الجمان ص۱۶۰، ص۱۶۱،

بلکہ اس دور میں بھی وہ علم حدیث کی مجالس میں شریک ہو کر شیوخ و محدثین سے روایت کرتے تھے، البتہ علم کلام میں غلو کی وجہ سے علم حدیث کی طرف توجہ کم تھی جیساکہ انھوں نے خود امام شعبی سے کہا تھا کہ میں علماء کے یہاں کم آمد و رفت رکھتا ہوں، اور حمّاد بن ابی سلیمان کے حلقۂ درس میں شامل ہونے کے بعد امام صاحب رات دن دینی علوم کی تحصیل میں لگ گئے، امام حمّاد کے فقہی درس میں روزانہ صرف تین مسائل پر احادیث و آثار اور روایت و درایت کی روشنی میں بحث و تمحیص ہوتی تھی، باقی اوقات دوسرے علماء و محدثین کی مجالس میں آمد و رفت رہا کرتی تھی،

امام صاحب کے سوانح نگاروں نے ان کے بہت سے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں، ابو حفص الکبیر کے حکم سے امام صاحب کے شیوخ کی فہرست تیار کی گئی تو چار ہزار نام نکلے، حافظ ابوبکر محمد بن عمر جبالی نے "کتاب الانتصار" میں خاص طور سے امام صاحب کے بہت سے شیوخ کا تذکرہ کیا ہے، شیخ شمس الدین محمد بن یوسف صالحی دمشقی نے "تسہیل السبیل" میں امام صاحب کے شیوخ کا ذکر کیا ہے، اور عقود الجمان" میں حروف تہجی پر ان کے شمار کئے ہیں جن کی تعداد دو سو اسی (۲۸۰) سے زائد ہے، [1]

اگر تفقہ فی الدین میں امام حماد بن ابی سلیمانؒ ان کے شیخ اکبر ہیں تو امام عامر بن شرحبیل شعبیؒ حدیث رسول میں ان کے شیخ اکبر ہیں جیساکہ ذہبی نے لکھا ہے۔

وهو اكبر شيخ لابي حنيفة [2] وہ ابو حنیفہ کے شیخ اکبر ہیں،

امام صاحب تفقہ و اجتہاد میں ائمۂ اربعہ متبوعین میں سب سے آگے تھے، اور تفقہ و اجتہاد کا دارومدار کتاب و سنّت پر ہے، بغیر اس کے کوئی عالم فقیہ و مجتہد نہیں ہو سکتا ہے، البتہ وہ حدیث کی روایت سے زیادہ حدیث کی درایت اور اس سے مسائل کے استخراج پر توجہ دیتا ہے، اس لئے ہر فقیہ و مجتہد کا محدث ہونا ضروری ہے۔

---

[1] عقود الجمان ص ۶۳ تا ص ۸۰ ، [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۵

امام اعمش امام صاحب کے استاذِ حدیث ہیں، ایک مرتبہ امام صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے کئی علمی سوالات کئے اور امام صاحب نے ان کے جوابات دئے، ہر سوال کے جواب پر امام اعمش کہتے تھے کہ تم یہ جواب کس دلیل سے دیرہے ہو؟ اور امام صاحب کہتے تھے کہ آپ ہی سے روایت کردہ احادیث سے جواب دیرہا ہوں، آخر میں امام اعمش نے کہا۔

یامَعشرَ الفقہاء، انتم الاطباءُ،	اے فقہاء! آپ لوگ طبیب ہیں، اور
ونحن الصیادلۃ، [1]	ہم دوا فروش ہیں،

امام صاحب کے شاگرد رشید قاضی ابو یوسف کا بیان ہے کہ میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جو حدیث کی تشریح اور اس کے فقہی اسرار وحکم کا ابو حنیفہ سے زیادہ جاننے والا ہو، میں نے بعض مسائل میں امام ابو حنیفہ سے اختلاف کرکے ان میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا مسلک درست ہے۔ میں بسا اوقات فقہ کے مقابلہ میں حدیث کی طرف مائل ہو جاتا تھا، مگر بعد میں معلوم ہوتا تھا کہ امام صاحب صحیح حدیث کے بارے میں مجھ سے زیادہ بصیرت رکھتے ہیں۔ [2]

نیز قاضی ابو یوسف کا بیان ہے کہ ایک دن اعمش نے کہا کہ تمہارے استاذِ فقہ ابو حنیفہ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ قول کیوں ترک کر دیا؟

عِتق الاَمَۃِ طلاقہا	باندی کی آزادی اس کے حق میں طلاق ہے

میں نے جواب دیا۔

لحدیث حدّثتنا ہ عن ابراھیم	اس حدیث کی وجہ سے جس کو آپنے ہم سے
عن الاسود، عن عائشۃ اَنّ بریرۃ	بیان کیا ہے کہ ابراہیم نے اسود سے، انھوں نے

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ صیمری ص۱۳، والفقیہ والمتفقہ، خطیب ص۸۳ ج۲، ومناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ ذہبی ص۲۱، [2] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، ص۲۲، وتاریخ بغداد ج۱۳ ص۳۴۰،

حین اعتقت خیّرت — حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ بُریرہؓ جب آزاد کی گئیں تو ان کو اختیار دیدیا گیا تھا،

یہ جواب سن کر اعمش نے کہا کہ واقعی ابوحنیفہ حدیث کے موقع ومحل کو خوب پہچانتے ہیں اور اس میں بڑا شعور رکھتے ہیں اور ابوحنیفہ کے علم حدیث اور اس سے استدلال پر اظہار تعجب کیا، لہ

حسن بن صالح کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ احادیث کے ناسخ ومنسوخ کی جانچ میں بہت شدت سے کام لیتے تھے، اور ان کے روایتی اور درایتی معیار کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے جو حدیث مل جاتی تھی اسی پر عمل کرتے تھے، وہ علمائے کوفہ کی احادیث وفقہ دونوں کو پہچانتے تھے، اور اپنے شہر کے تعامل کی اتباع کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل کے حافظ تھے جس پر آپ کا وصال ہوا، اور جو علماءِ کوفہ تک پہونچا،

ایک مرتبہ محمد بن واسع خراسانی خراسان گئے، لوگوں نے ان سے فقہی مسائل دریافت کئے، انھوں نے کہا کہ فقہ کوفہ کے نوجوان عالم ابوحنیفہ کا فن ہے، لوگوں نے کہا کہ وہ حدیث نہیں جانتے وہاں عبداللہ بن مبارک موجود تھے، انھوں نے یہ سنکر برجستہ کہا کہ تم لوگ کیسے کہتے ہو کہ ابوحنیفہ حدیث نہیں جانتے، ایک مرتبہ ان سے رُطب کو تمر کے بدلے فروخت کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے جائز قرار دیا، اس کے مقابلہ میں اہل علم نے حضرت سعد کی حدیث پیش کی تو ابوحنیفہ نے بتایا کہ وہ حدیث شاذ ہے، زید بن ابی عیاش راوی کی وجہ سے مقبول نہیں ہے، کیا جو شخص ایسی بات کرے وہ حدیث نہیں جانتا ہے؟ ٢ھ

لہ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص۱۱ و تاریخ بغداد ج۱۳ ص۳۴۰، ٢ھ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص۱۱

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ابو حنیفہؒ نے مجھکو محدّث بنایا اور درسِ حدیث کے لئے بٹھایا، صورت یہ ہوئی کہ میں کوفہ گیا تو ابو حنیفہ نے وہاں کے اہلِ علم سے کہا کہ سفیان بن عیینہ، عمرو بن دینار کی احادیث کے سب سے بڑے عالم ہیں، اس کے بعد وہاں کے اہلِ علم میرے گرد جمع ہو گئے اور میں نے عمرو بن دینار کی احادیث بیان کیں [1] واضح ہو کہ عمرو بن دینار، امام ابو حنیفہ کے بھی استاذ حدیث ہیں مگر انھوں نے ان کی احادیث کا سب سے بڑا عالم سفیان بن عیینہ کو بتا کر اپنے شہر کے اہلِ علم سے ان کا تعارف کرایا، یہ ان کے اعلیٰ ظرف کی دلیل ہے۔

عبداللہ بن داؤد خریبیؒ کہا کرتے تھے کہ اہل اسلام پر فرض ہے کہ ابو حنیفہؒ کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں، انھوں نے مسلمانوں کے لئے سنن یعنی احادیث اور فقہ کو محفوظ کر دیا ہے۔ [2]

سفیان ثوری کا قول ہے کہ ابو حنیفہ صرف صحیح حدیث کو لیتے تھے، حدیث کے ناسخ و منسوخ کا پختہ علم رکھتے تھے، ثقہ راویوں سے روایت کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری عمل اور اہل کوفہ کے مسلک پر عمل کرتے تھے، اور اسی کو دین بناتے تھے، ایک جماعت نے ان پر طعن و تشنیع کی ہے، ہم ایسے لوگوں کے بارے میں سکوت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں [3]

امام صاحب احادیث کی روایت کے بارے میں کہا کرتے تھے۔

لاینبغی للرجل ان یحدّث	آدمی کو چاہئے کہ صرف وہی حدیث بیان کرے
من الحدیث الّا ما یحفظ من	جس کو اس نے سماع کے وقت یاد کر
وقت ما سمعہ [4]	لیا ہے۔

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص۸۶ وتاریخ بغداد ج ۱۳ ص۳۴۴ وعقود الجمان ص۱۹۴،
[3] عقود الجمان ص۱۹۱، [4] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ ص۲۲،

یحییٰ بن معین کا قول ہے۔

کَانَ ابوحنیفۃ ثقۃ، لَایُحَدِّث اِلَّا ماحفظ، ولایحدث بما لایحفظ۔ لہ	ابوحنیفہ ثقہ ہیں، وہ صرف وہی حدیث بیان کرتے ہیں جوان کو یاد ہے اور جو یاد نہیں ہے اسکو بیان نہیں کرتے

امام صاحب کے تلمیذ ابوعبدالرحمٰن مقری مکیؒ کے بارے میں بشر بن موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ ابوحنیفہ سے روایت کرتے تھے تو کہتے تھے حَدَّثنا شاھانشاہ یعنی شہنشاہ نے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ ٢ھ

ایک مرتبہ یحییٰ بن معین سے سفیان ثوری کی ان احادیث کے بارے میں سوال کیا گیا جن کو انھوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے کہا کہ

ثقۃ، ما سمعتُ احدًا ضعَّفہٗ ھذا شعبۃ بن الحجّاج یکتب لہ ان یحدّث ویامرہ، وشعبۃ شعبۃ۔ ٣ھ	ابوحنیفہ ثقہ ہیں، میں نے نہیں سنا کہ کسی نے ان کو ضعیف کہا ہو، شعبہ بن حجّاج ان کو حدیث بیان کرنے کے لئے لکھتے تھے اور ان کو اس کا حکم دیتے تھے، اور شعبہ بہرحال شعبہ ہیں۔

ایک مرتبہ ابوسعد صغانی نے امام صاحب سے دریافت کیا کہ سفیان ثوری سے روایت کرنے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ امام صاحب نے ان سے کہا کہ

اُکْتُبْ عنہ فانہ ثقۃ ماخلا احادیث ابی اسحاق عن الحارث واحادیث جابر الجعفی ٤ھ	تم ان سے حدیث لکھو، وہ ثقہ ہیں سوائے ابواسحٰق کی ان احادیث کے جو حارث سے مروی ہیں اور سوائے جابر جعفی کی احادیث کے۔

لہ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۔۔۔، وتہذیب الاخلاق ص ج۱۰ ۴۵۰، ٢ھ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۵
٣ھ عقود الجمان ص ۲۴۳، ٤ھ عقود الجمان ص ۱۶۷،

رُواۃ حدیث کی جرح وتعدیل کے بارے میں بھی امام صاحب کے اقوال کتابوں میں ملتے ہیں، ایک قول یہ ہے۔

مَارأیتُ اکذب من جابر الجعفی، وَلا افضل من عطاء بن ابی رباح[1]	میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا اور عطاء بن ابورباح سے زیادہ افضل کسی کو نہیں دیکھا

امام صاحب علوم حدیث کے تمام سرچشموں سے سیراب تھے، اوراس میں ان کو جامعیت حاصل تھی، ایک مرتبہ خلیفہ ابوجعفر منصور کے یہاں گئے، عیسیٰ بن موسیٰ نے امام صاحب کے بارے میں کہا کہ ھذا عالم الدُنیا الیوم یعنی آج یہ دنیا کے سب سے بڑے عالم ہیں، ابوجعفر منصور نے پُوچھا کہ آپ نے کس سے علم حاصل کیا ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا حضرت عمرؓ کا علم اصحاب عمر سے، حضرت علیؓ کا علم اصحاب علی سے، حضرت ابن مسعودؓ کا علم اصحاب ابن مسعود سے، حضرت ابن عباسؓ کا علم اصحاب ابن عباس سے، اور ابن عباس کے زمانہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہیں تھا یہ سُن کر ابوجعفر منصور نے کہا کہ آپ نے بہت ہی معتبر ومستند علم حاصل کیا ہے[2]

حدیث کے چند شیوخ

جیسا کہ معلوم ہوا کہ امام صاحب کے اساتذہ وشیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے، یہاں چند اساطین علم وفضل اور کبار تابعین وتبع تابعین کے نام دئے جاتے ہیں جن سے امام صاحب نے علم دین حاصل کیا ہے، عامر بن شراحیل حمیری کوفی، حماد بن ابی سلیمان مسلم اشعری کوفی، علقمہ بن مرثد حضرمی کوفی، حکم بن عتیبہ کوفی، عاصم بن ابی النجود کوفی، سلمہ بن کہیل حضرمی کوفی، علی بن الاقمر کوفی، زیاد بن علاقہ کوفی، عطاء بن ابی رباح مکی، سعید بن مسروق ثوری، ابوجعفر الباقر محمد بن علی بن حسین، عدی بن ثابت انصاری کوفی، عطیہ بن سعید عوفی کوفی، ابوسفیان سعدی، ابوامیہ عبدالکریم ابومخارق بصری،

---

[1] تہذیب التہذیب ص۴۵۱ ج ۱۰، [2] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص۳۳۴۔

یحیٰی بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ مدنی، نافع بن مولی ابن عمر مدنی، عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج مدنی، قتادہ بن دعامہ بصری، عمرو بن دینار مکی، ابواسحٰق سبیعی کوفی، محارب بن دثار کوفی، ہیثم بن حبیب صوّاف کوفی، محمد بن منکدر مدنی، سماک بن حرب کوفی، قیس بن مسلم کوفی، یزید بن صہیب کوفی، عبدالعزیز بن رفیع مکی کوفی، ابوالزبیر محمد بن مسلم مکی، منصور بن معتمر کوفی، سلیمان بن مہران الاعمش بصری، اور بہت سے دوسرے علمائے تابعین، [1]

قلّتِ روایت کی وجہ

چونکہ امام صاحب کا خاص فن تفقّہ اور اجتہاد تھا اس لئے احادیث کے بارے میں بڑی شدّت اور احتیاط سے کام لیتے تھے، روایت سے زیادہ درایت پر توجہ دیتے تھے۔ اس لئے ان کی احادیث بظاہر کم معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان کے حاسدوں نے اس بات کو رائی کا پہاڑ بنا کر پیش کیا، حالانکہ دوسرے ائمۂ دین بھی شدّتِ احتیاط کی وجہ سے قلیل الحدیث ہیں۔ مثلاً امام مالکؒ کی احادیث کا مجموعہ صرف ان کی کتاب مؤطا ہے، جو دوسری کتبِ حدیث کے مقابلہ میں مختصر سی کتاب ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امام مالکؒ کو حدیث معلوم نہیں تھی، بلکہ انھوں نے حدیث کے بارے میں شدّت اختیار کی اور تکثیرِ روایت سے پرہیز کیا،

ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن معین سے کہا کہ مالک کی حدیث کیوں کم ہے؟ انھوں نے بتایا کہ بکثرۃ تمییزہ یعنی ان کی بہت زیادہ احتیاط اور پرکھ کی وجہ سے یہ بات ہے، خود امام مالکؒ کہتے ہیں کہ میں نے ابن شہاب زہری سے بہت سی احادیث کا سماع کیا ہے، مگر کبھی ان کی روایت کی ہے اور نہ ہی روایت کروں گا، جب اس کی وجہ

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۴۹، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۹، وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۹۴، تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۴، مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ ص ۱۱

معلوم کی گئی تو کہا کہ ان احادیث پر عمل نہیں ہے۔ امام مالکؒ کے انتقال کے بعد ان کی کتابیں نکالی گئیں جن میں حضرت ابن عمرؓ کی حدیثیں بہت زیادہ تھیں اور ان میں سے موطا میں صرف دو حدیثیں ہیں[۱]۔

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب امام مالکؒ کو کسی حدیث کے بعض حصے میں شک پڑ جاتا تھا تو پوری حدیث ترک کر دیتے تھے، عبداللہ بن وہب کہتے ہیں کہ لوگوں کا علم بڑھتا ہے اور امام مالکؒ کا علم ہر سال حدیث کے متعلق کم ہوتا ہے[۲]

بالکل اسی طرح امام ابو حنیفہؒ حدیث کے بارے میں شدت سے کام لیتے تھے اور اس بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے متبع تھے جن کا حال یہ تھا کہ ایک ایک سال تک اپنی زبان سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہتے تھے اور جب یہ جملہ کہتے تھے تو کانپ جاتے تھے اور چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا[۳] اور چونکہ امام صاحب نے تحدیث کے مقابلہ میں تفقہ کو ترجیح دی اور کتاب و سنت سے احکام و مسائل کے استخراج و استنباط کا طریقہ اختیار کیا اس لئے احکام کی ان احادیث پر زور دیا جن سے تفقہ و اجتہاد میں کام لیتے تھے، ابن شبرمہ کا قول ہے۔

اَقِلِّ الروایۃ تَفَقَّـهُ	تم حدیث کی روایت کم کرو فقیہ ہو جاؤ گے

اور حسن بصری نے کہا ہے۔

من لم یکن لہ فقہٌ من شو سہ	جس کو تفقہ کا فطری ذوق نہ ہو اس کیلئے
لم تنفعہ الروایۃ للحدیث[۴]	حدیث کی روایت نفع بخش نہیں ہے،

فقیہ کے لئے محدث ہونا ضروری ہے، جب تک احادیث و آثار کا علم نہیں ہو گا ان سے احکام و مسائل کا استنباط کیسے ہو سکتا ہے، مگر تکثیر روایت اس کا منشد

[۱] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۴۹، [۲] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۲ و ص ۲۵، [۳] المحدث الفاصل ص ۵۴۹، الکفایہ ص ۲۰۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵، [۴] المحدث الفاصل ص ۵۵۵۔

نہیں ہوتا ہے اس لئے عام محدثین کی طرح وہ احادیث جمع نہیں کرتا ہے، یہ حضرات محدثین کا کام ہے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک حدیث کیلئے دور دراز مقامات کا سفر کیا، اور مشقت برداشت کرکے ان کو جمع کیا،

امام ابو حنیفہؒ اور علم فقہ و فتویٰ

امام ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے کہ امتِ مسلمہ میں دین، فقہ اور علم اصحاب ابن مسعود، اصحاب زید بن ثابت، اصحابِ عبداللہ بن عمرؓ اور اصحابِ عبداللہ بن عباس کے ذریعہ پھیلا، اہل مدینہ کا علم اصحابِ زید بن ثابت، اور اصحاب ابن عمر سے ہے، اہل مکہ کا علم اصحاب ابن عباس سے ہے، اور اہل عراق کا علم اصحاب ابن مسعود سے ہے، [۱]

کوفہ کے اصحاب عبداللہ بن مسعود بن علقمہ بن قیس نخعیؒ متوفی ۶۲ھ حیاتِ نبویؐ میں پیدا ہوئے تھے، انھوں نے حضرت ابن مسعودؓ کے علاوہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت سعدؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت ابو درداءؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ حضرت عائشہؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم اکابرِ صحابہ سے روایت کی تھی، حضرات صحابہ علقمہ بن قیس سے فتویٰ دریافت کیا کرتے تھے، وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم کے حقیقی وارث تھے،

اور علقمہ بن قیس سے ابراہیم بن یزید نخعیؒ متوفی ۹۶ھ نے علم فقہ حاصل کیا، نیز دوسرے اعیان تابعین سے کسبِ فیض کیا، یہ علقمہ بن قیس کے بھانجے تھے، ان دونوں حضرات کے بارے میں ابو المثنیٰ رباح کا قول ہے۔

اذا رأیتَ علقمۃ فلا یضرک ان لا تری عبد اللہ، اشبہ	جب تم نے علقمہ کو دیکھ لیا تو ابن مسعود کے نہ دیکھنے سے تم کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، وہ

---

[۱] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۶،

الناس به سمتًا وهديًا واذا رأيتَ ابراهيم فلا يضرك ان لا ترى علقمة ، لہ	ابن مسعود کے سب سے زیادہ مشابہ تھے، اور جب تم نے ابراہیم کو دیکھ لیا تو علقمہ کے نہ دیکھنے سے تم کو کوئی نقصان نہیں ہوگا،

اور ابراہیم نخعی سے حماد بن ابی سلیمان مسلم متوفی سنہ ۱۲۰ھ نے علم فقہ حاصل کیا، ان کے علاوہ سعید بن مسیبؒ، سعید بن جبیرؒ عکرمہؒ مولیٰ ابن عباس، حسن بصریؒ، شعبیؒ وغیرہ سے اکتساب فیض کیا،

اور ان سے امام ابوحنیفہؒ نے فقہ و فتویٰ کی تعلیم حاصل کر کے حضرت عبداللہ بن مسعود کے فقہی مکتب کی ترویج و اشاعت کی، اور ان سے ان کے بہت سے اصحاب و تلامیذ نے فقہ و فتویٰ کی وراثت پائی، جن میں یہ حضرات نمایاں ہوئے، قاضی ابویوسفؒ، محمد بن حسن شیبانیؒ، زفر بن ہذیلؒ، حماد بن ابوحنیفہؒ، حفص بن غیاثؒ، وکیع بن جراحؒ، حسن بن زیاد لوٴلوئیؒ، اسد بن عمروؒ، قاضی عافیہ بن یزید اودیؒ، نوح بن دراجؒ، وغیرہ،

امام صاحب نے اپنے استاذ اکبر امام شعبیؒ کی تنبیہ و ترغیب کے بعد دینی علوم کیطرف خصوصی توجہ کی، اور ان کے حصول سے پہلے مروّجہ دینی علوم میں غور کیا تو ان کے نزدیک فقہ کا علم سب سے زیادہ مفید اور نافع ٹھہرا، اس میں بھی حضرت عبداللہ بن مسعود کا فقہی مکتب تمام مکاتب فقہ میں اعلیٰ و افضل معلوم ہوا، اس لئے اس کے ترجمان امام حماد بن ابی سلیمان کی درسگاہ میں پہونچے، جہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت عمرؓ، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کے علوم و معارف کی روشنی میں تفقہ اور اجتہاد کا مزاج کام کرتا تھا،

لہ تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۲۷۷،

امام صاحب کے فقہی اصول

امام صاحبؒ کتاب وسنّت اوراجماع کے بعد حضرت علیؓ اورحضرت ابن مسعودرضؓ کو حجّت مانتے ہیں ، ان کے نزدیک ضعیف حدیث اور مرسل حدیث کے ہوتے ہوتے قیاس سے کام نہیں لیا جا سکتا ہے ۔ امام صاحب نے اپنا فقہی مسلک خود بیان کیا ہے ۔

انی اٰخذ بکتاب اللّٰہ اذا وجدتہ ، فمالم اجد فیہ اخذتُ بسُنّۃ رسُول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والاثار الصحاح عنہ التی فشت فی ایدی الثقات ، عن الثقات ، فاذالم اجد فی کتاب اللّٰہ ، و لا سُنّۃ رسول اللّٰہ اخذتُ بقول اصحابہ من شئتُ ، وادع قول من شئتُ ، ثم لااخرج عن قولھم الی قول غیرھم ،	میں ہر مسئلہ کتاب اللہ سے اخذ کرتا ہوں جب کہ اس میں ملے ، اوراس میں نہیں پاتا ہوں تو سنّتِ رسُول اللہ اور آپؐ کی صحیح احادیث سے اخذ کرتا ہوں جو ثقہ راویوں کے ذریعہ ثقہ حضرات کے پاس ہیں ، اورجب نہ کتاب اللہ میں اور نہ سنّتِ رسول اللہ میں اس کو پاتا ہوں توآپؐ کے صحابہ میں سے جس کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں ، اور جس کا قول چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں ، اور اُن کے قول کو چھوڑ کر دوسروں کا قول نہیں لیتا ہوں ،
فاذا انتھی الامر الی ابراھیم ، والشعبی ، وابن سیرین ، وسعید بن المسیب - وعدد رجالًا قد اجتھدوا فلی ان اجتھد کما اجتھدوا[1]	اورجب بات ابراہیم نخعی ، شعبی ، ابن سیرین ، سعید بن مسیب اور دیگر مجتہدین تک پہونچتی ہے تو میرے لئے بھی گنجائش ہوتی ہے کہ جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کروں ۔

[1] اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ صنا ، مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ صنٓ ۲ ،

امام صاحب کے اس قول کو ان کے تلامذہ اور منتسبین نے مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے، قاضی ابو یوسف کی روایت میں یوں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ثقہ راویوں کے ذریعہ ہمارے پاس آتی ہے تو ہم اس کو لے لیتے ہیں اور جب صحابہ کے اقوال آتے ہیں تو ہم ان سے باہر نہیں جاتے ہیں، اور جب تابعین کے اقوال آتے ہیں تو ہم بھی اپنے اقوال پیش کرتے ہیں[1] امام صاحب کے سب سے بڑے ناقد و منکر خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں عبداللہ بن مبارک سے ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

اذا جاء الحدیث عن رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فعلی الراس والعین، واذا جاء من الصحابۃ اخترنا، ولم نخرج من قولھم، واذا جاء عن التابعین زاحمناھم[2]	جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ملتی ہے تو سر آنکھوں پر، اور جب صحابہ سے بات ملتی ہے تو ہم کسی ایک کو اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے قول کے باہر نہیں جاتے ہیں، اور تابعین سے بات آتی ہے تو ہم بھی ان کی طرح اجتہاد کرتے ہیں،

نیز خطیب بغدادی نے کتاب الفقیہ و المتفقہ میں اس بارے میں کئی اقوال امام صاحب کے نقل کئے ہیں۔ چنانچہ امام صاحب کے تلمیذ رشید زفر بن ہذیل سے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

مَنْ تکلّم فی شیٔ من العلم وتقلّدہ، وھو یظن انّ اللہ لا یسألہ کیف افتیتَ فی دین اللہ	جو شخص علم دین کے کسی معاملہ میں کلام کرے، اور گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ اس سے سوال نہیں کرے گا کہ دین کے بارے میں

---

[1] اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ ص۱۱، [2] تاریخ بغداد، ج ۱۳ ص عقود الجمان ص۱۷۳

فقد سهلت عليه نفسه،	تم نے کیسے فتویٰ دیا، گویا اس کے
ودیته، لہ	نفس نے خودکشی اور دیت دونوں کو آسان بنا دیا،

اور امام صاحب کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔

لولا الفرق من الله ان يضيع	اگر علم دین کے ضائع ہونے کا مجھے اللہ
العلم ما افتيت احدًا، يكون	سے خوف نہ ہوتا تو میں کسی کو فتویٰ نہیں
له المهنأ وعلىّ الوزر ۲	دیتا، اسکو خوشی ہو اور میرے لئے بار ہو،

خطیب نے وکیع بن جراح سے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے۔

البول فى المسجد احسن من	بعض قیاس سے بہتر مسجد میں پیشاب
بعض القياس۔	کر دینا ہے۔

پھر لکھا کہ وکیع بن جراح یحییٰ بن صالح ابو حاظی سے کہا کرتے تھے کہ ابو زکریا! تم دین میں رائے اور قیاس سے پرہیز کرو، کیونکہ میں نے ابو حنیفہ سے ایسا سنا ہے۔ خالد بن سلمہ ابو حنیفہ سے کہا کرتے تھے۔

انما نحتاج الى قولك اذا لم نجد	جب ہم کوئی حدیث نہیں پاتے ہیں تو
اثرًا، فاذا وجدنا اثرًا اضربنا	آپ کے قول کے محتاج ہوتے ہیں،
بقولك الحائط۔	اور جب کوئی حدیث پا جاتے ہیں تو آپ کا قول دیوار پر مار دیتے ہیں۔

امام صاحب کے تلمیذ رشید زفر بن ہذیل کہتے ہیں۔

انما ناخذ بالرأى مالم يجى	جب تک حدیث ہم کو نہیں ملتی ہے رائے
الاثر، فاذا جاء الاثر تركنا	اور قیاس کو لیتے ہیں اور حدیث مل جاتی ہے

لہ، ۲ الفقیہ والمتفقہ ج ۲ ص ۱۶۸، واخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۳۴ و ص ۳۶،

الرأی واخذنا بالاثر، [۱] تو رائے چھوڑ کر حدیث کو لیتے ہیں۔

اسی طرح وکیع بن جراح کہتے ہیں۔

ماقال ابوحنیفۃ فی شئ یحتاج الیہ، الا ونحن نروی فیہ اثرا [۲] ابوحنیفہ نے ضرورت کی جو بات کہی ہے ہم اس کے بارے میں حدیث کی روایت کرتے ہیں

بعض فقہی مسائل خلافِ قیاس ہوتے ہیں ان کے استنباط واستخراج کو استحسان کہتے ہیں جب کبھی یہ صورت پیش آجاتی تھی تو امام صاحب شدتِ احتیاط اور تحری سے کام لیتے تھے، اس بارے میں بھی خطیب بغدادی نے ان کے شاگرد رشید قاضی ابویوسف کا بیان درج کیا ہے،

کان ابوحنیفۃ اذا عمل القول من ابواب الفقہ راضہ سنۃ لا یخرجہ الی احد من اصحابہ، فاذا کان بعد سنۃ واحکمہ خرج الی اصحابہ، واذا تکلم فی الاستحسان ھمہ مناظرۃ نفسہ [۳]

ابوحنیفہ فقہی مسائل کے بارے میں جب کوئی بات کہتے تھے تو ایک سال تک اس پر غور و فکر کرتے تھے اور اپنے کسی شاگرد کے سامنے پیش نہیں کرتے تھے، اور ایک سال کے بعد اس کو خوب مستحکم کرکے ان کے سامنے لاتے تھے اور جب استحسان کے بارے میں کلام کرتے تھے تو اپنے کو غور و تدبر سے خوب مطمئن کر لیتے تھے۔

ث ث ث

خطیب بغدادی کی یہ تصریحات امام ابوحنیفہ کے بارے میں "الفضل ماشھدت بہ الاعداء" کے درجہ کی ہیں، اور ان میں امام صاحب کے فقہی مسلک کی پوری آئینہ داری ہے۔ نیز علامہ ابن حزم ظاہری اندلسی کی یہ شہادت اسی قبیل سے ہے۔

جمیع اصحاب ابی حنیفۃ مجمعون ابوحنیفہ کے تمام اصحاب و تلامیذ اس بات پر

---

[۱] الفقیہ والمتفقہ ج ۲ ص ۲۰۸، ص ۲۰۹، [۲] ایضاً ج ۲ ص ۸۳، [۳] ایضاً ج ۲ ص ۱۴،

علی اَنّ مذھب ابی حنیفۃ ان ضعیف الحدیث اولیٰ عندہ من القیاس والرأی [1]	متفق ہیں کہ ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے کہ ضعیف حدیث قیاس اور رائے سے اولیٰ اور بہتر ہے۔

فقہ ابوحنیفہ کے بارے میں ائمہ کی آراء

امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ میں نے امام مالکؒ سے پوچھا کہ آپ نے ابوحنیفہ کو دیکھا ہے؟ امام مالکؒ نے جواب دیا کہ سبحان اللہ! میں نے ان جیسا عالم نہیں دیکھا، واللہ اگر ابوحنیفہ کہتے کہ یہ ستون سونے کا ہے تو اپنے قول سے اس کو ثابت کر دیتے۔ [2] ایک روایت میں ہے کہ ابوحنیفہ اگر کہیں کہ یہ ستون سونے کا ہے، تو ویسا ہی ہوگا ان کو تفقہ کی یوں توفیق دی گئی تھی کہ یہ ان کے لئے کوئی بڑا مشکل کام نہیں تھا۔ [3]

امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ میں نے ابوحنیفہؒ سے زیادہ کسی کو فقہ جاننے والا نہیں دیکھا، جو شخص فقہ جاننا چاہتا ہے، ابوحنیفہ اور ان کے شاگردوں کی شاگردی کرے، تمام اہلِ علم فقہ میں ابوحنیفہؒ کے عیال کہتے ہیں، ان کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ جو شخص فقہ میں تبحّر چاہتا ہے وہ ابوحنیفہؒ کی پیروی کرے، [4]

امام احمد بن حنبلؒ کا بیان ہے سبحان اللہ! ابوحنیفہ علم، زہد، تقویٰ، طلبِ آخرت میں ایسے بلند مقام پر ہیں جس کو کوئی دوسرا نہیں پا سکتا ہے، ابوجعفر منصور کے حکم سے عہدۂ قضاء قبول کرنے کے لئے ان کو کوڑے مارے گئے مگر انھوں نے اس کو قبول نہیں کیا، ان پر اللہ کی رحمت و رضوان ہو، [5] امام احمد بن حنبلؒ اپنے جسم پر کوڑا لگنے کے بعد جب بھی امام ابوحنیفہؒ کے اس واقعہ کو یاد کرتے تو بے اختیار روتے

---

[1] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ ص۲۱ وعقود الجمان ص۱۷۱، [2] تاریخ بغداد ص۳۳۸ ج۱۳، عقود الجمان ص۱۸۶، [3] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص۷۷، [4] تاریخ بغداد ج۱۳ ص۳۴۶، [5] عقود الجمان ص۱۹۳۔

اور امام ابو حنیفہؒ کے حق میں رحمت و مغفرت کی دُعا کرتے تھے۔ [۱]

سفیان بن عُیینہ کا قول ہے کہ جو شخص علم مغازی حاصل کرنا چاہے اس کے لئے مدینہ ہے، جو حج کے مناسک حاصل کرنا چاہے اس کے لیئے مکہ ہے، اور جو شخص فقہ کا ارادہ کرے اس کے لیئے کوفہ ہے، اس کو چاہیئے کہ ابو حنیفہؒ کے تلامذہ کی صحبت اختیار کرے۔ [۲]

عبد اللہ بن مبارکؒ کا قول ہے کہ حدیث اور اثر کے بعد اگر رائے اور قیاس کی حاجت ہو تو مالکؒ، سفیانؒ، اور ابو حنیفہؒ کی رائے معتبر ہے، اور ابو حنیفہ ان تینوں حضرات میں افقہ یعنی فقہ کے زیادہ جاننے والے ہیں۔ وہ دقتِ نظر کے ساتھ فقہ کی تہ میں پہونچنے والے ہیں، جب سفیان اور ابو حنیفہ کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو میں ان دونوں کو فقہ وفتویٰ میں اپنے اور اللہ کے درمیان حجت بناتا ہوں۔ [۳]

ابن عبد البر نے کتاب الانتقاء میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ فقہ کے امام، قیاس اور رائے میں دور رس، اور مسائل کے استنباط میں جید الذہن، حاضر الفہم اور نہایت ذہین اور متقی عالم تھے، البتہ اخبار احاد کے بارے میں ان کا مسلک یہ تھا کہ مسلمہ اصول کے خلاف ہوں ان کو قبول نہیں کرتے تھے، اس لئے محدثین کی ایک جماعت نے اُن پر سخت نکیر کی، بُرائی سے یاد کیا اور ان کے معاصرین حسد میں حد سے بہت آگے بڑھ گئے اور ان کی عیب جوئی کو حلال سمجھنے لگے، ان کے مقابلہ میں دوسروں نے ان کی تعظیم و تکریم میں افراط سے کام لیا،

امام ابو جعفر صادق اور امام ابو حنیفہ

ایک مرتبہ حج کے ایام میں امام صاحب کی ملاقات امام ابو جعفر صادق (محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابو طالب) سے ہوئی، اثنائے گفتگو میں امام ابو جعفر نے کہا

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۲، [۲] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۷۵، [۳] ایضاً ص ۷۷

کہ آپ ہی نے میرے نانا کی حدیث کی مخالفت رائے اور قیاس سے کی ہے؟ امام صاحب نے کہا معاذ اللہ، ہمارے نزدیک آپ کے نانا کی طرح آپ بھی محترم ہیں، تشریف رکھئے میں اس کے بارے میں کچھ کہتا ہوں، اور امام صاحب امام ابو جعفر کے سامنے باادب بیٹھ گئے، اور کہا کہ آپ سے تین سوالات کرتا ہوں، آپ جواب دیں، پھر میں عرض کروں گا۔ (۱) مرد کمزور ہے یا عورت؟ امام ابو جعفر نے کہا کہ عورت کمزور ہے، امام صاحب نے پوچھا کہ وراثت میں مرد کے مقابلہ میں عورت کا کتنا حصّہ ہے؟ امام ابو جعفر نے کہا مرد کا نصف ہے امام صاحب نے کہا کہ اگر میں قیاس سے کام لیتا تو اس کے برعکس کہتا کیونکہ عورت مرد سے کمزور ہے۔ (۲) نماز افضل ہے یا روزہ؟ امام ابو جعفر نے کہا نماز افضل ہے، امام صاحب نے کہا کہ اگر قیاس کرتا تو کہتا کہ حائضہ روزہ کے بجائے نماز کی قضا کرے۔ (۳) پیشاب زیادہ ناپاک ہے یا منی؟ امام ابو جعفر نے کہا کہ پیشاب کی ناپاکی زیادہ ہے، امام صاحب نے کہا کہ اگر قیاس کو دخل دیتا تو کہتا کہ منی سے غسل واجب نہیں ہوگا بلکہ پیشاب سے، یہ سُن کر امام ابو جعفر نے بے ساختہ امام صاحب کی پیشانی کو بوسہ دیا۔[1]

امام ابو جعفر امام ابو حنیفہؒ کے شیخ اور استاذ ہیں، کسی نے امام ابو جعفر کو بتایا تھا کہ ابو حنیفہ کتاب وسنّت کے مقابلہ میں اپنے قیاس پر عمل کرتے ہیں، اس لئے انھوں نے اپنے شاگرد سے براہِ راست غلط فہمی دُور کر لی،

حلقۂ درس وتدریس

امام صاحب کے حلقۂ درس میں بیٹھنے کی تفصیل حماد بن سلمہ اور داؤد طائی نے یوں بیان کی ہے کہ ابراہیم نخعی کی وفات کے بعد ان کے شاگرد حماد بن سلیمان تھے، جو فقہ وفتویٰ میں ہر عام وخاص میں مقبول تھے، جب ان کا انتقال ہو گیا تو اہل علم کو ان کے جانشین کی تلاش ہوئی، اور ان کے شاگردوں کی نگاہِ انتخاب ان کے صاحبزادے اسمٰعیل

[1] عقود الجمان ص ٢٧٩ ۔

بن حماد پر پڑی، چنانچہ ابو بکر نہشلی، ابو بردہ عتبی، محمد بن جابر حنفی، ابو حصین حبیب بن ثابت اور ان کے تلامذہ کی ایک جماعت نے اسمٰعیل کو ان کی جگہ بٹھایا، مگر کچھ دنوں کے بعد اندازہ ہوا کہ اسمٰعیل نحو، عربیت، کلام عرب اور اشعار ایام عرب کے عالم ہیں، اور فقہ و فتویٰ میں ان کو وہ کمال نہیں ہے جس کی توقع تھی، اس لئے سب لوگوں نے ابو بکر نہشلی کو حماد بن ابی سلیمان کا جانشین بنانا چاہا مگر انھوں نے انکار کر دیا، اس کے بعد ابو بردہ عتبی سے کہا گیا مگر انھوں نے بھی انکار کر دیا، اس لئے سب حضرات نے متفقہ طور پر ابو حنیفہ کا انتخاب یہ کہہ کر کیا۔

اِنَّ هٰذَا الْخَزَّاز حسن المعرفة وَاِن کان حَدَثًا۔ — یہ ریشم فروش اگرچہ نوعمر ہے۔ فقہ کی معرفت اچھی رکھتا ہے۔

امام صاحبؒ نے اپنے ساتھیوں کی بات رکھتے ہوئے استاد کے حلقہ میں بحیثیت معلم بیٹھنا منظور کر لیا، اور حماد بن ابی سلیمان کے اونچے تلامذہ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے۔ جب اس کی خبر علمائے کوفہ میں عام ہوئی تو ابو یوسف، اسد بن عمرو، قاسم بن معن، زُفر بن ہُذیل، ولید بن ابان، ابو بکر ہذلی اور دوسرے اہل علم آنے لگے۔ اور کوفہ کی جامع مسجد اتنی پُرکشش ہو گئی کہ امراء، حکام اور اعیان و اشراف تک جمع ہونے لگے۔

ابتداء میں امام صاحبؒ کو استاذ کی جانشینی اور اپنا حلقۂ درس قائم کرنے میں بڑا تردّد اور خلجان تھا، ان ہی دنوں انھوں نے ایک خواب دیکھا جو بظاہر بہت پریشان کن تھا، ان کا بیان ہے کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کھود رہا ہوں، جس کی وجہ سے بہت زیادہ گھبراہٹ پیدا ہوئی اور میں نے بصرہ جا کر ایک شخص کے ذریعہ ابن سیرین سے اس کی تعبیر دریافت کی، اور انھوں نے فرمایا کہ

هٰذا رجل ينبس اخبار النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم [1] — یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ظاہر کرے گا۔

اس کے بعد امام صاحب پورے انشراح وانبساط کے ساتھ فقہ وفتویٰ کا درس دینے لگے۔

اربابِ فضل وکمال کا اجتماع

امام صاحب تفقہ فی الدین کی تعلیم دیتے تھے، ان کے حلقۂ درس میں علماء وفضلاء کی بڑی جماعت شریک ہوتی تھی، ان میں ہر علم وفن کے مشاہیر ہوتے تھے، ایک مرتبہ وکیع بن جرّاح نے کہا کہ ابوحنیفہ کسی دینی معاملہ میں غلطی کیسے کرسکتے ہیں، ان کی مجلسِ درس میں ہر علم وفن کے اہل کمال موجود ہوتے ہیں۔ ابویوسف، زفر بن ہذیل اور محمد بن حسن جیسے قیاس واجتہاد میں، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، حبان بن علی اور معذل بن علی جیسے حدیث کی معرفت وحفظ میں، قاسم بن معن بن عبدالرحمٰن جیسے لغت وعربیت میں، داؤد بن نصیر طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد وتقویٰ میں اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں، جس شخص کے حلقۂ درس میں ایسے اہل علم شریک رہتے ہوں وہ غلطی کیسے کرسکتا ہے؟ اگر کوئی ایسی بات ہوگی تو یہ لوگ رہنمائی کریں گے۔[2]

ہمہ وقت کے تلامذہ

یوں تو امام صاحب کے حلقۂ درس میں بہت سے علماء شریک ہوتے تھے، مگر ان میں دس حضرات ایسے تھے جو حلقہ کے ہمہ وقت حاضر باش تھے، ان میں چار حضرات حافظ قرآن کی طرح فقہ کے حافظ تھے، زفر بن ہذیل، ابویوسف، اسد بن عمرو اور علی بن مسہر، ایک قول کے مطابق سفیان ثوری علی بن مسہر کے ذریعہ امام صاحب کے اقوال لیتے تھے، اور انھوں نے اپنی کتاب الجامع

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۵، وفیات الاعیان ج ۲، [2] تاریخ بغداد ج ۱۳، عقود الجمان ص ۱۸۴،

کی تدوین میں علی بن مسہر سے بحث و مذاکرہ کر کے مدد لی ہے، امام صاحب کے پوتے اسمٰعیل بن حماد کا بیان ہے کہ امام ابو حنیفہ رح کے خاص شاگرد یہ تھے، ابو یوسف، زفر، اسد بن عمر بجلی، عافیہ اودی، داؤد طائی، قاسم بن معن مسعودی، علی بن مسہر، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، حبان بن علی عنزی، ان کے بھائی مندل، ان میں ابو یوسف اور زفر جیسا کوئی نہیں تھا۔ [1]

نیز اسمٰعیل کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام صاحب نے کہا کہ ہمارے تلامذہ چھتیس ۳۶ ہیں، ان میں اٹھائیس ۲۸ عہدۂ قضاء کے لائق ہیں، چھ ۶ فتویٰ کے قابل ہیں، اور دو ۲ قاضیوں اور مفتیوں کو تعلیم و تربیت دے سکتے ہیں، یہ کہہ کر ابو یوسف اور زفر کی طرف اشارہ کیا۔ [2]

امام صاحبؒ کے تلامذہ ان کے حلقۂ درس میں فقہی مسائل پر بحث و مباحثہ کیا کرتے تھے، اگر عافیہ بن یزید اودی حاضر نہیں ہوتے تو ان سے کہتے کہ عافیہ کے آنے تک تم لوگ یہ بحث بند کر دو، اور جب عافیہ آجاتے اور کسی مسئلہ میں موافقت کرتے تو امام صاحب شاگردوں سے کہتے کہ اس مسئلہ کو لکھ لو، اور اگر عافیہ موافقت نہ کرتے تو منع کر دیتے تھے۔ [3]

ایک مرتبہ ابو یوسف اور زفر امام صاحب کے دائیں بائیں بیٹھ کر کسی مسئلہ پر بحث میں ایک دوسرے کی دلیل کا رد کر رہے ہیں، اسی میں ظہر کا وقت ہو گیا تو امام صاحب نے زفر سے کہا کہ جس جگہ ابو یوسف ہوں تم اپنی برتری کی طمع نہ کرو، یہ کہہ کر ابو یوسف کے حق میں فیصلہ صادر کیا۔ [4]

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مسجد میں ابو حنیفہ کی مجلس میں درس سے گذرا دیکھا کہ ان کے ارد گرد شاگردوں کی جماعت بلند آواز سے بحث و مباحثہ

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۴۵، [2] اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ ص ۱۵۲، [3] ایضاً ص ۱۵۱، [4] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۴۲ اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ ص ۹۵،

کررہی ہے، میں نے کہا کہ آپ ان لوگوں کو مسجد میں شور کرنے سے کیوں نہیں روکتے ہیں؟ انھوں نے کہا۔

دَعهُم فانّهُم لا يتفقهون الّا بهذا۔ ؎۱ — ان کو اپنے حال پر چھوڑدو، وہ اسی طرح سے تفقہ حاصل کریں گے،

مجلس درس میں داؤد طائی سب سے زیادہ بلند آواز تھے،

امام صاحب کا معمول تھا کہ اہم مسائل پر سالوں غور و فکر کرتے تھے اور جب تک پورے طور سے تحقیق و تنقیح نہیں ہوجاتی تھی شاگردوں کے سامنے پیش نہیں کرتے تھے۔ ؎۲

شاگردوں کی امداد

امام ابوحنیفہ خوشحال و مالدار خاندان کے چشم و چراغ تھے، سخاوت اور داد و دہش میں بہت آگے تھے، احباب نوازی ان کا محبوب مشغلہ تھا، اپنے شاگردوں اور حلقہ نشینوں کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، حسن بن زیاد لوئی امام صاحب کے مخصوص تلامذہ میں ہیں، جب وہ امام صاحب کی مجلس میں شریک ہونے لگے تو ان کے والد نے امام صاحب سے کہا کہ میری کئی بیٹیاں ہیں اور حسن کے علاوہ کوئی میرا ہاتھ بٹانے والا نہیں ہے، اس لئے میں بہت پریشان ہوں، امام صاحب نے حسن بن زیاد کو بلاکر کہا کہ تمہارے والد ایسا ایسا کہہ رہے تھے، تم میرے پاس رہو، میں نے کسی فقیہ کو فقیر نہیں دیکھا ہے۔ ساتھ ہی اپنے پاس سے اُن کا وظیفہ جاری کر دیا جو ان کی فراغت تک برابر جاری رہا۔ ؎۳ قاضی ابویوسف کا بیان ہے کہ میں عسرت اور تنگدستی کی حالت میں امام صاحب سے تعلیم حاصل کر رہا تھا، ایک دن میرے والد آئے اور مجھے درس سے اٹھا کر اپنے ساتھ

؎۱ مناقب ابی حنیفۃ وصاحبیہ ص۲۱، ؎۲ الفقیہ والمتفقہ ج۲ ص۱۱، ؎۳ اخبار ابی حنیفۃ واصحابہ ص۱۳۲،

لے گئے اور کہا کہ ابوحنیفہ خوشحال آدمی ہیں، تم تنگ دست ہو، ان کی برابری نہ کرو، اس کے بعد میں نے امام صاحب کے یہاں آمدورفت بند کردی، امام صاحب نے میری غیر حاضری کے بارے میں حلقہ نشینوں سے دریافت کیا، چند دن کے بعد میں دوبارہ ان کے یہاں گیا تو غیر حاضری کی وجہ معلوم کی، میں نے معاشی الجھن بیان کی، مجلس کے ختم پر مجھے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا، سب لوگ چلے گئے تو ایک تھیلی دی اور کہا کہ اپنا کام چلاؤ، اور برابر آتے رہو۔ یہ رقم ختم ہو جائے تو مجھے خبر دینا، اس تھیلی میں سو درہم تھے، اس کے تھوڑے دن کے بعد بغیر کہے سنے دوسری تھیلی دی، اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہا اور میں نے بڑے اطمینان وسکون سے تعلیم مکمل کی، میں سترہ سال تک ابوحنیفہؒ کی خدمت میں یوں رہا کہ عید اور بقرعید کے علاوہ کسی دن غیر حاضر نہیں رہا۔[1]

ایک مرتبہ حاجیوں نے امام صاحب کی خدمت میں بہت جوتے ہدیہ میں پیش کئے چند دنوں کے بعد امام صاحب نے اپنے لئے جوتا خریدنا چاہا، لوگوں نے پوچھا کہ ہدیے کے جوتے کیا ہوئے، آپ نے بتایا کہ ان میں سے ایک جوڑی بھی میرے یہاں نہیں ہے۔ میں نے سب اپنے شاگردوں کو دیدیا۔[2]

شاگردوں کی ہمت افزائی

جس زمانہ میں زفر بن ہذیل امام صاحب کے یہاں زیر تعلیم تھے، ان کی شادی ہوئی اور شاگرد نے استاد سے نکاح خوانی کی خواہش کی، امام صاحب نے بڑے انشراح کے ساتھ شاگرد کی خواہش پوری کی اور خطبۂ نکاح میں اس کے بارے میں یہ شاندار الفاظ کہے۔

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ صفحہ ۹۲، صفحہ ۹۳ [2] ایضاً صفحہ ۵۔

هٰذا زفر بن الهذيل، وهو إِمَامٌ من ائمة المُسْلِمِيْن وعَلَمٌ من أعلام الدين فی حسبه وشرفه وعلمه، — یہ زفر بن ہذیل ہیں، جو اپنے حسب و نسب، شرافت اور علم کی وجہ سے مسلمانوں کے امام اور دین کے زبردست عالم ہیں

شاگرد کے بارے میں استاد کے ان جملوں سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے مگر خاندان کے بعض لوگوں نے زفر سے کہا کہ تمہارے قبیلہ کے اعیان واشراف یہاں موجود ہیں۔ پھر بھی تم نے ابوحنیفہ سے "نکاح پڑھوایا؟ زفر نے کہا کہ اگر میرے والد بھی یہاں موجود ہوتے تو میں ابوحنیفہ ہی کو اس کے لئے آگے بڑھاتا۔ [1]

امام صاحب سے ایک شاگرد نے سوال کیا کہ فقہی بصیرت واتقان کے لئے کیا کیا جائے؟ امام صاحب نے کہا کہ پوری توجہ اور دلجمعی سے کام لیا جائے، اس نے کہا کہ اس کی کیا صورت ہے؟ امام صاحب نے کہا کہ دنیاوی مشاغل ختم کر دئے جائیں۔ اس نے کہا کہ یہ کیسے ہوگا؟ امام صاحب نے بتایا کہ

تأخذ الشئ عند الحاجة ولا تزد۔ [2] — جس چیز کی جتنی ضرورت ہو اتنی ہی حاصل کرو، زیادہ کے چکر میں نہ پڑو،

اپنے شاگردوں کی ہمت افزائی، ان کی خیر خواہی اور ان کی ضروریات پر توجہ امام صاحب کے حلقۂ درس کی خصوصیات میں ہے۔

چند مخصوص شاگردوں کے نام

امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کی تعداد کئی ہزار ہے، ان کے معاصرین میں کسی محدث یا فقیہ کے تلامذہ کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے۔ حافظ ابوالحجاج مزی نے تہذیب الکمال

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص١٠٣، [2] ایضاً ص٨

میں تقریباً ایک سَو شاگردوں کا ذکر کیا ہے، صاحب عقود الجمان نے (ص۹۱ سے ص۱۵۸ تک) تقریباً آٹھ سو شاگردوں کے نام درج کئے ہیں جنھوں نے مندرجہ ذیل ملکوں اور شہروں سے آکر امام صاحب سے فیض پایا۔

مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، دمشق، بصرہ، کوفہ، واسط، موصل، جزیرہ، رقہ، نصیبین، رملہ، مصر، یمن، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان، اصفہان، استرآباد، حلوان، ہمدان، نہاوند، رے، قومس، دامغان، طبرستان، جرجان، سرخس، نسا، مرو، بخارا، سمرقند کَش، صُغانیان، ترمذ، بلخ، ہرات، قہستان، خُرم، خوارزم، سجستان، مدائن، مصیصہ، حمص وغیرہ،

کئی علماء نے امام صاحبؒ کے تلامذہ کے نام اور حالات ان کے ملکوں اور شہروں کی نسبت سے لکھے ہیں، جن میں فقہاء، محدثین، قضاۃ سب ہی شامل ہیں، چند حضرات کے نام یہ ہیں قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، محمد بن حسن شیبانی، زفر بن ہذیل عنبری، حماد بن ابو حنیفہ، حسن بن زیاد لولوی، ابو عصمۃ نوح بن ابو مریم (نوح الجامع)، قاضی اسد بن عمرو، ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی، مغیرہ بن مقسم، زکریا بن ابی زائدہ، مسعر بن کدام، سفیان ثوری، مالک بن مغول، یونس بن ابو اسحٰق، داؤد طائیؒ، حسن بن صالح، ابوبکر بن عیاش، عیسٰی بن یونس، علی بن مسہر، حفص بن غیاث، جریر بن عبدالحمید، عبداللہ بن مبارک، وکیع بن جراح، ابو اسحاق فزاری، یزید بن ہارون، مکی بن ابراہیم، ابو عاصم النبیل، عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، ابو عبدالرحمٰن مقری مکی، ہشیم بن بشیر، علی بن عاصم، عباد بن عوام، جعفر بن عون، ابراہیم بن طہمان، حمزہ بن حبیب زیات مقری، یزید بن زریع، یحیٰی بن یمان، خارجہ بن مصعب، مصعب بن مقدام، ربیعہ بن عبدالرحمٰن رائی مدنی، یحیٰی بن نصر بن حاجب، عمرو بن محمد عنقری، ہوزہ بن خلیفہ، عبیداللہ بن موسٰی، ابراہیم بن طہمان وغیرہ[1]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص۴۴۹، تذکرۃ الحفاظ ج ا ص۱۵۹، تاریخ بغداد ج ۱۳ ص۳۲۴، فہرست ابن ندیم ص۲۸۵، مناقب ابی حنیفہ واصحابہ ص۱۳،

ذریعۂ معاش ائمۂ دین نے کبھی علمِ دین کو ذریعۂ معاش نہیں بنایا اور نہ اس سے کسی قسم کا دنیاوی مفاد حاصل کیا، بلکہ دینی خدمت کے طور پر تعلیم و تعلّم، تحدیث و روایت، تفقہ و افتاء اور رشد و ہدایت کے کام کے ساتھ معاش و معیشت کے لئے ذاتی کاروبار کرتے تھے، اور عبرت پذیری کے لئے ان کے نام و نسب کے ساتھ ان کے پیشوں کی نسبت بھی بیان کی جاتی تھی، متقدمین ائمۂ دین کے ناموں کے ساتھ بزّاز (پارچہ فروش)، خزّاز (حریر فروش)، زیّات (روغن فروش)، سمّان (سمن فروش)، حنّاط (گندم فروش)، حطّاب (ہیزم فروش)، بزّار (غلہ فروش)، وغیرہ کی نسبت عام طور سے کتابوں میں پائی جاتی ہے،

ریشم کا کارخانہ امام ابوحنیفہؒ بھی خزّاز یعنی حریر فروش تھے، اور یہ ان کا خاندانی پیشہ تھا، ان کے یہاں ریشم بنانے اور ریشمی کپڑے تیار کرنے کا بہت بڑا کارخانہ تھا جس میں بہت سے کاریگر اور مزدور کام کرکے اپنی روزی کماتے تھے۔ اور ریشمی کپڑوں کی بہت بڑی دکان بھی تھی جس میں کارخانے کے تیار شدہ ریشمی کپڑے فروخت ہوتے تھے۔ امام ذہبیؒ نے لکھا ہے۔

وکان من اذکیاء بنی اٰدم جمع	ابوحنیفہ ذہین ترین انسانوں میں سے تھے،
الفقہ، والعبادۃ، والورع، و	انھوں نے فقہ، عبادت، پرہیزگاری اور سخاوت کو
السخاء، وکان لایقبل جوائز	اپنی ذات میں جمع کیا تھا، اور حکومت کے عطیے
الدولۃ، بل ینفق ویوثر من	قبول نہیں کرتے تھے۔ بلکہ خود اپنی کمائی سے دوسروں
کسبہ، لہ دارٌ کبیرۃ لعمل	پر خرچ کرتے تھے اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت
الخزّ، وعندہ صُنّاع واجراء[1]	کو ترجیح دیتے تھے، ان کے یہاں ریشم بنانے اور

ریشمی کپڑا بننے کا بہت بڑا کارخانہ تھا جس میں بہت سے کاریگر اور مزدور کام کرتے تھے،

[1] العبر فی خبر من غبر ج ۱ صفحہ ۲۱۴،

ریشم کا یہ دار کبیر (بڑا کارخانہ) کوفہ کے مشرقی حصہ میں امام صاحبؒ کے مکان کے قریب ہی رہا ہوگا، امام مالک بزّاز تھے یعنی سوتی کپڑے کے تاجر تھے، بعد میں دینی اور علمی سرگرمی میں لگے۔ لہ اور دونوں بزرگوں کا ذریعہ معاش کپڑے کی تجارت تھا۔

ریشمی کپڑے کی دکان

عراق کا علاقہ اسلامی اور عجمی تمدن کا سنگم تھا، شام کے شہروں میں رُومی اور مغربی تہذیب و تمدن کے اثرات نمایاں تھے، اور عراق میں عجمی اور ایرانی تہذیب و تمدن کی جھلک پائی جاتی تھی اور بغداد کی تعمیر و تمصیر سے پہلے یہاں کے دونوں شہر کوفہ اور بصرہ رفاہیت اور خوشحالی میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے، کوفہ میں اعلیٰ قسم کے سوتی اور ریشمی کپڑے تیار ہوتے تھے، امام صاحب کا خاندان بہت پہلے سے ریشمی کپڑوں کا تاجر تھا اور بیچ شہر میں جامع مسجد اور دارالامارت کے پاس حضرت عمرو بن حریث مخزومی رضی اللہ عنہ کے عظیم الشان اور بابرکت مکان میں دُکان تھی جس کی شہرت عام تھی، خطیبؒ بغدادی نے لکھا ہے۔

وکان ابوحنیفۃ خزّازا، ودکانہ	ابوحنیفہ خزّاز تھے اور کوفہ میں ان کی دکان
معروف فی دار عمرو بن حریث	حضرت عمرو بن حریث کے مکان
بالکوفۃ، ؎۲	میں مشہور تھی۔

اس مکان اور دکان کی اہمیت کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ حضرت ابوسعید عمرو بن حُریث مخزومی قریشی رضی اللہ عنہ وصال نبوی کے وقت بارہ سال کے تھے، ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میرے والد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے میرے سر پر دستِ شفقت پھیرا، اور میرے لئے بیع و شرا میں برکت اور فراوانی رزق کی دعا فرمائی، ایک مرتبہ میرے بھائی سعید بن حُریث مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے، اس وقت آپ سونا تقسیم فرمارہے تھے، مجھے بھی ایک ٹکڑا عنایت فرمایا، میں نے

لہ ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۱۵، ؎۲ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۵، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۱،

دل میں کہا کہ اس کو جس چیز میں لگاؤں گا برکت ہوگی، اور اس کا آخری حصہ اس مکان میں لگایا ہے، اس کا نتیجہ راوی کے بیان کے مطابق یہ ہوا کہ

فکسب مالاً عظیماً، وکان من اغنی اھل الکوفۃ۔ [1]	انھوں نے بہت زیادہ مال کمایا اور وہ کوفہ کے سب سے بڑے مالدار تھے۔

حضرت عمرو بن حریث جنگ قادسیہ میں شریک تھے اور جب ۱۴ھ میں کوفہ آباد ہوا تو وہیں چلے آئے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ عمرو بن حریثؓ نے کوفہ آکر جامع مسجد کے پہلو میں ایک بڑا مکان تعمیر کیا۔

وھی کبیرۃ مشھورۃ، فیھا اصحاب الخز الیوم، [2]	یہ بہت بڑا اور مشہور مکان تھا، آج کل (تیسری صدی میں) اس میں ریشم کا کاروبار کرنے والے رہتے ہیں۔

امیر کوفہ زیاد جب شہر سے باہر جاتا تو ان ہی کو اپنی جگہ امیر بناتا تھا، ۸۵ھ میں انتقال کیا، حضرت عمرو بن حریث کے اس مکان میں دکان حاصل کرنے کے لئے بڑی کوشش کی جاتی تھی۔ کیونکہ اس کی ہر دکان میں یوں خیر و برکت ہوتی تھی کہ معمولی معمولی دکاندار چند دنوں میں اچھے خاصے مالدار ہو جاتے تھے۔ اس دار کبیر میں بہت سی دکانیں تھیں جن میں ریشمی کپڑوں کے تاجر رہتے تھے، اور روایتی طور پر بہت بعد تک یہاں ریشمی کپڑے فروخت ہوتے رہے۔ جیساکہ ابن سعد کا بیان ہے،

خرید و فروخت میں دیانتداری اور صفائی

حفص بن عبدالرحمٰن امام صاحب کے شریک تجارت تھے، آپ ان کے یہاں مال روانہ کیا کرتے تھے، اور وہ فروخت کرتے تھے، ایک مرتبہ مال بھیجا اور ان کو بتادیا کہ ایک تھان میں عیب ہے، گاہک کو بتادینا، مگر حفص کے ذہن سے بات

---

[1] اسد الغابۃ ج ۴ ص ۹۸، [2] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۔

اتر گئی اور انھوں نے اس تھان کو عام قیمت پر فروخت کر دیا اور خریدار کا پتہ نہ چل سکا، امام صاحب نے اس کی پوری قیمت صدقہ کر دی۔ [۱]

ایک شخص نے ایک خاص رنگ کا ریشمی کپڑا طلب کیا، امام صاحب نے کہا کہ انتظار کرو، ایسا کپڑا آ جائے گا تو تمہارے لئے محفوظ رکھوں گا، ایک ہفتہ نہیں گذرا کہ مطلوبہ رنگ کا کپڑا دُکان پر آگیا اور وہ شخص دُکان کی طرف سے گذرا آپ نے اسکو بلا کر کہا کہ تمہاری پسند کا کپڑا آگیا ہے اس نے قیمت دریافت کی، امام صاحب نے ایک درہم بتائی، اس نے مذاق سمجھا، امام صاحب نے بتایا کہ میں نے دو کپڑے بیس دینار ایک درہم میں خریدے تھے، اور ایک کپڑا بیس دینار میں فروخت ہو گیا، میرے راس المال میں ایک درہم کی کمی رہ گئی ہے، تم دوسرا کپڑا لے لو اور ایک درہم دیدو میں اپنے احباب سے نفع نہیں لیتا ہوں، [۲]

ایک شخص نے دُکان پر آکر امام صاحب سے کہا کہ میری شادی کی بات چیت مکمل ہو گئی ہے، آپ مجھ پر احسان کریں دو کپڑوں کی ضرورت ہے، امام صاحب نے اس شخص کو دو ہفتہ کے بعد بلایا اور جب وہ آیا تو آپ نے اس کو بیس دینار سے زائد قیمت کے دو کپڑے دئے، مزید براں ایک دینار نقد دیکر کہا کہ ان سب کو تم لیجاؤ، اس کی حیرت واستعجاب کو دیکھکر امام صاحب نے بتایا کہ میں نے تمہارے نام سے کچھ سامان بغداد بھیجا تھا، ان کو فروخت کر کے تمہارے کپڑے خریدے گئے اور ایک دینار بچ گیا ہے۔ تم ان کو لے لو ورنہ میں ان کو فروخت کر کے قیمت اور مزید ایک دینار خیرات کر دوں گا۔ لوگوں نے صورتِ حال معلوم کرنی چاہی تو امام صاحب نے بتایا کہ اس شخص نے آکر کہا آپ مجھ پر احسان کریں، اور میرے استاذ عطاء بن ابی رباح نے حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کا یہ قول بیان ہے کہ جب کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی سے کہے کہ مجھ پر

[۱] تاریخ بغداد ج ۱۳، ص ۳۵۸، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۴۴، [۲] تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۶۲

احسان کرو، تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے راز کا امین بنا دیا، اس لئے میں اس شخص کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسن سلوک اور احسان کا معاملہ کرنا چاہتا ہوں، [1]

ملیح بن وکیع کے والد بیان کرتے ہیں کہ میں امام صاحب کی دُکان پر بیٹھا تھا، ایک بوڑھی عورت ریشمی کپڑا فروخت کرنے آئی، امام صاحب نے قیمت دریافت کی تو سو درہم بتایا، امام صاحب نے کہا کہ یہ کپڑا اس سے گراں ہے، اس نے دو سو درہم بتایا، آپ نے کہا کہ اس سے بھی گراں ہے، اس نے تین سو درہم کہا، امام صاحب نے کہا اس سے بھی گراں ہے، اس نے چار سو درہم بتایا، امام صاحب نے کہا کہ اب بھی اس کی قیمت کم ہے، بوڑھی عورت نے سمجھا کہ امام صاحب تفریح کر رہے ہیں۔ امام صاحب نے اس سے کہا کہ تم کسی آدمی کو بلاؤ جو اس کا واجبی دام بتائے، الغرض امام صاحب نے وہ کپڑا پانچ سو درہم میں خریدا، [2]

ایک شخص نے دکان پر آکر کپڑا خریدنا چاہا، امام صاحب نے ملازم سے کہا کہ کپڑا نکال کر دکھاؤ، اس نے تھان نکالا اور اس پر ہاتھ رکھکر صلّی اللہ علیٰ محمدؐ کہا، یہ سن کر امام صاحب سخت برہم ہوگئے اور ملازم سے کہا کہ تم میرے کپڑے کی تعریف درود سے کرتے ہو؟ آج خرید و فروخت بند رہے گی، چنانچہ ایسا کیا، [3]

عبادت و ریاضت

کتاب و سنت کی تعلیم، فقہ کی تدوین اور تجارتی مصروفیت کے ساتھ امام صاحب نے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں پوری زندگی بسر کی، شریک کا بیان ہے کہ میں نے حماد بن ابی سلیمان، علقمہ بن مرثد، محارب بن دثار، عون بن عبداللہ، عبدالملک بن عمیر، ابو ہمام سلولی، موسیٰ بن طلحہ، اور ابوحنیفہ رحمہم اللہ کو دیکھا ہے اور ان کی صحبت میں رہا ہوں، ان میں سے کسی کو ابوحنیفہ سے زیادہ حسین رات والا نہیں پایا، میں ایک سال تک ان کی صحبت میں

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص۴۲، [2] ایضاً ص۳۹، [3] عقود الجمان ص۳۰۹

رہا ہوں، اس مدت میں ان کو کبھی رات میں بستر پر نہیں پایا۔

ابو نعیم کہتے ہیں کہ میں اعمش، مسعر، حمزہ زیات، مالک بن مغول، اسرائیل، عمرو بن ثابت، شریک، اور بہت سے علماء کی صحبت میں رہا ہوں، اوران کے ساتھ نماز پڑھی ہے، مگر کسی کو ابو حنیفہ سے اچھی نماز پڑھنے والا نہیں دیکھا، وہ نماز سے پہلے دُعا اور گریہ وزاری کرتے تھے اور دیکھنے والا بے ساختہ بول اٹھتا تھا هٰذا والله یخشی الله، یعنی واللہ یہ شخص اللہ سے ڈر رہا ہے، خود امام صاحب کا بیان ہے کہ قرآن میں کوئی ایسی سورہ نہیں ہے۔ جس کو میں نے نفل نماز میں نہ پڑھا ہو،

خارجہ بن مصعب کا بیان ہے کہ چار ائمہ دین نے ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کیا ہے، عثمان بن عفان رضؓ، تمیم داری رضؓ، سعید بن جبیر رحؒ، اور ابو حنیفہ رحؒ،

قاسم بن معن نے بیان کیا ہے کہ ایک رات ابو حنیفہ رحؒ نماز میں کھڑے ہوئے تو تمام رات بَلِ السَّاعَۃُ موعدھم، والسَّاعۃ ادھیٰ وأمَرّ، دُہراتے اور روتے رہے،

زائدہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں نے ابو حنیفہ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، امام صاحب کو میری خبر نہیں تھی، مجھے تنہائی میں ایک مسئلہ دریافت کرنا تھا، اس لئے ایک گوشہ میں بیٹھ گیا، لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے، امام صاحب نے نفل نماز شروع کردی، اور رات بھر اس آیت کو دُہراتے رہے، فَمَنَّ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُوْمِ یہاں تک کہ صبح ہوگئی، اور میں ان کے انتظار میں پڑا رہا

قاضی ابو یوسف کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امام صاحب کے ساتھ جارہا تھا، راستہ میں لڑکوں نے دیکھکر شور مچانا شروع کیا کہ یہی ابو حنیفہ ہیں جو رات کو نہیں سوتے، امام صاحبؒ نے کہا کہ ابو یوسف! دیکھ رہے ہو یہ بچے کیا کہتے ہیں؟ میں اللہ

کے لئے اپنے اوپر واجب کرتا ہوں کہ رات کو نہیں سوؤں گا،

عبد المجید بن ابو روّاد کہتے ہیں کہ میں نے ایام حج میں ابو حنیفہؒ سے زیادہ طواف، نماز اور فتویٰ میں مشغول کسی کو نہیں دیکھا، وہ تمام رات، تمام دن عبادت میں رہ کر تعلیم بھی دیا کرتے تھے، میں مسلسل دس دن تک دیکھتا رہا کہ وہ طواف، نماز اور تعلیم میں مصروف رہ کر نہ رات کو سوئے، اور نہ دن میں ایک گھنٹہ آرام کیا،

عبد اللہ بن لبید افلنی بیان کرتے ہیں کہ رمضان کا مہینہ آتا تو ابو حنیفہؒ قرآن کی تاویلات میں اپنے کو مصروف کر لیتے اور آخری عشرہ میں ان میں بات کرنا مشکل ہوتا تھا، [۱]

والدہ کی خدمت

امام صاحبؒ کے والدین بہت نیک تھے، تجارتی مشغولیت کے باوجود دینی زندگی بسر کرتے تھے اور اہل علم وفضل سے تعلق رکھتے، والد ثابت بن نعمان کو تابعیت کا شرف حاصل تھا، بچپن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت کی اور ان سے دُعا لی، حضرت عمرو بن حریث مخزومی قریشی رضی اللہ عنہ کے مکان میں ان کی دُکان تھی اور صبح وشام ان کی زیارت ہوتی تھی، اپنے صاحبزادے کو لیکر حج کو گئے، جہاں باپ بیٹے دونوں نے حضرت عبد اللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ کی زیارت کی، جب تک امام صاحب کے والدین زندہ رہے ان کی ہر خدمت کے لئے تیار رہتے تھے، اور ان کے انتقال کے بعد ان کے لئے ہمیشہ ایصالِ ثواب اور دُعائے مغفرت کرتے تھے، خود بیان کرتے ہیں۔

قد جعلت عملی أثلاثا، ثُلُثًا لنفسی، وثُلُثًا لوالدیّ، وثلثًا لحماد، [۲]	میں نے اپنے نیک اعمال کے تین حصے کئے ہیں، ایک تہائی اپنے لئے، ایک تہائی والدین کیلئے اور ایک تہائی اپنے استاد حماد بن ابی سلیمان کیلئے

---

[۱] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص۴۱ تا ص۴۶، [۲] ایضًا ص۵۳،

امام صاحب کے والد ماجد کا انتقال پہلے ہوا اور والدہ ماجدہ ۱۳۰ھ کے بعد فوت ہوئیں اس لئے ان کی خدمت کا زیادہ موقع ملا۔

قاضی ابو یوسف کا بیان ہے کہ امام صاحب زمانۂ طالب علمی میں اپنی والدہ کی کوئی بات نہیں ٹالتے تھے، حتیٰ کہ جب عمر بن ذر کی مجلس میں جاتے تو والدہ کو سواری پر لے جاتے تھے۔ [۱]

حسن بن زیاد بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام صاحب کی والدہ نے کسی بات کی قسم کھائی اور اس کے متعلق اپنے بیٹے سے فتویٰ پوچھا، امام صاحب نے جواب دیا مگر اس سے مطمئن نہیں ہوئیں اور کہا کہ جب تک زرعہ واعظ سے تم دریافت نہیں کروگے مجھے اطمینان نہیں ہوگا، امام صاحب والدہ کو لے کر زرعہ واعظ کے پاس گئے اور والدہ نے خود ان سے فتویٰ پوچھا، زرعہ نے تعجب سے کہا کہ کوفہ کا فقیہ آپ کے ساتھ ہے، پھر میں کیا فتویٰ دوں، امام صاحب نے زرعہ واعظ کو جواب بتا کر کہا کہ آپ اسی طرح فتویٰ دیں چنانچہ زرعہ نے ایسا ہی کیا، اور امام صاحب کی والدہ راضی اور مطمئن ہوگئیں، [۲]

امیر کوفہ یزید بن عمر بن ھبیرہ فزاری نے امام صاحب کے لئے عہدۂ قضا تجویز کیا مگر آپ نے انکار کر دیا، اس پر ابن ھبیرہ نے امام صاحب کو ایک سو دس کوڑے کی سزا دی، آپ کہتے ہیں کہ مجھے اس سزا سے اتنی تکلیف نہیں ہوئی جتنی کہ اس حادثہ پر والدہ کے رنج و غم سے ہوئی، والدہ نے کہا کہ نعمان! جس علم کی وجہ سے تم کو یہ دن دیکھنا پڑا، اس سے ترک تعلق کر لو، میں نے کہا کہ اگر میں اس علم سے دنیا حاصل کرنا چاہتا تو بہت زیادہ حاصل کر لیتا میں نے یہ علم صرف اللہ کی رضا جوئی اور

---

[۱] عقود الجمان ص ۲۹۲، [۲] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۶۶،

اپنی نجات کے لئے حاصل کیا ہے، ؎۱

اخلاق و عادات اور ذاتی زندگی

امام صاحب متمول اور تاجر خاندان کے چشم و چراغ تھے، بڑی دولت کے مالک تھے، مگر خود نہایت سیدھی اور سادہ زندگی بسر کرتے تھے، بیان کرتے ہیں کہ چالیس سال سے میرا معمول ہے کہ سالانہ چار ہزار درہم اپنے پاس رکھ کر باقی رقم نکال دیتا ہوں۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ایک آدمی کے نفقہ کیلئے چار ہزار درہم یا اس سے کم کافی ہے، اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ اپنی ضرورت کے لئے مالداروں کے پاس جانا پڑے گا تو ایک درہم بھی اپنے پاس نہیں رکھتا، ؎۲

فیض بن محمد رقی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے بغداد میں ابو حنیفہؒ سے ملاقات کی اور کہا کہ میں کوفہ جانے کا ارادہ کر رہا ہوں، کوئی ضرورت ہو تو فرمایئے، امام صاحبؒ نے کہا کہ تم میرے بیٹے حماد کے پاس جاکر میری طرف سے کہدینا کہ میرا ماہانہ خرچ دو درہم ہے، کبھی ستو، کبھی روٹی پر گذر اوقات کرتا ہوں اور تم نے اس کو بھی نہیں بھیجا۔ جلدی سے بھیج دو،

امام صاحب ضرورت مند علماء و محدثین اور مشائخ کی حاجت روائی کے لئے کچھ سامانِ تجارت بغداد بھیجتے تھے اور ان کو فروخت کرکے دوسرے سامان کوفہ منگاتے تھے، جو یہاں فروخت ہوتے تھے اور ان کا سال بھر کا منافع جمع کرکے اہل علم پر خرچ کرتے تھے۔ اور ان سے کہتے تھے کہ آپ لوگ صرف اللہ کا شکر ادا کریں، کیونکہ میں نے اپنے اس المال سے کچھ نہیں دیا ہے، یہ سب آپ ہی لوگوں کے سامان کا منافع ہے

شریک کہتے ہیں کہ امام صاحب اپنے طالب علموں کا پورا بار برداشت کرتے تھے، تاکہ وہ سکون و اطمینان سے تعلیم حاصل کریں، فراغت تک ان کے بال بچوں

؎۱ اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ ص۵۳، ؎۲ ایضاً ص۴۹،

کیلئے وظیفہ دیتے تھے، اور فارغ ہوجاتے تو ان سے کہتے کہ اب تم حلال وحرام معلوم کرکے غنی اکبر کے درجہ پر پہنچ گئے۔ [۱]

حسن بن زیاد لولوی بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب اپنے شاگردوں کو خستہ حال دیکھتے تو مجلس درس ختم ہونے کے بعد اُن کو بیٹھنے کا حکم دیتے اور جب مجمع چلا جاتا تو اس کی مدد کرتے تھے، ایک دن ایک طالب علم کے جسم پر پھٹے پرانے کپڑے دیکھے تو حسب معمول اس کو بیٹھے رہنے کا حکم دیا اور جب سب لوگ چلے گئے تو کہا کہ مصلیٰ اٹھاؤ اس کے نیچے رقم ہے لے لو، اور اپنی ہیئت بدل ڈالو، اس طالب علم نے کہا کہ میں امیر آدمی ہوں، ناز و نعمت میں زندگی بسر کرتا ہوں، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، امام صاحب نے کہا کہ کیا تم کو یہ حدیث معلوم نہیں ہے

انّ اللہ یحب ان یریٰ اثر نعمتہ علیٰ عبدہ	اللہ اس کو پسند کرتا ہے اپنے بندہ پر اپنی نعمت کا نشان دیکھے،

جب تم مالدار آدمی ہو تو اپنی حالت درست کرلو تاکہ تمہارے احباب تمہاری خستہ حالی دیکھ کر غمگین نہ ہوں۔

جب کوئی آدمی امام صاحب کے حلقۂ درس کے قریب سے گذرتا تو آکر بیٹھ جاتا اور امام صاحب اس کی خیریت وغیرہ معلوم کرتے اگر حاجت مند ہوتا تو اس کی حاجت پوری کرتے، اگر بیمار پڑ جاتا تو اس کی عیادت کے لئے جاتے اور تاکید کرتے کہ وہ تعلقات باقی رکھے، [۲]

ایک مرتبہ خلیفہ عباسی ابوجعفر منصور نے امام صاحب کو تیس ہزار درہم پیش کئے، آپ نے کہا کہ امیر المومنین! میں شہر بغداد میں مسافر اور اجنبی ہوں، یہاں اُن کو محفوظ

---

[۱] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص۴۷ و ص۴۸، [۲] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص۳۶۱،

رکھنے کی جگہ نہیں ہے، آپ ہی میرے نام سے بیت المال میں رکھدیں، ابوجعفر منصور نے ایسا ہی کیا، امام صاحب دُنیا سے چلے گئے اور وہ رقم یوں ہی پڑی رہی۔ ؎۱

محمد بن عبدالرحمٰن مسعودی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ سے زیادہ امانتدار کسی کو نہیں دیکھا، انتقال کے وقت ان کے پاس پچاس ہزار درہم کی اشیاء امانت تھیں، جن میں سے ایک درہم بھی ضائع نہیں ہوا تھا۔ ؎۲

قاضی ابو یوسف کا بیان ہے کہ ایک دن بارش ہو رہی تھی، ہم لوگ امام صاحب کے حلقۂ درس میں ان کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ حاضرین میں داؤد طائی، قاسم بن معن، عافیہ بن یزید، وکیع بن جرّاح، مالک بن مغول، زفر بن ہذیل تھے، امام صاحب نے ہماری طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم لوگ میرے دل کا سرور اور آنکھوں کا نور ہو، میں نے تم لوگوں کو تفقہ فی الدین میں اس قابل بنا دیا ہے کہ لوگ تمہاری اتباع کریں، تم میں سے ہر ایک عہدۂ قضا کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ اور تمہارے علم کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ علم دین کو اُجرت اور مزدوری کی ذلت سے محفوظ رکھنا اور اس کو ذریعۂ معاش نہ بنانا۔ اگر تم لوگوں میں سے کوئی عہدۂ قضا میں مبتلا ہو جائے اور اس بارے میں اپنے اندر کوئی کوتاہی یا خرابی محسوس کرے جس سے عوام بے خبر ہوں تو اس کے لئے اس منصب پر رہنا جائز نہیں ہے، اگر مجبوراً اس منصب پر جانا ہی پڑے تو عوام سے بے تعلق نہ ہو، پانچوں وقت محلہ کی مسجد میں عام مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھے، اور ان کی دینی ضرورت معلوم کرے، اگر درمیان میں بیمار پڑ جائے، اور مجلسِ قضا میں حاضر نہ ہو تو وظیفہ سے غیر حاضری کے دن ساقط کر دے۔ اور جو فیصلہ میں ناانصافی کرے گا، اس کا فیصلہ جائز اور قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ ؎۳

؎۱ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۵۹، ؎۲ ایضاً ج ۱۳ ص ۳۶۱، ؎۳ مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ ص ۱۷

امام صاحب کے حاسدین و منکرین

امام ابو حنیفہؒ کی زندگی کے تمام پہلو اس قدر پُرکشش تھے کہ ہر طبقہ کے لوگ ان کی طرف کھینچے آتے تھے، علماء، امراء، عوام سب ہی اُن کے گرویدہ تھے، اس لئے دُنیا کی پُرانی ریت کے مطابق ان کے حاسدوں، اور بدخواہوں نے ان کے خلاف طوفان برپا کیا اور ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے، ائمہ متبوعین میں کسی امام کے خلاف بغض و عداوت اور حسد کا اتنا بڑا اور مسلسل طوفان نہیں اٹھایا گیا جتنا طول طویل طوفان تحریک کے طور پر امام ابو حنیفہؒ کے خلاف برپا کیا گیا، اس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے، اور ان کی بدگوئی کر کے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرنے والے آج بھی پائے جاتے ہیں۔

ان حاسدوں، بدخواہوں اور دشمنوں کے جواب میں امام صاحب ہمیشہ دُعا دیتے تھے اور عفو و درگذر کا رویّہ رکھا، اور حکمتِ عملی سے کام لیا۔

یُوسف بن خالد سمتی جب امام صاحب سے تعلیم حاصل کر کے بصرہ واپس ہونے لگے تو آپ نے ان کو نصیحت کی کہ بصرہ میں اہلِ علم کی ایک جماعت پہلے سے موجود ہے جس کو علمی اور دینی سیادت و سربراہی حاصل ہے، اس لئے تم اپنا حلقۂ درس قائم کرنے میں عجلت نہ کرنا، اور نہ یہ کہنا کہ قال ابو حنیفہ (یہ قول ابو حنیفہ کا ہے) ورنہ تم کو بہت جلد اپنے حلقۂ درس سے اٹھنا پڑے گا۔ مگر یوسف سمتی نے بصرہ پہونچکر اپنا حلقۂ درس جاری کر دیا اور قال ابو حنیفہ بھی کہنا شروع کر دیا، نتیجہ وہی ہوا اور یوسف سمتی کو مسجد سے اٹھنا پڑا، اس کے بعد زفر بن ہذیل بصرہ گئے اور انھوں نے امام صاحب کے مشورہ کے مطابق اپنا حلقۂ درس جاری نہیں کیا بلکہ بصرہ کے علماء و مشائخ کی مجلسوں میں بیٹھنے لگے، اور ان کے اقوال و آراء کی تائید میں ایسے دلائل بیان کئے جن سے علماء بصرہ بے خبر تھے، جس کی وجہ سے وہ حضرات بھی خوش اور

مطمئن ہوتے تھے، اس کے بعد زفران سے کہتے تھے کہ اس سے بہتر ایک قول ہے، اور اس کو دلائل و براہین کے ساتھ بیان کرتے تھے، اور جب یہ قول ان حضرات کے دل میں اچھی طرح بیٹھ جاتا تو بتاتے کہ یہ قول ابو حنیفہ کا ہے، اور وہ اس کے جواب میں کہتے ھو قول حسنٌ لا نبالی من قال به یعنی یہ بہترین قول ہے ہم کو اس کی پروا نہیں ہے کہ کس نے کہا ہے [1]

اس حزم و احتیاط کے باوجود امام صاحب زندگی بھر محسود رہ سب کچھ برداشت کرتے رہے اور یوں اپنے دل کی صفائی دینے کے ساتھ حاسدوں کو دعا دیتے رہے،

اللّٰھُمَّ من ضاق بنا صدرہٗ	اے اللہ! جس کا سینہ ہماری وجہ سے تنگ
فان قلوبنا قد اتسعت [2]	ہو، ہوا کرے ہمارے دل وسیع ہیں۔

امام صاحبؒ یہ بھی کہا کرتے تھے،

من ابغضنی جعله الله مفتیاً [3]	جو شخص مجھ سے عداوت کرے اللہ تعالیٰ اس کو مفتی بنا دے۔

ایک شخص نے امام صاحب سے کہا سفیان ثوری آپ کے بارے میں نامناسب باتیں کرتے ہیں، آپ نے اس کے جواب میں کہا کہ اللہ ان کی مغفرت کرے،

یزید بن کمیت کا بیان ہے کہ ایک شخص نے میرے سامنے امام صاحب کو برا بھلا کہا اور زبان درازی کرکے زندیق تک کہدیا، امام صاحب نے اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تم کو معاف کرے، وہ خوب جانتا ہے کہ میں وہ نہیں ہوں جو تم کہہ رہے ہو،

عبدالرزاق صنعانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے زیادہ بردبار شخص نہیں دیکھا، ہم لوگ ان کے ساتھ مسجد خیف میں تھے، بصرہ کے ایک حاجی نے امام صاحب سے

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص۱۰، [2] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص۳۵۲، [3] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص۳۸،

مسئلہ دریافت کیا، آپ نے جواب دیا، اس نے کہا کہ حسن بصری اس مسئلہ میں یوں کہتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا کہ حسن بصری نے غلطی کی ہے، یہ سن کر ایک دوسرا شخص جو وہاں موجود تھا امام صاحب کو بدترین گالیاں دینے لگا اور کہا کہ تم کہتے ہو کہ حسن بصری نے غلطی کی ہے، یہ دیکھکر لوگ اس شخص کو مارنے کیلئے دوڑے، مگر امام صاحب نے سب کو خاموش کیا، پھر کہا کہ ہاں اس مسئلہ میں حسن بصریؒ نے غلطی کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت کی جو میرے قول کے مطابق ہے، امام صاحب کوفہ کی جامع مسجد میں درس دے رہے تھے، ایک شخص مسجد کے گوشہ میں کھڑا ہوا امام صاحبؒ کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا، آپ سب کچھ سُنتے رہے اور پڑھاتے رہے، شاگردوں سے بھی بات کرنے سے منع کر دیا، فارغ ہوکر باہر نکلے تو وہ شخص بھی پیچھے پیچھے چلا، جب امام صاحب اپنے دروازہ پر پہنچے تو اس سے کہا کہ یہ میرا مکان ہے، اگر تمہاری بات پوری نہ ہوئی ہو تو آکر پوری کرلو، ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ سن کر وہ شخص شرمندہ ہوکر واپس چلا گیا۔[1]

عقل، فہم و فراست اور معاملہ فہمی

امام ابوحنیفہ فہم و فراست، ذکاء، معاملہ فہمی، حدتِ عقل میں اپنے تمام معاصرین میں آگے تھے، فراستِ مومن سے ان کو بہت بڑا حصہ ملا تھا، امام ذہبی نے لکھا ہے۔

وکان من اذکیاء بنی اٰدم[2] — وہ بنی آدم میں ذہین ترین لوگوں میں سے تھے۔

* - * - *

---

[1] عقود الجمان ص۲۸۷ و ص۲۸۸، ص۲۹۱، [2] العبر ج۱ ص۲۱۴ ،

خطیب بغدادی نے محمد بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ ابو حنیفہ کی عقل ان کی گفتگو، عمل اور چال ڈھال سے معلوم ہوتی تھی [1]

علی بن عاصم کا قول ہے کہ اگر ابو حنیفہ کی عقل کا وزن روئے زمین والوں کی نصف عقل سے کیا جائے تو ان کی عقل کا پلہ بھاری رہے گا۔

تو بہ نامی ایک شاگرد کا بیان ہے کہ امام صاحب نے مجھ سے کہا کہ جب میں راستہ چلوں یا کسی سے گفتگو کروں، یا کھڑا رہوں، یا ٹیک لگائے رہوں، تو تم ان حالات میں دینی امور میں سوال نہ کیا کرو، کیونکہ ان حالات اور اوقات میں آدمی کی عقل برقرار نہیں رہتی ہے، اس کے بعد ایک دن میں امام صاحب کے ساتھ چل رہا تھا اور دینی وعلمی ذوق وشوق کی وجہ سے ان سے سوالات کرکے ان کے جوابات لکھتا رہا، میں ہر وقت دفتر اپنے ساتھ رکھتا تھا، دوسرے دن جب مجلس درس میں طلبہ آگئے تو میں نے کل کے سوالات کو سنانا شروع کر دیا مگر آج امام صاحب نے کل کے جوابات کو غلط قرار دے کر ان کے خلاف جوابات دیئے اور کہا کہ میں نے تم کو بتایا کہ فلاں فلاں وقت میں سوالات نہ کیا کرو۔ [2]

چند مثالیں

امام صاحب کی معاملہ فہمی، عقل وفہم اور حاضر جوابی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں، کوفہ میں ایک شخص نعوذ باللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہودی کہا کرتا تھا، امام صاحبؒ نے اس کے پاس جاکر کہا کہ میں تمہاری لڑکی کے لئے شادی کا پیغام لے کر آیا ہوں، لڑکا نہایت شریف، مالدار، حافظِ قرآن، سخی اور عبادت گذار ہے، خدا کا خوف رکھتا ہے، نماز، روزہ کا سخت پابند ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو اس سے کم حیثیت والے شوہر پر راضی تھا، یہ رشتہ

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ صفحہ ۳۶۴، [2] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ صفحہ ۳۰

بہت خوب ہے، امام صاحب نے کہا کہ مگر ایک بات یہ ہے کہ وہ لڑکا یہودی ہے، یہ سنتے ہی اس نے شدت سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ آپ یہودی سے میری لڑکی کی شادی کرنا چاہتے ہیں؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ تمہارے خیال کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں کی شادی یہودی سے کی تھی، یہ سنتے ہی اس نے کہا استغفر اللہ، میں توبہ کرتا ہوں۔ اور اب ایسی بات کبھی نہیں کہوں گا۔ [1]

خلیفہ ابوجعفر منصور نے ایک مرتبہ حج کے موقعہ پر مسجد حرام کی تنگی دیکھ کر اس کو وسیع کرنے کا ارادہ کیا، اور آس پاس کے مکانوں کو حرم میں ملانے کے لئے ان کے مالکوں کو خطیر رقم پیش کی، مگر وہ لوگ جوارِ حرم چھوڑنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوئے، ابوجعفر منصور بہت پریشان ہوا۔ زبردستی کر کے مکانات غصب بھی نہیں کر سکتا تھا، اس سال امام ابوحنیفہ بھی حج کو گئے، مگر لوگوں کو ان کی آمد کی خبر نہیں تھی اور نہ ہی ابھی تک وہ فقیہ و مفتی کی حیثیت سے مشہور و متعارف ہوئے تھے، جب امام صاحب کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو خود ابوجعفر کے پاس گئے۔ اور کہا کہ یہ معاملہ بہت آسان ہے، امیر المومنین مکان کے مالکوں کو بلا کر ان سے دریافت کریں کہ کعبہ تمہارے جوار اور پڑوس میں اترا ہے، یا تم اس کے جوار میں آکر آباد ہوئے ہو؟ اگر وہ جواب دیں کہ کعبہ ہمارے پاس اترا ہے تو یہ جھوٹ ہے، اور اگر وہ جواب دیں کہ ہم کعبہ کے جوار میں اترے ہیں، تو ان سے کہا جائے گا کہ اب اس کے زائرین و حجاج زیادہ ہو گئے ہیں اور مہمانوں کے لئے اس کا صحن تنگ ہو گیا ہے اور وہ اپنے سامنے کے میدان کا زیادہ حقدار ہے، اس لئے اس کی زمین خالی کرو چنانچہ

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۶۴ ،

اس راستے کے مطابق ابوجعفر منصور نے مکان کے مالکوں کو طلب کر کے یہی بات کہی اور ان کے ہاشمی نمائندوں نے اقرار کیا کہ ہم لوگ کعبہ کے جوار میں اترے، اس کے بعد سب لوگ اپنے مکانات فروخت کرنے پر راضی ہو گئے، [1]

عبداللہ بن مبارک نے ایک مرتبہ امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا کہ دیگ میں گوشت پکایا جارہا تھا، اسی حال میں اس میں ایک پرندہ گر کر مرگیا، اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ امام صاحب نے شاگردوں سے پوچھا کہ تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا اثر نقل کیا جس کی رو سے شوربہ گرا دیا جائے گا اور گوشت دھو کر کھایا جائے گا، امام صاحب نے کہا کہ میں بھی یہی کہتا ہوں، البتہ اس میں ایک بات یہ ہے کہ اگر پرندہ دیگ میں جوش مارتے وقت گرا ہے تو گوشت اور شوربہ دونوں پھینک دیا جائیگا۔ اور اگر دیگ ٹھنڈا ہونے کے بعد پرندہ گرا ہے تو شوربہ پھینک دیا جائے گا اور گوشت صاف کر کے کھایا جائے گا، عبداللہ بن مبارک نے اس کی وجہ معلوم کی تو امام صاحب نے کہا کہ دیگ کے جوش کے وقت پرندہ گر کر مسالہ وغیرہ کی طرح گوشت میں مل جائے گا اور اس کے اثرات اندر سرایت کر جائیں گے اور سکون کی حالت میں گوشت ملوث ہو گا اندر متأثر نہیں ہو گا، یہ توجیہ سنکر ابن مبارک نے کہا ہذا زرین، یہ زریں قول ہے۔

ایک شخص نے امام صاحب سے کہا کہ میں نے اپنے گھر میں ایک چیز دفن کی تھی، اب اس جگہ کا پتہ نہیں چلتا ہے، امام صاحب نے کہا جب تم کو نہیں معلوم ہے تو مجھے کیسے معلوم ہو گا؟ پھر اپنے شاگردوں کو لے کر اس کے گھر گئے اور پوچھا کہ تمہارا خاص کمرہ جس میں کپڑے وغیرہ رکھتے ہو کون ہے؟ اس کے بتلانے پر امام صاحب شاگردوں کو لے کر اندر گئے اور کہا کہ اگر تم لوگ اس کمرہ میں کوئی چیز دفن کرتے تو کہاں

---

[1] احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص۳۰۳ ،

کرتے ۔ پانچ طالب علموں نے اپنی اپنی جگہوں کی نشاندہی کی، اور امام صاحب نے ان جگہوں کو کھودنے کا حکم دیا۔ اور جب تیسری جگہ کی کھدائی کی باری آئی تو وہ چیز وہیں مل گئی۔

اسی طرح ایک اور شخص نے اپنے دفینے کے بارے میں بات کی اور امام صاحب نے کہا کہ یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں ہے کہ میں تم کو بتادوں، جاؤ رات بھر نماز پڑھو، تمہارا دفینہ مل جائے گا، اس نے ایسا ہی کیا اور چوتھائی رات بھی نہیں گذری تھی کہ اس کو یاد آگیا، جب اس نے امام صاحب سے اس کا تذکرہ کیا تو کہا کہ مجھے معلوم تھا کہ شیطان تم کو رات بھر نماز پڑھنے نہیں دے گا۔ افسوس کہ تم نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے رات بھر نماز نہیں پڑھی۔[1]

امام صاحب کے حلقۂ درس کے سامنے سے ایک شخص گذر رہا تھا، آپ نے اس کو دیکھکر کہا کہ یہ آدمی اجنبی معلوم ہوتا ہے، اس کی آستین میں شیرینی لگی ہے۔ اور بچوں کا معلّم ہے۔ ایک شاگرد نے اس کے پیچھے پیچھے جاکر پتہ چلایا تو تینوں باتیں صحیح تھیں، شاگردوں نے امام صاحب سے ان باتوں کی وجہ دریافت کی تو بتایا کہ وہ راستہ چلتے ہوئے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا، اور اجنبی آدمی ایسا کرتا ہے، اس کی آستین پر مکھیاں بیٹھی تھیں، اس لئے معلوم ہوا کہ اس پر شیرینی لگی ہے اور وہ آدمی بچوں کی طرف دیکھ رہا تھا اس سے اندازہ ہوا کہ معلّم ہے۔[2]

امام صاحبؒ کی تصانیف و کتب اور ان کی مقبولیت و افادیت

اسلام میں فقہی ترتیب پر تصنیف و تالیف کا باقاعدہ رواج دوسری صدی کے وسط میں ہوا، اور عالم اسلام کے خال خال علماء و محدثین نے کتاب لکھی، ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص۲۵، ص۲۷، عقود الجمان ص۲۷۵، [2] عقود الجمان ص۲۵ ،

نے بصرہ میں، معمر بن راشد متوفی ۱۵۳ھ نے یمن میں، ابن جریج متوفی ۱۵۰ھ نے مکہ میں، سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ نے کوفہ میں، عبداللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ نے خراسان میں، ولید بن مسلم متوفی ۱۹۴ھ نے شام میں، ہشیم بن بشیر متوفی ۱۸۳ھ نے واسط میں، اور اسی زمانہ میں امام ابو حنیفہ نے بھی کوفہ میں فقہ کی تدوین کی، اپنے تلامذہ کی ایک جماعت کو لے کر المجمع الفقہی قائم کیا، اور احادیث و فقہ کا املاء کرایا، بعد میں تلامذہ نے ان کتابوں کو اپنے حلقۂ درس میں روایت کی جس کی وجہ سے وہ کتابیں ان کی طرف منسوب ہوئیں، پھر بھی کچھ کتابیں امام صاحب کے نام سے باقی رہ گئیں، ابن ندیم نے ان کتابوں کے نام دئے ہیں (۱) کتاب الفقہ الاکبر، (۲) کتاب رسالۃ الی البستی (۳) کتاب العالم والمتعلم (۴) کتاب الرد علی القدریہ، [1]

امام صاحب کی وفات کے بہت بعد تک ان کی کتابوں سے استفادہ ہوتا رہا اور ان کا ذکر اس زمانہ کے اہل علم کے یہاں ملتا ہے۔

عبداللہ بن داؤد واسطی کا قول ہے

من اراد ان یخرج من ذل العمی والجهل ویجد لذة الفقه فلینظر فی کتب ابی حنیفة [2]	جو شخص چاہتا ہے کہ کورچشمی اور جہالت کی ذلت سے نکل کر فقہ کی لذت پائے وہ ابو حنیفہ کی کتابوں کو دیکھے،

زائدہ بن قدامہ کا بیان ہے کہ میں نے سفیان ثوری کے سرہانے ایک کتاب پائی جس کو وہ دیکھا کرتے تھے، میں نے اس کو دیکھنے کی اجازت چاہی تو انھوں نے دے دیا۔

---

[1] الفہرست ص۲۸۵، [2] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص۷۸،

فاذاکتاب الرھن لابی حنیفۃ، فقلت لہ تنظر فی کتبہ فقال وددتُ انھا کلھا عندی مجتمعۃ انظر فیھا فما بقی فی شرح العلم غایۃً ولکن ما ننصفہ لہ	وہ ابوحنیفہ کی کتاب الرہن تھی، میں نے کہا کہ آپ ان کی کتابیں دیکھتے ہیں؟ انھوں نے کہا میری خواہش ہے کہ ان کی تمام کتابیں میرے پاس جمع ہوتیں اور میں ان کو دیکھتا رہتا، علم کی تفصیلات کی کوئی انتہا نہیں ہے، ہم نے ابوحنیفہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا،

سجادہ کا بیان ہے کہ میں اور ابومسلم مستملی دونوں یزید بن ہارون کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت وہ بغداد میں خلیفہ منصور کے یہاں مقیم تھے، ابومسلم نے ان سے سوال کیا۔

ما تقول یا اباخالد فی ابی حنیفۃ والنظر فی کتبہ۔	ابوخالد! آپ ابوحنیفہ اور ان کی کتابیں دیکھنے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

انھوں نے کہا کہ تم لوگ ان کی کتابیں دیکھا کرو، اگر تم لوگ فقیہ بننا چاہتے ہو، میں نے فقہاء میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کو ناپسند کرے اور سفیان ثوری نے حیلہ سے ان کی کتاب الرہن نقل کی ہے۔ [2]

عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے کہ میں ملک شام میں امام اوزاعی کے پاس گیا اور بیروت میں ان سے ملاقات کی، انھوں نے مجھ سے کہا کہ اسے خراسانی! یہ کون بدعتی ہے جو کوفہ میں نکلا ہے اور ابوحنیفہ کی کنیت رکھتا ہے؟ میں نے اس وقت کوئی جواب نہیں دیا۔ اور اپنی قیام گاہ پر واپس آکر ابوحنیفہ کی کتابوں کو دیکھنے لگا۔

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص۶۵ ، [2] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص۳۴۲

فرجعت الی بیتی، فاقبلتُ علےٰ کتب ابی حنیفۃ فاخرجت منہا مسائل من جیاد المسائل و بقیتُ فی ذٰلک ثلاثۃ ایام	میں اپنی قیام گاہ پر واپس آکر ابوحنیفہ کی کتابوں میں لگ گیا، اور تین دن تک ان کو پڑھکر ان سے اچھے اچھے مسائل نکالے،

تیسرے دن ان کے پاس گیا اور مسائل کی کتاب میرے ہاتھ میں تھی، امام اوزاعی نے پوچھا یہ کون کتاب ہے؟ میں نے ان کو کتاب دیدی، انھوں نے اس کو دیکھنا شروع کیا اور ایک مسئلہ پر ان کی نظر پڑی جس میں میں نے قال النعمان لکھا تھا، اذان ہو گئی تھی، اقامت کا وقت قریب ہو گیا، اور ان کو امامت کرنی تھی، اس کے باوجود کھڑے کھڑے کتاب کا ابتدائی حصّہ پڑھا، پھر کتاب اپنی آستین میں رکھکر نماز پڑھائی فراغت کے بعد پھر اس کو پڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ پوری کتاب پڑھ لی اور کہا کہ خراسانی! یہ نعمان بن ثابت کون ہے؟ میں نے کہا کہ یہ ایک شیخ ہیں جن سے میں نے عراق میں ملاقات کی ہے۔ اوزاعی نے کہا۔

ھٰذا نبیل من المشائخ، اذھب فاستکثر منہ،	یہ بہت اونچے مشائخ میں سے ہیں، تم جاکر ان سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرو،

اس کے بعد میں نے ان کو بتایا کہ یہی ابوحنیفہ ہیں جن کے پاس جانے سے آپ نے مجھ کو منع کیا تھا۔[1] خطیب بغدادی کی روایت یہیں تک ہے، عقود الجمان میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد عبداللہ بن مبارک نے بیان کیا ہے کہ ابوحنیفہ اور اوزاعی دونوں مکہ میں ملے، میں نے اوزاعی کو دیکھا کہ ان مسائل میں ابوحنیفہ سے

---

[1] تاریخ بغداد، ج ۱۳ ص ۳۳۸،

بحث کر رہے ہیں، اور ابو حنیفہؒ اس سے زیادہ وضاحت اور دلائل کے ساتھ ان مسائل کو بیان کر رہے ہیں جن کو میں نے لکھا تھا اس کے بعد میں اوزاعی سے ملا تو انھوں نے اعتراف کیا کہ ابو حنیفہ کی کثرتِ علم اور وفور عقل پر رشک ہو رہا ہے، میں بڑی غلط فہمی میں مبتلا تھا، تم ان سے مل کر علم حاصل کرو، [1]

امام شافعیؒ کہتے ہیں۔

من لم ینظر فی کتب ابی حنیفۃ	جو شخص ابو حنیفہ کی کتابوں کو نہیں دیکھیگا
لم یتبحر فی الفقہ، [2]	فقہ میں متبحر نہیں ہو سکتا ہے۔

امام شافعیؒ کا یہ قول دوسری روایت میں یوں ہے۔

من لم ینظر فی کتب ابی حنیفۃ	جو شخص ابو حنیفہ کی کتابوں کو نہیں
لم یتبحر فی العلم ولا یتفقہ [3]	دیکھے گا وہ علم اور فقہ میں متبحر نہیں ہوگا۔

امام مالک نے خالد بن مخلد قطوانی کو خط لکھکر ابو حنیفہ کی کتابیں طلب کیں اور انھوں نے بھیجا،

یسألہ ان یحمل الیہ شیئاً	امام مالکؒ نے خالد سے سوال کیا کہ
من کتب ابی حنیفۃ ففعل [4]	ابو حنیفہؒ کی کچھ کتابیں بھیج دو، چنانچہ
	انھوں نے یہ کام کیا،

عبد اللہ بن داؤد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اعمش نے حج کا ارادہ کیا، اور کہا کہ

مَن ھٰھنا یذھب الی ابی حنیفۃ	کوئی یہاں ہے جو ابو حنیفہؒ کے پاس
یکتب لنا کتاب المناسک [5]	جاکر ہمارے لئے کتابُ المناسک لکھدے۔

---

[1] عقود الجمان ص ۱۹۳، [2] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۸۱، [3] عقود الجمان ص ۱۸۷،
[4] عقود الجمان ص ۱۸۶، [5] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۷

نصیر بن یحییٰ البلخی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے احمد بن حنبل سے کہا کہ ابوحنیفہ رح کے بارے میں آپ کیوں کلام کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ان کی رائے اور قیاس کی وجہ سے، میں نے کہا کہ کیا امام مالک رح نے رائے اور قیاس سے کام نہیں لیا ہے؟ امام احمد رح نے کہا۔

بلیٰ، ولکن رأی ابی حنیفۃ خلد فی الکتب،	ہاں! مگر ابوحنیفہ رح کے آراء واقوال کتابوں میں محفوظ ہو گئے ہیں۔

اس پر میں نے کہا کہ امام مالک کی رائے اور قیاس کو بھی کتابوں میں باقی رکھا گیا ہے۔ امام احمد نے کہا کہ ابوحنیفہ رح ان سے زیادہ رائے اور قیاس سے کام لیتے ہیں، میں نے کہا کہ تب آپ دونوں کے بارے میں اُن کے حصّہ کے مطابق کلام کریں، [1]

امام ابوحنیفہ رح کی تصانیف اور کتابوں کے بارے میں ان کے معاصر ائمۂ دین کی شہادت کے بعد یہ سمجھنا کہ انھوں نے کوئی کتاب نہیں لکھی، بڑی نادانی کی بات ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب کی کتابیں کئی صدیوں تک دائر و سائر رہیں اور فقہاء و محققین ان سے استفادہ کرتے تھے، امیر ابن ماکولا نے الاکمال میں ابوحامد احمد بن اسمٰعیل بن جبریل بن قیل مقری قرام متوفی ۳۳۳ھ کے حال میں لکھا ہے۔

وسمع کتب ابی حنیفۃ وابی یوسف من احمد بن نصر، عن ابی سلیمان الجوزجانی، عن محمد، وغیر ذٰلک (م ۱۳۰ متوفی ۲۱۵ھ)،	انھوں نے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رح کی کتابیں احمد بن نصر سے سنی ہیں اور احمد بن نصر نے ابوسلیمان جوزجانی سے اور انھوں نے امام محمد رح سے یہ کتابیں سنی ہیں۔

[1] مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ ص۲۵،

قاضی ابو عاصم محمد بن احمد عامری مروزی کبار ائمہ احناف میں سے ہیں، ان کا قول ہے

لو فقدت کتب ابی حنیفة رحمہ اللہ لاملیتها من نفسی حفظاً (" ص۱۵۹ ج۹)	اگر امام ابو حنیفہؒ کی کتابیں معدوم ہو جائیں تو میں ان کو اپنے حافظہ کی مدد سے املا کرا سکتا ہوں۔

سنہ ۱۴۰ھ اور سنہ ۱۵۰ھ کے درمیان فقہی ترتیب پر چند اماموں نے کتابیں لکھیں جو بعد میں اُن کے تلامذہ کی مرویات و کتب میں شامل ہوگئیں اور ان کے اصل نسخے باقی نہیں رہے، عین اسی دور میں امام ابو حنیفہؒ نے کئی کتابیں لکھیں جو ان کے نام سے مشہور ہوئیں اور علماء و محدثین نے ان سے استفادہ کیا، حالانکہ اس دور کے رواج کے مطابق امام صاحب کے تلامذہ نے ان کو اپنی تصانیف میں شامل کر لیا تھا، اور بعد میں ان کے نام سے منسوب ہوئیں، ان کے تلامذہ میں امام محمد اور قاضی ابو یوسف کی متعدد کتابیں ہمارے زمانہ میں چھپ گئی ہیں، جو درحقیقت ان کے استاذ کی کتابیں ہیں، اور انھوں نے ان کو روایت کر کے ان میں حسک و اضافہ کیا ہے۔ اس لئے وہ ان کے نام سے منسوب و مشہور ہوئیں،

حلیہ، لباس، رفتار اور گفتار

امام صاحب نہایت وجیہ و شکیل اور خوبصورت آدمی تھے، قد درمیانی اور رنگ گندمی تھا، بہترین کپڑے اور عطریات استعمال کرتے تھے، خوشبو کی وجہ سے ان کی آمد سے پہلے ہی ان کا پتہ چل جاتا تھا، گفتگو نہایت شیریں، آواز نہایت سریلی تھی، ان کے دیکھنے والوں نے ان کو حسنُ الوجہ، حسنُ الثیاب، طیّب الریح، حسن المجلس، شدیدُ الکرم، حسن المواساۃ لاخوانہ بتایا ہے۔ [1]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص۳۳۰، ص۳۳۱،

جوتے نہایت نفیس پہنتے تھے، گھر سے نکلتے تو تسمہ وغیرہ درست کرلیتے تھے، موزہ بھی استعمال کرتے تھے، کئی ٹوپیاں تھیں، جامع مسجد کے حلقۂ درس میں لمبی سیاہ ٹوپی لگاتے تھے جو کوفہ کے تاجروں میں رائج تھی، بوقت ضرورت اونی کپڑے اور سنجاف وسمور بھی استعمال کرتے تھے، جمعہ کے دن رِدَا اور قمیص (تہبند اور کرتا) پہنتے تھے، ایک شاگرد ابو مطیع کے اندازہ کے مطابق ان دونوں کی قیمت چار درہم تھی، گھر میں عام طور سے چٹائی بچھی رہتی تھی،

نضر بن محمد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے فجر کی نماز امام صاحب کے ساتھ پڑھی اس وقت میرے بدن پر قومسی کمبل تھا، امام صاحب کہیں جانے کی تیاری کررہے تھے، مجھ سے کمبل مانگا، واپسی پر کہا کہ تمہارے کمبل کی وجہ سے مجھے شرمندگی ہوئی، میں نے وجہ دریافت کی تو بتایا کہ وہ موٹا ہے، حالانکہ وہ کمبل مجھے بہت پسند تھا میں نے پانچ دینار میں خریدا تھا، اس کے بعد امام صاحب کے بدن پر میں نے قومسی کمبل دیکھا جس کی قیمت میرے اندازہ کے مطابق تیس ۳۰ دینار تھی، [۱]

جیل خانہ میں زہر سے وفات ۱۵۰ھ

امام صاحب کو اپنے زمانہ کے حکمرانوں کے ہاتھوں بڑی تکلیف اٹھانی پڑی تھی، اموی دَور میں امیر عراق ابن ہُبیرہ نے آپ کو عہدۂ قضا پیش کیا اور انکار پر ایک سو دس کوڑے اس طرح رسید کئے کہ روزانہ ایک گھور پر لیجا کر دس کوڑے مارے جاتے تھے اور امام صاحب انکار کرتے تھے، اس کے بعد عباسی دور میں پھر ان کو عہدۂ قضا پیش کیا گیا اور انکار پر زہر دیدیا گیا۔

عہدۂ قضا قبول نہ کرنے پر دُرّے مارنے یا زہر دیکر جان لینے کی اندرونی وجہ کچھ اور تھی، امام صاحبؒ کے نزدیک اموی اور عباسی امراء اسلام کے جادۂ مستقیم سے

[۱] عقود الجمان ص۲۳۰، ص۲۳۱، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص۳۵،

دور تھے اور ظلم و زیادتی میں حد سے تجاوز کرتے تھے، اس لئے عہدۂ قضاء کا عہدہ قبول کرنا ظلم و جور میں تعاون کے مترادف تھا، اس دور کے محتاط اہل علم و فضل کا یہی رویہ تھا اور وہ ان حکومتوں میں کسی قسم کا عہدہ لینا معصیت سمجھتے تھے، امراء و خلفاء ان کے رویہ سے غیر مطمئن اور خائف رہا کرتے تھے، اور کسی بہانہ سے اپنا ہمنوا بنانے کی کوشش کرتے تھے، بڑے بڑے عہدے اور بھاری بھاری رقمیں پیش کر کے ان پر دباؤ ڈالتے تھے، یہی صورتِ حال امام صاحب کے ساتھ تھی، امام صاحب ان کے مقابلہ میں علوی دُعاۃ کے حق میں تھے، اسی لئے ابوجعفر منصور نے عہدۂ قضاء قبول نہ کرنے کے بہانہ سے جیل خانہ میں زہر دلوایا،

خطیب بغدادی نے زفر بن ہذیل کا بیان نقل کیا ہے کہ ابراہیم بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابوطالب قتیل باخمری کی دعوت و خروج کے زمانہ میں امام صاحب نہایت زور و شور سے ان کے موافق بات کرتے تھے، میں نے ان سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہماری گردنوں میں رسّی ڈلوا کر ہی خاموش ہوں گے، اسی حال میں ابوجعفر منصور کا پیغام امیر کوفہ عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس آیا کہ ابوحنیفہ کو ہمارے پاس بھیجدو، چنانچہ امام صاحب کو بغداد بھیجا گیا، جہاں پندرہ[۱۵] دن تک وہ زندہ رہے، پھر ان کو زہر دیا گیا اور انتقال کر گئے۔ [۱]

ابراہیم بن عبداللہ نے اپنے بھائی محمد النفس الزکیہ کے قتل کے بعد بصرہ خروج کر کے اپنی دعوت دی، ابوجعفر منصور نے اپنے چچا زاد بھائی اور امیر کوفہ عیسیٰ بن موسیٰ کو لکھا اور وہ پانچ ہزار فوج لے کر آیا، کوفہ کے قریب مقام باخمریٰ میں مقابلہ ہوا، اور ابراہیم بن عبداللہ معرکہ میں کام آئے، یہ واقعہ ۱۴۵ھ کا ہے، امام صاحب ابراہیم بن عبداللہ کے ہمنواؤں اور طرفداروں میں تھے،

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۹، ص ۳۳۰،

ذہبی نے لکھا ہے۔

وقد رُوی ان المنصور سقاط السمّ فمات شہیداً رحمہ اللہ لقیامہ مع ابراھیم، لہ	بیان کیا گیا ہے کہ خلیفہ منصور نے ان کو زہر دیا تھا اور ابراہیم کا ساتھ لینے کی وجہ سے انھوں نے شہادت کی موت پائی۔

نیز دوسرے تذکرہ نگاروں نے اس کو بیان کیا ہے،

جس وقت امام صاحب ابوجعفر منصور کے سامنے پیش کئے گئے اس نے آپ کو عہدۂ قضا پیش کیا اور انکار پر جیل خانہ بھیج دیا، جہاں زہر سے رجب ۱۵۰ھ میں شہادت ہوئی، میت کو پانچ سرکاری ملازم باہر لائے اور غسل دیا گیا، جنازہ میں پچاس ہزار سے زائد خلق اللہ شریک ہوئی۔ چھ بار نماز جنازہ پڑھی گئی، اور مشرقی بغداد کے مقبرۂ خیزران میں دفن کئے گئے قاضی بغداد حسن بن عمارہ نے غسل دینے کے بعد امام صاحب کی جناب میں یوں خراج تحسین پیش کیا۔

یرحمك اللہ، لم تفطر منذ ثلاثین سنۃً ولم تتوسّد یمینك باللیل منذ اربعین سنۃ، کنت افقھنا، واعبدنا، وازھدنا، واجمعنا لخصال الخیر، وقبرت اذ قبرت الی خیر وسنۃ، واتعبت من بعدك وفضحت القراء، ۲ہ	ابوحنیفہ! اللہ آپ پر رحم کرے، آپ نے تیس سال تک روزے رکھے، چالیس سال تک رات میں نہیں سوئے، آپ ہم میں سب سے بڑے فقیہ، سب سے عابد، سب سے بڑے زاہد اور نیک خصلتوں کے سب سے بڑے جامع تھے، سنت اور نیکی پر موت پائی، اپنے بعد لوگوں کو رنج وغم میں مبتلا کر دیا، اور علماء کا بھرم جاتا رہا،

* * *

لہ العبر ص ۲۱۳ ج ۱، ۲ہ تاریخ بغداد ص ج ۱۳ ،

جنازہ میں ہجوم کی وجہ سے چھ بار نماز جنازہ پڑھی گئی، سمعانی کا بیان ہے۔

وصلّی علیہ ست مرّات من کثرۃ الازدحام آخرھم صلّی علیہ ابنہ حمّاد	یعنی ازدحام کی کثرت کی وجہ سے آپ کی نماز جنازہ چھ بار پڑھی گئی، آخر میں آپ کے صاحبزادے حماد نے پڑھی۔

ایک مرتبہ قاضی حسن بن عمارہ نے امام صاحب کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر کہا کہ اللہ تعالیٰ آپؒ پر رحم کرے۔ آپ سلف کے خلف تھے، اور آپ نے اپنے بعد ایسے شاگرد چھوڑے ہیں جو آپ کے علم کے خلف بن سکتے ہیں مگر ورع وتقویٰ میں اللہ کی توفیق ہی سے خلف بن سکتے ہیں۔

عبداللہ بن مبارک بغداد آئے تو امام صاحب کی قبر پر جاکر کہا ابوحنیفہ! آپ پر اللہ تعالیٰ رحم کرے، ابراہیم نخعی نے مرنے کے بعد اپنا جانشین چھوڑا، حماد بن ابی سلیمان نے مرنے کے بعد اپنا جانشین چھوڑا، مگر آپ نے مرنے کے بعد روئے زمین پر اپنا جانشین نہیں چھوڑا، یہ کہا اور پھوٹ پھوٹ کر خوب روئے [1]

اولاد واحفاد

امام صاحب کی اولاد میں صرف حماد کا پتہ چلتا ہے جن کا نام امام صاحب نے اپنے شیخ حماد بن ابی سلیمان کے نام پر رکھا تھا وہ باپ کے علوم کے وارث اور ورع وتقوی میں ان کے مثیل تھے، فقہ اور حدیث دونوں اصول کے حامل تھے، ان کے لڑکے اسمٰعیل خلیفہ مامون کے زمانہ میں بصرہ کے قاضی تھے ان کے علاوہ حماد کے تین لڑکے ابو حیان، عثمان اور عمر تھے [2]

امام صاحب کے بعض حکیمانہ اقوال

امام صاحب علم وحکمت میں اپنے معاصرین میں ممتاز مقام رکھتے تھے اور ان کی عقلمندی حاضر جوابی، معاملہ فہمی کے سب لوگ قائل تھے۔ ان کے بہت سے حکیمانہ اقوال کتابوں میں مذکور

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، الانساب سمعانی ج ۶ ص ۹۵، [2] المعارف ص ۲۱۶، الفہرست ص ۲۸۴،

ہیں، چند اقوال ملاحظہ ہوں۔

- علماء دین کے واقعات بیان کرنا اوران کی مجلسوں میں بیٹھنا میرے نزدیک بہت سے فقہی مباحث سے بہتر ہے کیونکہ ان کے اقوال ومجالس ان کے آداب و اخلاق ہیں۔
- کوئی شدید ضرورت پیش آجائے تو پوری کئے بغیر کھانا نہ کھاؤ، کیونکہ کھانا عقل میں ثقل پیدا کر دیتا ہے۔
- جو شخص وقت سے پہلے عزّت وشرف اور سیادت طلب کرے گا، زندگی بھر ذلیل رہے گا،
- جو شخص علمِ دین دنیا کے لئے حاصل کرے گا، اس کی برکت سے محروم رہے گا، اور علم اس کے دل میں راسخ نہیں ہوگا اور نہ ہی اس سے کسی کو نفع پہونچے گا۔
- سب سے بڑی عبادت اللہ پر ایمان ہے اور سب سے بڑا گناہ کفر ہے۔
- جو شخص بغیر تفقّہ کے حدیث پڑھتا ہے وہ اس عطار کے مانند ہے جو دوا فروخت کرتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ کس مرض کے لئے ہے اس کو طبیب بتاتا ہے، اسی طرح محدّث حدیث جانتا ہے مگر فقیہ کا محتاج ہوتا ہے۔
- جب کوئی عورت اپنی جگہ سے اٹھ جائے تو اس کی جگہ پر جب تک گرم رہے نہ بیٹھو، اگر علمائے دین اللہ کے ولی اور دوست نہیں ہیں تو کون اس کا ولی ہوگا؟
- میں نے ابتداء میں گناہ کے کام ذلّت ورسوائی کے ڈر سے چھوڑے اور آخر میں یہ عمل دین ودیانت بن گیا۔
- قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ مجھکو اپنے سامنے کھڑا کرے گا تو حضرت علی، حضرت معاویہ اوران کے معاملات کے بارے میں سوال نہیں کریگا، بلکہ جن باتوں کا مجھکو مکلّف کیا ہے، ان ہی کے بارے میں سوال کرے گا، میرے لئے انہی

میں مشغول رہنا بہتر ہے۔

امام صاحب یہ اشعار پڑھتے تھے

عطاء ذی العرش خیرٌ من عطائکم — وسیبہ واسعٌ یرجیٰ وینتظر

عرش والے کی عطا تمہاری عطا سے بہتر ہے — اور اس کی دین وسیع ہے جس کی امید کی جاتی ہے

انتم یکدّر ما تعطون منّکم — وَاللہ یُعطِی بلا مَنٍّ ولا کدرٍ[1]

تم جو کچھ دیتے ہو اس کو تمہارا احسان جتانا خراب کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بلا احسان جتائے بلا کسی خرابی کے دیتا ہے۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳، جامع بیان العلم، اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، عقود الجمان وغیرہ۔

امام دار الہجرت
مالک بن انس اصبحی رح

نام ونسب آپ کا نام ونسب یہ ہے امام دار الہجرۃ ابو عبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابو عامر نافع بن عمرو بن حارث بن عثمان بن جُثَیل بن عمرو بن حارث ذو اصبح، اصبحی حمیری مدنی رحمۃ اللہ علیہ، بعض علمائے انساب نے عثمان کے بجائے غیمان بتایا ہے، آپ کا نسب یمن کے مشہور قبیلہ حمیر بن سبا سے ملتا ہے جس کا تعلق یعرب بن قحطان سے ہے، [۱]

امام صاحب کے دادا مالک بن ابو عامر نافع یمن میں کسی مقام میں صدقات و زکوٰۃ کی وصولی پر مامور تھے، بعض حکام کے ظلم سے تنگ آکر مدینہ منورہ آگئے۔ اور قریش کی شاخ بنی تیمم بن مرّہ سے ولاء اور دوستی کر کے اس کے ساتھ رہنے لگے،

بنو تیم کے ساتھ حلف و ولاء امام صاحب کے چچا ابو سہیل کا بیان ہے کہ ہم لوگ ذو اصبح کے قبیلہ سے ہیں۔ ہمارے دادا نے مدینہ آکر بنی تیم میں شادی کی، اس لئے ہم لوگ اس کی طرف منسوب ہوئے، یہ حلف و ولاء کا تعلق حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی رض کے بھائی حضرت عثمان بن عبید اللہ تیمی سے قائم ہوا تھا، [۲] امام صاحب کی والدہ کا نام عالیہ تھا جو شریک بن عبدالرحمٰن بن

---

[۱] جمہرۃ انساب العرب، ابن حزم ص۴۳۶ [۲] ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالک قاضی عیاض ج ۱ ص۱۰۶ وتذکرۃ الحفاظ، ذہبی ج ۱ ص۱۹۳ ،

شریک کی صاحبزادی تھیں قاضی محمد بن عمران تیمی نے کہا ہے کہ امام مالک قبیلہ حمیر سے ہیں اور ہمارے ان کے درمیان نسبی رشتہ ہے۔ البتہ ان کی والدہ میرے چچا عثمان بن عبیداللہ کی باندی تھیں [۱]

ابو عامر نافع بن عمرو صحابی ہیں، غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور مالک بن ابو عامر کبار تابعین میں سے ہیں، بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے، متعدد کبار صحابہ سے روایت کی ہے، ثقہ محدّث ہیں، ان کے چار لڑکے تھے انس، اُویس، ابو سہیل نافع، ربیع، اور چاروں نے ان سے روایت کی ہے، غالباً انس سب سے بڑے تھے، اسی لئے ان کی کنیت ابوانس ہے، چاروں بھائی اپنے وقت کے علماء و محدّثین میں تھے، امام صاحب کے والد انس سے اُن کے صاحبزادے مالک اور محمد بن شہاب زہری نے روایت کی ہے، [۲]

مکان مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلہ پر وادیٔ عقیق ہے، وہیں جُرف نامی ایک مشہور نشیبی اور سیلی علاقہ تھا، جہاں کھیت اور باغات تھے، اسی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جاگیر بھی تھی، یہ مقام اپنی سرسبزی و شادابی کی وجہ سے بڑا پُرکشش تھا [۳]۔ اسی علاقہ میں امام صاحب کے والد کا شاندار قصر اور محل تھا جو قصر المقعد کے نام سے مشہور تھا، قاضی عیاض نے لکھا ہے۔

کان ابو مالك بن انس مقعداً،	امام مالک کے والد انس مُقعد تھے اور مقام
وکان لہ قصرٌ بالجرف، یعُرفُ	جُرف میں ان کا ایک محل تھا جو قصر مقعد کے
بقصر المقعد [۴]	نام سے مشہور تھا،

مقعد النسب اور مقعد الحسب ایسے شخص کو کہتے ہیں جو قصیر النسب یا معدوم

---

[۱] جمہرۃ انساب العرب ص۴۳۶، [۲] ترتیب المدارک ص۱۰۵ ج ۱، [۲] الجرح والتعدیل ج ۱ قسم ۱ ص۲۸۶
[۳] وفاء الوفاء ج ۴ ص۱۱۷۵، [۴] ترتیب المدارک ج ۱ ص۱۰۸،

النسب ہو[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب امام صاحب کا خاندان یمن سے مدینہ آیا تو اس کے افراد کم اور غیر معروف تھے، ایک مرتبہ امام صاحب سے لوگوں نے عقیق میں مقیم ہونے کی وجہ دریافت کی اور کہا کہ اس سے مسجد نبویؐ تک آنے جانے میں تکلیف ہوتی ہے، امام صاحب نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ عقیق سے محبت رکھتے تھے، اور وہاں تشریف لے جاتے تھے، اور بعض صحابہ نے وہاں سے منتقل ہوکر مسجد نبویؐ کے قریب قیام کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ مسجد تک آمد ورفت میں ثواب نہیں سمجھتے ہو؟ امام صاحب بعد میں مدینہ منورہ چلے آئے تھے، ابن بکیر کا بیان کہ امام صاحب پہلے عقیق میں رہتے تھے۔ پھر مدینہ آگئے۔ یہاں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام کرتے تھے، جو حضرت عمرؓ کے مکان کے قریب مسجد نبویؐ سے متصل تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرماتے تھے، تو آپ کا بستر اسی مکان میں رکھا جاتا تھا،[2]

پیدائش اور بچپن

امام صاحب کی پیدائش ۹۳ھ میں علاقہ جرف کے ایک حصہ ذی مروہ میں ہوئی، بعض لوگوں نے ۹۰ھ، ۹۴ھ اور ۹۵ھ بھی بتایا ہے، عام تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ آپ شکم مادر میں تین سال تک رہے، اور بعض نے دو سال بتایا ہے،

امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ سے عمر میں تیرہ سال بڑے، انھوں نے امام مالکؒ کے بچپن میں ان کو دیکھا تھا، ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ سے لوگوں نے پوچھا کہ مدینہ کے نوخیز لڑکوں کو آپ نے کیسا پایا؟ تو کہا کہ اگر ان میں کوئی اونچا جائے گا تو مالک،

ان نجب منهم فالاشقر الازرق یعنی مالکؒ۔ — اگر ان میں کوئی نجیب ہوگا تو سرخی مائل گورا مالک،

---

[1] تاج العروس ص۵ ج۹ (کویت)، [2] ترتیب المدارک ص۱۱۵ ج۱،

ایک روایت میں ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے کہا کہ میں نے مدینہ میں علم کو بکھرا ہوا دیکھا ہے اگر کوئی اس کو جمع کرے گا تو یہی لڑکا، ابن غانم کہتے ہیں کہ بعد میں میں نے امام ابوحنیفہ کی یہ بات امام مالک کو سُنائی تو انھوں نے کہا کہ ابوحنیفہ نے سچ کہا، میں نے ان کو دیکھا ہے۔ وہ بڑی سمجھ بوجھ کے آدمی تھے۔ کاش! وہ فقہ کی بنیاد اصل یعنی اہل مدینہ کے اثر پر رکھتے۔

طلب حدیث سے پہلے کپڑے کی تجارت

امام صاحب باقاعدہ طلب علم سے پہلے اپنے بھائی نضر کے ساتھ بزازی کرتے تھے، یعنی سوتی کپڑے کی تجارت میں ان کے شریک تھے۔

وکان اخوہ النظر یبیع البزّ، وکان مالک معہ بزّازا، ثم طلب العلم

مالک کے بھائی نضر سوتی کپڑے بیچتے تھے، اور مالک ان کے ساتھ رہکر بزّاز تھے۔ اور بعد میں علم حاصل کیا،

* * *

اسی وجہ سے ابتدائی دور میں ان کا تعارف ان کے بھائی نضر کی نسبت سے ہوتا تھا اور مالک اخو النظر یعنی نضر کے بھائی مالک کہے جاتے تھے، اور طلب علم میں محنت کی وجہ سے امام صاحب کی شہرت ہوئی تو اس کے برعکس تعارف ہونے لگا اور لوگ النظر اخو مالک یعنی مالک کے بھائی نضر کہنے لگے[1]

بچپن میں تعلیمی شوق اور ربیعہ رائی کے درس میں شرکت

امام صاحب کا گھرانا دینی اور علمی تھا، احادیث کی روایت مدینہ میں عام تھی، امام صاحب نے بچپن ہی میں طلب حدیث کی ابتدار کی، خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ میں بھی علم حاصل کرنے جاؤں گا، انھوں نے کہا کہ آؤ میں تم کو علم دین کا لباس پہنا دوں، چنانچہ انھوں نے مجھے اونچے کپڑے،

---

[1] ترتیب المدارک ص ۱۱۹ ج ۱، ص ۱۲۸، ص ۱۲۹،

(ثیاب مشمّرہ) پہنائے اور سر پر سیاہ لمبی ٹوپی رکھکر اوپر سے عمامہ باندھا اور کہا۔

اذھب الی ربیعۃ فتعلم من ادبہ قبل علمہ۔ ربیعہ کے پاس جاؤ اور ان کے علم سے پہلے ان سے ادب سیکھو،

اور ایک روایت ہے کہ والدہ نے کہا۔

اذھب الآن فاکتب اب جاؤ حدیث لکھو۔

زبیری کا بیان ہے کہ میں نے مالک کو ربیعہ کے حلقۂ درس میں دیکھا ہے، اس وقت ان کے کان میں بُندا تھا، [۱]

امام ابوعثمان ربیعہ بن ابوعبدالرحمٰن فروخ تیمی مدنی متوفی ۱۳۶ھ رحمۃ اللہ علیہ ربیعہ رائی کی نسبت سے مشہور ہیں، حضرت انس بن مالک رضؓ اور بہت سے علمائے تابعین سے روایت کی ہے، کثیر الحدیث، ثقہ، محدث و فقیہ تھے، مدینہ کے نامی گرامی علماء و فقہاء ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے جو مسجد نبوی میں قائم ہوتا تھا جن میں چالیس عمامہ پوش مشائخ تھے،

نافع مولیٰ ابن عمر اور عبدالرحمٰن بن ہُرمز سے تلمّذ

اسی زمانہ میں امام صاحب نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر سے بھی تحصیل علم کرتے تھے، کہتے ہیں کہ میں بچپن میں اپنے ملازم کے ساتھ نافع مولیٰ ابن عمر کے یہاں جایا کرتا تھا، وہ اوپر سے اتر کر زینہ پر بیٹھ جاتے اور مجھ سے حدیث بیان کرتے تھے، میں دوپہر میں ان کے پاس جاتا تھا، راستہ میں کہیں سایہ بھی نہیں ہوتا تھا، وہ میری آمد پر باہر آتے، تھوڑی دیر دم لینے کے بعد میں ان سے سوال کرتا کہ ابن عمر نے فلاں فلاں مسئلہ میں کیا کہا ہے؟ اور وہ بیان کرتے تھے۔

اور عبدالرحمٰن بن ہُرمز کے پاس صبح کو جاتا اور رات کو وہاں سے واپس آتا تھا،

---

[۱] ترتیب المدارک ص ۱۱۹ ج ۱ والمحدث الفاصل رامہرمزی ص ۲۰۱۔

مصعب کا بیان ہے کہ نافع کے نابینا ہوجانے کے بعد امام مالک ان کو ان کے مکان سے جو بقیع کی طرف واقع تھا لیوا کر مسجد نبوی میں آتے اور ان سے احادیث کے بارے میں سوال کرتے تھے [۱]۔ امام صاحب کا بیان ہے کہ میرے ایک بھائی عمر میں زیادہ اور ابن شہاب کے ہمعصر تھے، ایک دن والد نے ہم دونوں کے سامنے ایک مسئلہ رکھا، بھائی نے صحیح بتایا اور میں غلطی کر گیا۔ والد نے کہا کہ تم کو کبوتروں نے طلب علم سے غافل کر دیا ہے، یہ جملہ بہت گراں گذرا، اور میں عبدالرحمٰن بن ہرمز کے حلقۂ درس میں جانے لگا جہاں سات سال تک رہ کر تحصیل علم کی، اس مدت میں کسی دوسرے شیخ کے پاس نہیں گیا، میں اپنے پاس کھجور رکھکر ان کے یہاں جاتا اور لڑکوں کو دیکر ان سے کہتا کہ اگر کوئی شخص شیخ کے بارے میں پوچھے تو تم لوگ کہہ دینا کہ وہ اس وقت مشغول ہیں، ایک دن میں ابن ہرمز کے دروازے پر پہونچا تو انھوں نے باندی کو بھیجکر معلوم کیا کہ دروازہ پر کون ہے؟ اس نے جاکر کہا کہ وہی اشقر (سُرخ گورا) ہے ابن ہرمز نے کہا ان کو آنے دو، وہ امام ہیں، ابن ہرمز کا حلقۂ درس مسجد نبوی میں ہوا کرتا تھا۔

ابو داؤد عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج مدنی متوفی ۱۱۷ھ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد اور ان کے علم کے وارث تھے، بہت سے تابعین سے حدیث کی روایت کی ہے، کثیر الحدیث، ثقہ محدث تھے، اسی کے ساتھ انساب، عربیت اور قرأت کے زبردست عالم تھے۔

صفوان بن سلیمؒ سے تلمذ

امام صاحب کے بچپن کے اساتذہ میں صفوان بن سلیم بہت بزرگ عالم تھے، انھوں نے ایک دن اپنے شاگرد مالک سے ایک خواب کی تعبیر معلوم کی، شاگرد نے عرض کیا حضرت! آپ جیسے بزرگ مجھ سے کوئی بات معلوم کریں یہ عجیب سی بات ہے، استاد نے کہا کہ بھتیجے! کوئی بات نہیں ہے، اس میں

---

[۱] ترتیب المدارک ج ۱ صفحہ ۱۲۰، صفحہ ۱۲۱

کیا حرج ہے، میں نے خواب دیکھا ہے کہ آئینہ دیکھ رہا ہوں، شاگرد نے فوراً عرض کیا کہ آپ اپنی آخرت سنوار رہے ہیں اور اپنے رب کی قربت کا سامان بہم پہونچا رہے ہیں استاد نے یہ تعبیر سنکر خوش ہوکر کہا کہ۔

انت الیوم مُوَیلك، ولئن بقیت	آج تم مُوَیلکِ ہو اگر زندہ رہے تو مالک ہو
تکونَنَّ مالكًا، اتق الله یامالك	جاؤ گے اے مالک! جب تم واقعی مالک بن
اذا کنت مالکًا، والّا فانت هَالك	جانا تو اللہ سے ڈرنا، ورنہ ہالک ہو جاؤ گے،

امام صاحب کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں لوگ تجھے پیار کی وجہ سے مُوَیلکِ (مَلِکًا) کہکر پکارتے تھے، صفوان بن سلیم نے پہلی بار اس موقع پر مجھے ابو عبداللہ کی کنیت سے پکارا، اور یہ ان ہی کا عطیہ ہے، [1] ابو عبداللہ صفوان بن سلیم قرشی زہری مدنی متوفی ۱۳۲ھ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر اور کبارِ تابعین سے روایت کی ہے، ان کے زہد و تقویٰ کا یہ حال تھا کہ اگر ان کو خبر دیجاتی کہ کل قیامت آنے والی ہے تو ان کو مزید عمل کی ضرورت نہیں پڑتی، امام مالکؒ کہتے ہیں کہ صفوان جاڑے میں چھت پر اور گرمی میں اندر رات کو نماز پڑھتے تھے، تاکہ سردی اور گرمی کی وجہ سے شب بیداری میں مدد ملے، [2]

ابن شہاب زہری کے حلقۂ درس میں

امام صاحب کے اساتذہ و شیوخ میں مدینہ منورہ کے اساطین علومِ نبوت تھے، جن میں امام محمد بن شہاب زہری خاص اہمیت رکھتے ہیں، اور امام صاحب نے ان سے بہت زیادہ فیض پایا ہے، بیان کرتے ہیں کہ ہم طلبۂ حدیث ابن شہاب کے مکان واقع بنی الدیل میں بہت زیادہ بھیڑ لگاتے تھے ان کے دروازے پر بیٹھے رہتے اور جب کھلتا تو اندر جاتے وقت دھکم دھکا کرتے تھے، ابن شہاب حلقۂ درس میں قال ابن عمر کذا وکذا کہتے اور ہم سن لیتے اور حلقہ ختم ہونے پر ان سے پوچھتے کہ ابن عمر کے

[1] ترتیب المدارک ص ۱۲۸ ج ۱، [2] تہذیب التہذیب ص ۴۲۵ ج ۴،

یہ اقوال آپ تک کیسے پہونچے ہیں؟ تو بتاتے کہ ان کے صاحبزادے سالم نے ان کو بیان کیا ہے،

امام صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن میں یہ سوچ کر کہ آج ابن شہاب خالی ہوں گے ان کے یہاں مصلّی سے باہر ہی باہر چلا گیا، ابن شہاب نے ملازمہ سے کہا کہ دیکھو دروازہ پر کون ہے؟ اس نے جاکر خبر دی کہ مولاك الاشقر مالك، اور میں ان کی اجازت پر اندر گیا، انھوں نے دیکھتے ہی کہا کہ میرا خیال ہے کہ تم اپنے مکان نہیں گئے ہو اور باہر ہی باہر یہاں چلے آئے ہو، کھانا کھالو، میں نے کہا کھانے کی حاجت نہیں ہے، آپ حدیث بیان کردیں، چنانچہ انھوں نے اسی وقت سترہ حدیثیں بیان کیں اور کہا کہ اس سے تم کو کیا فائدہ ہوگا کہ میں حدیث بیان کروں اور تم یاد نہ کرو، میں نے کہا کہ آپ کہیں تو ابھی ان سب حدیثوں کو سُنادوں اور اسی وقت ان کو زبانی سُنادیا،

ایک روایت میں ہے کہ میں نے اپنی تختیاں دکھائیں تو ابن شہاب نے مزید چالیس احادیث لکھائیں، انھوں نے کہا کہ اگر تم ان کو یاد کرلوگے تو ان کے حافظ ہوجاؤگے، میں نے کہا کہ ان کو ابھی زبانی سنا سکتا ہوں، ابن شہاب نے کہا سناؤ میں نے وہ تمام حدیثیں سنادیں، اور انھوں نے کہا۔

قم فانت من اوعیۃ العلم، او	اٹھو، تم علم کا خزانہ ہو، یا یہ کہا کہ تم علم کے
قال: انك لنعم المستودع للعلم[1]	لئے بہترین خزانہ ہو،

مطرف بن عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام مالک نے کہا کہ میں نے مدینہ میں صرف ایک محدّث کو فقیہ پایا، میں نے پوچھا وہ کون ہے؟ کہا کہ ابن شہاب زہری،[2] امام صاحب کا قول ہے کہ ابن شہاب نے سب سے پہلے سند کے ساتھ حدیث بیان کی ہے،[3]

---

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۲۳، [2] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۸۸، [3] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۲۰،

ہم لوگ ابن شہاب کے یہاں بھیڑ لگائے رہتے تھے [1] یحییٰ بن معین کا قول ہے کہ ابن شہاب زہری کے شاگردوں میں سب سے زیادہ معتبر و اثبت مالک ہیں ان کے بعد معمر ہیں [2]۔

علی بن مدینی نے سفیان ثوری سے پوچھا کہ آپ نے امام مالک کو دیکھا ہے انھوں نے کہا کہ ہاں میں نے ان کو ابن شہاب زہری کے یہاں دیکھا ہے، میں نے حساب لگایا تو اس وقت وہ اٹھائیس ۲۸ سال کے تھے، اس سے پہلے وہ نافع کی مجلس درس میں بیٹھتے تھے۔

فقیہ ابو بکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب قرشی زہری مدنی متوفی ۱۲۳ھ رحمۃ اللہ علیہ عالم الحجاز والشام تھے، بہت سے جلیل القدر اور کبار تابعین سے روایت کی تھی۔ فقہ و حدیث کے جامع تھے۔

مدینہ منورہ کی دینی و علمی مرکزیت

امام مالک مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، اور وہیں پوری تعلیم حاصل کی، کسی روایت سے ان کے طلب علم میں باہر جانے کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔ اس زمانہ میں مدینہ علم دین اور علمائے دین کا مرکز تھا اور پورے عالم اسلام کے اہل علم اسی سرچشمہ علم و دین کے پاس آتے تھے، ابو العالیہ ریاحی بصری کہتے ہیں کہ ہم لوگ بصرہ میں صحابہ کی روایت سے حدیث سنتے تھے اور اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتے تھے جب تک کہ مدینہ آکر خود ان صحابہ کے منہ سے نہیں سن لیتے تھے [3] اسی لئے امام مالک نے یہیں رہ کر نہایت احتیاط اور ذمہ داری کے ساتھ علم حاصل کیا،

ان کا بیان ہے کہ میں نے اس شہر مدینہ میں ایسے بزرگوں کو پایا ہے جن کے وسیلہ سے طلب باراں کی دعا کی جائے تو ضرور بارش ہو جائے، انھوں نے احادیث کی

---

[1] المحدث الفاصل ص۲۴۲، الکفایہ ص۱۵۹، [2] تقدمۃ الجرح ص۱۶، [3] الکفایہ ص۴۰۳،

روایت بھی کی تھی، مگر میں نے ان حضرات سے حدیث نہیں حاصل کی، کیونکہ وہ خوف خدا اور زہد وتقویٰ کی زندگی اختیار کر چکے تھے، اور یہ علم دین اور علم حدیث وفقہ زہد وتقویٰ اور خوفِ خدا کے ساتھ اتقان، اور فہم کا بھی متقاضی ہے۔ تاکہ روایت کرنے والا سمجھ سکے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، اور کل اس کا انجام کیا ہوگا؟ جس عالم میں اتقان، معرفت اور دین کی فہم نہ ہو، نہ وہ حجت اور دلیل ہو سکتا ہے، اور نہ اس سے علمِ دین حاصل کیا جا سکتا ہے، ہم کو حق نہیں ہے کہ ان کو متہم قرار دیں مگر وہ علمِ حدیث کے حامل نہیں ہیں، امام صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ میں نے بہت سے اہل علم کو دیکھا ہے جنھوں نے صحابہ کا زمانہ پایا ہے مگر ان سے علم حاصل نہیں کیا۔

ایک مرتبہ امام صاحب سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے عمرو بن دینار سے حدیث پڑھی ہے؟ تو کہا کہ وہ حدیث بیان کر رہے تھے اور طلبہ کھڑے لکھ رہے تھے، مجھکو اچھا نہیں معلوم ہوا کہ اس طرح میں حدیثِ رسول لکھوں،

ایک مرتبہ امام صاحب ابو الزناد کے حلقۂ درس سے گذرے مگر وہاں نہیں ٹھہرے بعد میں ابو الزناد نے پوچھا کہ آپ میرے یہاں کیوں نہیں بیٹھے؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ جگہ تنگ تھی، اور میں نے کھڑے ہو کر حدیثِ رسول حاصل کرنا مناسب نہیں سمجھا[1]

زمانۂ طلبِ علم میں معاشی تنگی

امام صاحب کا خاندان معاش ومعیشت کی دراجبی زندگی بسر کرتا تھا، قاضی عیاض نے ان کے والد کے بارے میں ایک قول نقل کیا ہے۔

وکان یعیش من صنعۃ النبل[2] — وہ تیر سازی کے ذریعہ زندگی بسر کرتے تھے،

اور جیسا کہ معلوم ہوا، امام صاحب کے بھائی نظر بن انس بزازی کرتے تھے، ان کے ساتھ امام صاحب بھی اسی تجارت میں لگے ہوتے تھے، اس ذریعۂ معاش سے اتنی آمدنی نہیں

---

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۲۳، الکفایہ ص ۱۳۳، المحدث الفاصل ص ۴۰۳، ۴۰۴ [2] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۰۸،

ہوتی تھی کہ فراخی کے ساتھ امام صاحب طالب علمی کا دور گذار سکیں،

بعد میں اللہ تعالیٰ نے فراخی وخوش حالی عطا فرمائی اور امام صاحب نہایت مُرفہ الحال ہوئے، ایک مرتبہ امام صاحب نے خلیفہ ابو جعفر منصور کو رعایا کی خبر گیری کی نصیحت کی، تو اس نے کہا کہ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جب آپ کی بچی بھوک سے روتی تھی تو آپ خادمہ کو چکی چلانے کا حکم دیتے تھے تاکہ پڑوس والے رونے کی آواز نہ سن سکیں، جب میں اس کو جانتا ہوں تو کیا رعایا کا حال مجھے معلوم نہیں ہوگا؟

فقر و استغناء کی یہ کیفیت بعض اوقات بڑی صبر آزما ہو جاتی تھی، اس ابتلاء کے بعد خوشحالی و فارغ البالی کا دور آیا، ابن قاسم کا بیان ہے۔

افضیٰ بمالك طلب العلم الی ان نقض سقف بیته فباع خشبه، ثم هالت علیه الدنیا بعد[1]	طالب علمی نے مالک کو اس قدر مفلوک کر دیا تھا کہ اپنے مکان کے چھت کی لکڑیاں فروخت کیں، اس کے بعد دنیا حاصل ہوئی،

اس دور ابتلاء میں امام صاحب کا یہ حال تھا کہ لوگوں سے الگ تھلگ درختوں کے سایہ میں بیٹھکر حدیث یاد کرتے تھے، اور جب ان کی بہن اپنے والد سے اس کا تذکرہ کرتی تھیں تو وہ کہتے تھے کہ وہ تنہائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کر رہے ہیں

چند مشہور شیوخ واساتذہ

امام مالکؒ نے جن شیوخ واساتذہ سے علم دین حاصل کیا ان کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں اجلۂ تابعین اور مشہور فقہاء و محدثین ہیں۔ زرقانی نے کہا ہے کہ نو سو ۹۰۰ سے زائد امام مالک کے استاد ہیں۔ غافقی نے پچانوے ۹۵ کے نام بیان کئے ہیں۔ چند حضرات کے نام یہ ہیں۔ ربیعہ رائی، نافع مولیٰ ابن عمر، محمد بن مسلم بن شہاب زہری، عامر بن عبداللہ بن زبیر، نعیم بن عبداللہ المجمر، زید بن اسلم، حمید الطویل، سعید مقبری، ابو حازم سلمہ بن دینار،

---

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۲۱۴، ص ۱۱۹،

شریک بن عبداللہ بن ابونمیر، صالح بن کیسان، صفوان بن سلیم، ابوالزناد، محمد بن منکدر، عبداللہ بن دینار، ابوطوالہ، عبدربہ بن سعید، یحییٰ بن سعید، عمر بن ابوعمرو مولیٰ مطلب، علاء بن عبدالرحمٰن، ہشام بن عروہ بن زبیر، یزید بن مہاجر، یزید بن عبداللہ بن خصیفہ۔ ابوالزبیر مکی، ابراہیم بن عقبہ، موسیٰ بن عقبہ، ایوب سختیانی، اسمعیل بن ابوحکیم، حمید بن عبدالرحمٰن، جعفر الصادق بن محمد، حمید بن قیس مکی، داؤد بن حسین، زیاد بن سعد، زید بن رباح، سالم بن ابوالنضر، سمی مولیٰ ابوبکر بن عبدالرحمٰن، سہیل بن ابوصالح صیفی مولیٰ ابوایوب، حمزہ بن سعید، طلحہ بن عبدالملک ایلی، عبداللہ بن ابوبکر بن حزم، عبداللہ بن فضل ہاشمی، عبداللہ بن یزید مولیٰ اسود، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابوصعصعہ، عبدالرحمٰن بن قاسم، عبیداللہ بن ابوعبداللہ الاغر، عمرو بن مسلم بن عمارہ، عمرو بن یحییٰ بن عمارہ، قطن بن وہب، ابوالاسود یتیم عروہ، محمد بن عمرو بن علحلہ، محمد بن یحیی بن حبان، مخرمہ بن بکیر، اور علماء و محدثین کی ایک بڑی جماعت، [1]

مسند درس وافتاء امام صاحب ذہانت، محنت، اور ذوق وشوق کی بنا پر سترہ[17] سال کی عمر میں جملہ دینی علوم میں درجۂ کمال کو پہونچ گئے تھے، اور اسی عمر میں اپنے اساتذہ و شیوخ کی شہادت واجازت پر مسند درس وافتاء پر بیٹھے، خود بیان کرتے ہیں کہ۔

ما افتیتُ حتیٰ شھد لی سبعون	جب تک ستر[70] علماء نے میرے بارے میں
انّی اھل لذالک [2]	شہادت نہیں دی کہ افتاء کا اہل ہوں میں
	نے فتویٰ نہیں دیا،

* * * *

اس وقت ان کے کئی شیوخ زندہ تھے اور ان کی حیات میں امام صاحب فتویٰ دیا کرتے تھے۔ ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ میں حضرت نافع کی زندگی میں مدینہ گیا، اس وقت

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۶، [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۴

امام مالکؒ کا حلقۂ درس وافتار قائم تھا، ابن منذر کا بیان ہے کہ نافع اور زید بن اسلم کی زندگی ہی میں امام مالک فتویٰ دینے لگے تھے، بقول مصعب امام مالک کا حلقۂ درس نافع کی زندگی ہی میں ان کے حلقۂ درس سے بڑا تھا، شعبہ کا بھی یہی قول ہے۔ [۱]

امام صاحب کے حلقۂ درس وافتار میں ان کے اساتذہ وشیوخ بھی شریک ہوتے تھے، ان کا قول ہے۔

قلّ رجل کنت اتعلّم منہ مامات	میرے اساتذہ میں بہت کم لوگ ایسے ہیں
حتی یجیئنی ویستفینی [۲]	جنھوں نے مرنے سے پہلے میرے پاس
	آکر مجھ سے فتویٰ نہ پوچھا ہو،

* * * *

امام صاحب کی مجلس درس وافتار دو جگہ منعقد ہوتی تھی، ایک مدینہ منورہ میں مسجدِ نبوی کے روضۂ جنّت میں، جہاں امام صاحب اپنے استاد نافع کی زندگی میں بیٹھ کر ان سے علم حاصل کرتے تھے، اور دوسری وادیِ عقیق کے مقام جرف میں جہاں آپ کا ذاتی مکان تھا۔

گھر کی مجلس میں امام صاحب کے دائیں بائیں تکئے رکھے جاتے تھے عود سلگائی جاتی تھی، پنکھے رکھے جاتے تھے، مجلس میں شور اور ہنگامہ نہیں ہوتا تھا۔ قریش اور انصار کے علاوہ بیرونی طلبہ کی بھیڑ رہا کرتی تھی مگر کیا مجال کہ ذرا آداب مجلس اور سکون ووقار میں فرق آئے، بیرونی طلبہ اگر کوئی سوالات کرتے تو امام صاحب ان کے جواب باری باری سے دیا کرتے تھے، حدیثِ رسول کا ادب ہر حال میں مقدم رہتا تھا۔

امام صاحب کا طریقۂ درس

طریقۂ درس یہ تھا کہ امام صاحب کے کاتب خاص حبیب حدیث پڑھتے تھے، اور تمام شرکار درس خاموشی سے سنتے تھے، کوئی شخص امام صاحب کی ہیبت اور رعب داب کی وجہ سے نہ

---

[۱] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص۲۶، ترتیب المدارک ج ا ص۱۳۵۔ [۲] ابن خلکان ج ۲ ص۱۰، طبع قدیم

اپنی کتاب میں دیکھتا تھا اور نہ کوئی سوال کرتا تھا، اگر حبیب کوئی غلطی کرتے تو امام صاحب تصحیح کر دیتے تھے، اپنی کتاب مؤطا خود پڑھکر کسی کو نہیں سناتے تھے، جب دروازہ پر طلبہ کا ہجوم ہوجاتا تو اندر بلانے کا حکم دیتے تھے، پہلے خاص طلبہ پھر عام طلبہ کو بلاتے تھے کبھی کبھی امام صاحب خود بھی اپنی کتاب طلبہ کے سامنے پڑھا کرتے تھے، یحییٰ بن بکیر کہتے ہیں کہ میں نے چودہ مرتبہ امام صاحب سے ان کی کتاب مؤطا سنی ہے،

محدثین کے نزدیک اگر شاگرد اپنے استاد کے سامنے حدیث پڑھے اور استاد سُنے تو عرض کہتے ہیں، ایسی صورت میں شاگرد حدثنا کہہ سکتا ہے، اور اگر اس کے برخلاف استاد حدیث پڑھے اور شاگرد سنے تو ایسی صورت میں اخبرنا کہنا چاہئے امام صاحب دونوں صورتوں پر عمل کرتے تھے۔ [1]

امام صاحب کی صاحبزادی فاطمہ کو مؤطا زبانی یاد تھی، درس کے وقت وہ دروازہ کی آڑ میں کھڑی رہتی تھیں۔ جب کوئی قاری مؤطا غلطی کرتا تھا تو ناخن سے دروازہ کھٹکھٹاتی تھیں، امام صاحب سمجھ جاتے تھے اور اس کی تصحیح کرتے تھے، کبھی کبھی امام صاحب کے لڑکے یحییٰ لاابالی پن کے ساتھ مجلس درس میں آجاتے تھے تو امام صاحب شاگردوں کی طرف متوجہ ہوکر کہتے تھے کہ ادب سکھانے والا اللہ ہے، یہ میرا لڑکا ہے اور یہ میری لڑکی ہے، بعد میں یحییٰ بن امام مالک کا لاابالی پن ختم ہوگیا تھا اور وہ مؤطا کے راوی اور زبردست عالم ہوئے۔ ان سے یمن میں مؤطا کی روایت کی گئی، انھوں نے مصر جاکر درسِ حدیث دیا ہے۔ [2]

خلیفہ کے صاحبزادے مجلس درس میں

خلیفہ مہدی ایک مرتبہ حج کے موقع پر مدینہ منورہ گیا، امام مالکؒ اس کی ملاقات کو گئے، خلیفہ بڑی تعظیم وتکریم سے پیش آیا، اور اپنے دونوں

---

[1] الکفایہ صفحہ ۲۶۳، [2] ترتیب المدارک ج ۱ صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۰۹، ۱۱۰،

صاحبزادوں موسیٰ اور ہارون کو حکم دیا کہ امام صاحب سے حدیث پڑھیں، ارکانِ دولت نے ان کو بلایا مگر نہیں گئے، خلیفہ نے اس کی وجہ معلوم کی، امام صاحب نے کہا کہ امیرالمؤمنین! علم قابلِ احترام چیز ہے، اس کے پاس آنا چاہیے، خلیفہ نے اس بات کو تسلیم کیا اور صاحبزادوں کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور کہا گیا کہ آپ ان کو حدیث پڑھ کر سنائیں۔ امام صاحب نے کہا کہ اس شہر میں استاد کے سامنے پڑھا جاتا ہے۔ جس طرح بچہ اپنے استاد کے سامنے پڑھتا ہے، اور جب بچہ غلطی کرتا ہے تو استاد صحیح کر دیتا ہے صاحبزادوں نے خلیفہ کے پاس جاکر اس بات کی خبر دی، خلیفہ نے امام صاحب کے پاس آدمی بھیجکر کہلوایا کہ آپ نے موسیٰ اور ہارون کو بلانے کے بعد ان کو پڑھانے سے انکار کر دیا، امام صاحب نے جواب میں کہلوایا کہ امیرالمؤمنین! میں نے ابن شہاب سے سنا ہے کہ ہم نے سعید بن مسیب، ابو سلمہ، عروہ بن زبیر، سالم، خارجہ، سلیمان اور نافع سے اسی طرح اس مقام میں علم حاصل کیا ہے، نیز ابن ہرمز، ابوالزناد، ربیعہ، بحرالعلم ابن شہاب وغیرہ کے سامنے حدیث پڑھی جاتی تھی، وہ حضرات خود نہیں پڑھتے تھے، اس کے بعد خلیفہ مہدی نے صاحبزادوں سے کہا کہ تم جاکر خود پڑھو، یہ ائمہ دین قدوہ اور اسوہ ہیں، چنانچہ صاحبزادوں کے مؤدب و معلم نے امام صاحب کے سامنے حدیث پڑھی اور صاحبزادوں نے سنی،

ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ہارون رشید کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اور اس کے صاحبزادے وادیٔ عقیق میں امام صاحب کے مکان پر گئے، دروازہ کھلنے تک باہر بیٹھے رہے، اور وہاں کے گرد و غبار میں اَٹے رہے۔ [1]

ایک عالم مجلسِ درس میں

امام صاحب کی مجلسِ درس کا یہ واقعہ خلیفہ سے تعلق رکھتا ہے جس میں امام صاحب نے

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص۱۵۸، ص۱۵۹،

صاحبزادوں کے پڑھانے سے شدت سے انکار کیا اور اسی پر قائم رہے، اس کے مقابلہ میں ایک عابد وزاہد عالم کا واقعہ سنئے، جس نے امام صاحب سے حدیث پڑھوا کر سنی،

عبدالملک بن عبدالعزیز ماجشون بیان کرتے ہیں کہ میں امام مالکؒ کی مجلس درس میں موجود تھا، طبقۂ صوفیہ کے ایک عالم نے آکر امام صاحب سے کہا کہ آپ تین حدیثیں مجھ سے بیان کر دیں، امام صاحب نے کہا کہ تم کو ضرورت ہو تو ان کو پڑھ کر مجھے سنا دو اور پھر مجھ سے ان کی روایت کرو، اس عالم نے کہا کہ ابو عبداللہ! ہمارے یہاں عرض کا رواج نہیں ہے، (القراءۃ علی المحدث) امام صاحب نے کہا کہ تم اس کے بارے میں زیادہ علم رکھتے ہو، وہ عالم بار بار یہی کہتے تھے اور امام صاحب یہی جواب دیتے تھے۔ جب امام صاحب مجلس سے اٹھنے لگے تو انھوں نے امام صاحب کا کپڑا پکڑ لیا اور کہا کہ اس قبر والے کے رب کی قسم جب تک آپ تینوں حدیثیں مجھ سے بیان نہیں کریں گے میں دامن نہیں چھوڑوں گا۔ امام صاحب نے اپنے شاگرد ابوطلحہ سے کہا کہ تم مجھکو اس آدمی سے بچاؤ، مجھے دیوانہ معلوم ہوتا ہے، ابوطلحہ نے کہا کہ یہ شخص دیوانہ نہیں معلوم ہوتا ہے، آپ مناسب سمجھیں تو تینوں حدیثیں بیان کر دیں۔ اس کے بعد امام صاحب نے اس عالم سے کہا کہ اچھا آؤ، کیا چاہتے ہو بیان کرو، اس نے کہا کہ پہلی حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوتے تو کیا آپ کے سر پر مغفرہ (خود) تھا؟ امام صاحب نے کہا کہ

: حدثنی الزہری، عن انس انّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مکّۃ یوم الفتح وعلی رأسہ المغفرۃ، قال: فقال ابن شہاب: ولم یکن رسول اللہ یومئذٍ محرمًا،

اس صوفی عالم نے کہا کہ دوسری حدیث یہ ہے کہ ابن عباسؓ سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے دو بیویاں تھیں، ان میں ایک عورت نے ایک لڑکے کو

دودھ پلایا اور دوسری عورت نے ایک لڑکی کو،

امام صاحب نے کہا: حدثنی ابن شہاب عن عمرو بن الشرید ان ابن عباس سئل عن رجل له امرأتان، ارضعت احداهما غلاماً، والاخریٰ جاریة، أیتنا کحان؟ قال: لا، اللقاح واحد،

اس صوفی عالم نے کہا تیسری حدیث یہ ہے کہ کیا ابن عمر نے اقامت سنی، اور وہ بقیع میں تھے؟۔ امام صاحب نے کہا کہ:

حدثنی نافع عن ابن عمر انه سمع الاقامة، وھو بالبقیع فاسرع المشی[1]،

ایک اندلسی طالب علم

امام صاحب کے تلامذہ میں ابو محمد یحییٰ بن یحییٰ اللیثی مصمودی اندلسی متوفی ۲۳۴ھ بڑے مقام و مرتبہ کے مالک ہیں، وہ اندلس سے چل کر امام مالک کی خدمت میں مدینہ منورہ آئے اور ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے، ایک دن شور ہوا کہ ہاتھی آیا ہے، اور تمام طلبہ ہاتھی دیکھنے کے لئے باہر چلے گئے مگر یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اپنی جگہ سے نہیں اٹھے، امام صاحب نے از راہ دلجوئی ان سے کہا کہ تم بھی جاؤ ہاتھی دیکھ آؤ، لائق شاگرد نے استاذ کی شفقت و محبت کا جو جواب دیا آج کل کے اساتذہ وتلامذہ کے لئے باعث عبرت و موعظت ہے یحییٰ بن یحییٰ نے کہا کہ

انما جئت من بلدی لانظر الیك واتعلم من هدیك وعلمك و لم اجئ لانظر الی الفیل۔

میں اپنے شہر سے آپ کو دیکھنے اور آپ سے علم و ادب سیکھنے کے لئے آیا ہوں، میں ہاتھی دیکھنے نہیں آیا ہوں،

امام صاحب اپنے تلمیذ رشید کا یہ جواب سنکر بہت خوش ہوئے اور ان کو عاقل اھل الاندلس"، کے خطاب سے نوازا، یحییٰ بن یحییٰ جب اندلس پہونچے تو وہاں ان کے

---

[1] المحدث الفاصل ص۴۲۳، ص۴۲۴، ص۴۲۵، الکفایہ فی علم الروایہ ص۳۷۳، ص۳۷۴،

علم وفضل کا شہرہ یوں عام ہوا کہ علمی اور دینی سیادت ان پر ختم ہوگئی، اور بلاد اندلس میں ان کی علمی و دینی جد وجہد سے مالکی مسلک کو فروغ ہوا، خاص طور سے ان سے مؤطا امام مالک کی روایت کی گئی، مؤطا کی متعدد روایات اور اس کے کئی نسخے ہیں جن میں یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کی روایت اور ان کا نسخہ بہت ہی زیادہ مشہور و مقبول اور اہل علم میں متداول ہے۔[۱]

تلامیذ و اصحاب امام مالک کی درسگاہ سے دینی و علمی فیض یافتہ تلامیذ و اصحاب کی تعداد بہت زیادہ ہے قاضی عیاض نے ترتیب المدارک میں ان کے نام حروف تہجی پر جمع کئے تو ان کی تعداد تیرہ سو سے زائد نکلی، پہلے ان کے خوشہ چینوں میں ان کے مشائخ، اساتذہ، اقران و معاصرین اور نوعمروں کے نام لکھے ہیں، پھر اہل عراق، اہل مشرق، اہل حجاز، اہل یمن، اہل قیروان، اہل اندلس، اہل شام کے نام درج کئے ہیں اور صفحہ ۲۵۴ سے صفحہ ۲۷۹ تک چھبیس صفحات میں یہ فہرست دی ہے۔[۲] ذہبی نے لکھا ہے۔

حدث عنه اممٌ لا یکادون یحصون[۳] امام مالک سے اتنے زیادہ لوگوں نے حدیث کی روایت کی کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا،

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

ابن حجر نے امام مالک سے روایت کرنے والوں میں ان کے ان شیوخ و اساتذہ کے نام دیئے ہیں، ابن شہاب زہری، یحییٰ بن سعید القاری، یزید بن عبداللہ بن ہاد وغیرہ اور معاصرین میں اوزاعی، سفیان ثوری، ورقاء بن عمر، شعبہ بن حجاج، ابن جریج ابراہیم بن طہمان، لیث بن سعد مصری، سفیان بن عیینہ وغیرہ کے نام لکھے ہیں۔ ان کے بعد یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، امام شافعی، عبداللہ بن مبارک

---

[۱] ابن خلکان ج ۲ ص ۳۵۵، [۲] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۲۵۴ تا ۲۷۹، [۳] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹۴،

ابن وہب، ابن قاسم، ابو عاصم، ابو الولید طیالسی، معن بن عیسیٰ، سعید بن منصور مکی بن ابراہیم، یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر وغیرہ وغیرہ کے نام لکھے ہیں [1]

فقہ وفتویٰ امام مالک فقہائے حدیث میں شمار ہوتے ہیں، ان کا فقہی مسلک اہل مدینہ خاص طور سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مطابق تھا، رائے اور قیاس سے بھی کام لیتے تھے، ان کے پہلے استاد ربیعہ رائی ہیں جن کے بارے میں امام صاحب کا قول ہے۔

ذهبت حلاوة الفقه منذ مات ربيعة [2]۔ — ربیعہ کے انتقال کے بعد فقہ کی شیرینی ختم ہو گئی۔

دوسرے استاد ابن شہاب زہری کے متعلق امام صاحب کا قول مطرف بن عبد اللہ نے نقل کیا ہے۔

ما ادركت بالمدينة فقيهاً محدثاً غير واحد، فقلت من هو؟ فقال: ابن شهاب الزهري، [3] — میں نے ایک شخص کے علاوہ مدینہ میں کوئی فقیہ محدث نہیں پایا۔ میں نے پوچھا وہ کون ہے؟ کہا کہ ابن شہاب زہری،

امام ابو حنیفہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان فقہ وفتویٰ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے متبع تھے اور محدثین کی ایک جماعت ان کے تفقہ وافتاء کے خلاف تھی، مگر امام مالک کے بعض تلامذہ نے ان کو حماد بن ابی سلیمان سے بڑا عالم فقہ بتایا ہے، عبد الرحمٰن بن رستہ کا بیان ہے کہ میرے سامنے عبد الرحمٰن بن مہدی سے کہا گیا کہ ابو سعید! معلوم ہوا ہے کہ آپ امام مالک کو امام ابو حنیفہ سے بڑا عالم فقہ مانتے ہیں؟ ابن مہدی نے کہا کہ میں یہی نہیں کہتا ہوں بلکہ کہتا ہوں کہ

---

[1] تہذیب التہذیب ص ۶ ج ۱۰، [2] ایضاً ص ۲۵۸ ج ۳، [3] طبقات ابن سعد ص ۳۸۸ ج ۲،

مالک ابوحنیفہ کے استاد حمّاد سے بھی بڑے عالم فقہ ہیں۔ ایک روایت میں ابن مہدی نے امام مالک کو ابوحنیفہ سے افقہ (زیادہ فقہ کا جاننے والا) کہا ہے، [۱]

ابن حزم نے امام مالک کو الفقیہ لکھا ہے، ذہبی نے فقیہ الامت کے لقب سے یاد کیا ہے، ابن حجر نے بھی الفقیہ بتایا ہے، ابن قتیبہ نے امام صاحب کا ذکر اصحابُ الرائے میں کیا ہے، ابن ندیم نے اخبار الفقہار میں سب سے پہلے ان کا تذکرہ کیا ہے۔ [۲]

ابن وہب کا بیان ہے کہ میں نے مدینہ میں منادی کرنے والے کو سنا، کہتا تھا کہ مالک اور ابن ابی ذئب کے علاوہ کوئی عالم لوگوں کو فتویٰ نہ دے، اُن ہی کا بیان ہے کہ میں نے ۱۴۰ھ میں حج کیا تو سُنا کہ منادی کرنے والا کہہ رہا ہے کہ مالک، ابن ابی ذئب اور عبدالعزیز ماجشون کے علاوہ کوئی فتویٰ نہ دے، [۳]

امام صاحب کے بھانجے اسمٰعیل بن ابی اویس کہتے ہیں کہ میرے ماموں جبتک لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ نہیں کہتے تھے فتویٰ نہیں دیتے تھے۔ [۴]

فتویٰ میں غایت احتیاط

امام صاحب کہتے ہیں کہ میرے لئے یہ سخت گراں باری ہے کہ مجھ سے حلال وحرام کے بارے میں پوچھا جائے، میں نے اپنے شہر مدینہ میں ایسے علمار وفقہار کو دیکھا ہے جن کے نزدیک موت فتویٰ دینے سے بہتر تھی، اور اب میں اپنے زمانہ والوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ فقہ وفتویٰ کے بارے میں خواہش ظاہر کرتے ہیں، اگر ان کو یقین ہوجاتے کہ کل اس کا انجام کیا ہوگا تو اس سے باز آجاتیں، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما خیار صحابہ میں سے تھے، ان کے سامنے مسائل آتے تو صحابہ کو جمع کرکے ان سے مشورہ کرکے فتویٰ دیا کرتے تھے، اور ہمارے زمانہ والوں کے لئے فتویٰ دینا فخر کا سبب ہے

---

[۱] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص۱۱، ص۱۶، [۲] جمہرۃ انساب العرب ص۴۳۶، تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۹۳ تہذیبُ التہذیب ج۵ ص۵، المعارف ص۲۱۸، الفہرست ص۲۸۰، [۳] ابن خلکان ج۱ ص۲، [۴] تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۹۶

اسی لئے ان کو اسی کے مطابق علم دیا جاتا ہے اور وہ حقیقی علم سے محروم رہتے ہیں، ہمارے اسلاف کا یہ طریقہ نہیں تھا کہ وہ کہیں یہ حلال ہے، اور یہ حرام ہے، بلکہ وہ کہتے تھے میں اس بات کو مکروہ سمجھتا ہوں اور اس بات کو پسند کرتا ہوں، کیونکہ حلال وحرام وہ چیزیں ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حلال وحرام بتایا ہے، [۱]

قعنبی کا بیان ہے کہ میں امام صاحب کے مرض الموت میں عیادت کے لئے گیا، اور سلام کے بعد بیٹھ گیا دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں، میں نے رونے کی وجہ معلوم کی تو بتایا کہ ابن قعنب! مجھ سے زیادہ اور کون رونے کا مستحق ہے، واللہ میری خواہش ہے کہ ان تمام مسائل کے بدلے جن میں میں نے اپنی رائے سے فتویٰ دیا ہے مجھے کوڑے مارے جائیں اور سابقہ لغزشوں سے نجات مل جائے۔ اے کاش! میں اپنی رائے سے فتویٰ نہ دیا ہوتا، [۲]

عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں کہ ہم لوگ امام صاحب کے یہاں تھے، ایک شخص نے آکر کہا کہ ابو عبداللہ! میں چھ ماہ کی مسافت طے کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، میرے شہر والوں نے چند مسائل دریافت کرنے کے لئے مجھے خاص طور سے آپ کے پاس بھیجا ہے، اس کے بعد اس نے چند مسائل دریافت کئے، امام صاحب نے سن کر کہا کہ لا احسن یعنی ان کے بارے میں مجھے تحقیق نہیں ہے، یہ جملہ سن کر وہ آدمی سخت حیرت میں پڑ گیا اور بولا کہ میں اپنے شہر والوں کو کیا جواب دوں گا؟ امام صاحب نے کہا کہ تم ان سے کہنا کہ مالک نے کہا کہ وہ ان کے متعلق تحقیق نہیں رکھتے ہیں، [۳]

ہیثم بن جمیل کہتے ہیں کہ میرے سامنے امام صاحب سے اڑتالیس ۴۸ مسائل دریافت

---

[۱] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۴۵، [۲] ابن خلکان ج ۲ ص ۱۱، [۳] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۸ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۵۳، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۴۵،

کئے گئے تو تینتیس[۳۳] میں کہا کہ لا ادری یعنی میں نہیں جانتا ہوں خالد بن خراش کا بیان ہے کہ میں نے امام صاحب سے چالیس[۴۰] مسائل معلوم کئے تو صرف پانچ کا جواب دیا، ابن وہب کا قول ہے کہ امام صاحب اکثر مسائل میں لا ادری کہدیا کرتے تھے،

امام صاحب کا قول ہے کہ بسا اوقات میں ایک مسئلہ کی تحقیق کے لئے پوری رات جاگتا ہوں، اور ایک مسئلہ میں دس[۱۰] سال سے غور کر رہا ہوں مگر اب تک صحیح فیصلہ نہیں کر سکا[۱]

سلف کا اتباع اور بدعات سے نفرت

امام صاحب اتباعِ سنت میں بہت آگے تھے، بدعات و محدثات سے سخت متنفر تھے اور عقائد میں کتاب وسُنّت کے سخت پابند تھے، ہر دینی معاملہ میں سلف صالحین کو اُسوہ و قدوہ بناتے تھے، ان کے دور میں اعتزال، علم کلام، جبر وقدر رفض و خروج اور طرح طرح کے مسائل و فرق پیدا ہو گئے تھے۔ مگر آپ ان سب سے دور رہ کر سلف کے راستہ پر چلتے تھے، ایک شخص نے امام صاحب سے سوال کیا کہ الرحمن علی العرش استویٰ" کا کیا مطلب ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر کیسے مستوی ہے؟ آپ نے اس کو جواب دیا،

الاستواء منہ معلوم، والکیف منہ غیر معقول، والسوال عن ھٰذا بدعۃ، والایمان بہ واجب،	اللہ کا مستوی ہونا معلوم ہے، کیفیت سمجھ سے باہر ہے۔ اس کے متعلق بات کرنا بدعت ہے۔ اور اس پر ایمان رکھنا فرض ہے۔

ایک شخص ابو الجویریہ نامی فرقہ مرجیہ سے تعلق رکھتا تھا، اس نے ایک دن امام مالک سے کہا کہ ابو عبداللہ! آپ سے میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں، ان کو سننے میں ان کے

---

[۱] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۴۴،

متعلق آپ سے بحث و مباحثہ کروں گا، امام صاحب نے کہا کہ تم مجھ کو اپنے اوپر گواہ نہ بناؤ، ابوالجویریہ نے کہا کہ واللہ میرا مقصد تلاش حق ہے، آپ ان کے بارے میں جواب دیں، اگر حق ہوگا تو میں قبول کرلوں گا، ورنہ آپ مجھے قائل کرنے کے لئے دلائل پیش کریں گے۔ امام صاحب نے کہا کہ اگر اس بحث و مباحثہ میں تم غالب آگئے، اس نے کہا کہ ایسی صورت میں آپ میری بات تسلیم کرلیں گے، امام صاحب نے کہا کہ اور اگر میں غالب آگیا؟ اس نے کہا کہ میں آپ کی بات مان لوں گا۔ امام صاحب نے کہا کہ اگر اس درمیان میں کوئی تیسرا آدمی آگیا اور وہ ہم دونوں پر غالب آگیا؟ اس نے کہا کہ تب ہم دونوں اس کی بات مان لیں گے، اس پر امام صاحب نے کہا کہ

یاعبد الله! بعث الله محمدً ابدين واحدٍ واراك تنتقل، وقال عمر بن عبد العزيز[1] من جعل دينه غرضا للخصومات اكثر التنقل	اللہ تعالیٰ کے بندے! محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک دین دیکر بھیجے گئے اور میں تم کو دیکھتا ہوں ایک دین سے دوسرے دین کی طرف منتقل ہو رہے ہو، عمر بن عبدالعزیز نے کہا ہے کہ جو شخص اپنے دین کو لڑائی جھگڑے کا نشانہ بنائے گا وہ دین بدلتا رہیگا

٭ ٭ ٭

ایک شخص نے امام صاحب سے علم باطن کے بارے میں سوال کیا، آپ نے غصہ ہو کر فرمایا کہ باطنی علم وہی عالم جانتا ہے جو ظاہری علم جانتا ہے، اور یہ علم قلب میں نور پیدا ہونے پر ملتا ہے، پھر اس سے کہا کہ

عليك بالدين المحض، واياك وبنيات الطريق، وعليك بما تعرف، واترك مالا تعرف،	تم خالص دین اختیار کرو، خبردار ادھر اُدھر کی باتوں پر نہ جاؤ، جو جانتے ہو اس کو لے لو اور جو نہیں جانتے اس کو چھوڑ دو،

جب کوئی ہوا پرست اور منحرف العقیدہ آدمی آپ سے گفتگو کے لئے آتا تھا

---

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص۱۷۱،

تو یہ کہکر اس سے علیحدہ ہو جاتے تھے کہ میں تو اپنے رب کی طرف سے دلیل رکھتا ہوں اور تم شک و شبہ میں مبتلا ہو، تم اپنے جیسے آدمی سے بحث و مباحثہ کرو،

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا جس نے حج کا احرام میقات سے پہلے ہی مدینہ سے باندھ لیا۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ اس کا یہ فعل اللہ اور اسکے رسول کے حکم کے خلاف ہے، ایسے شخص کے بارے میں دنیا میں فتنہ اور آخرت میں دردناک عذاب کا ڈر ہے، کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سُنا ہے؟

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهٖٓ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ۔	جو لوگ اللہ کے حکم کے خلاف کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ ان کو فتنہ لگ جائے یا ان کو دردناک عذاب ہو،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ میقات سے احرام باندھا جائے، [1]

زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت

سلف صالحین کے یہاں علم و عمل، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت کا مطلب دین تھا اور وہ جملہ صفات کے جامع اور ترجمان تھے، امام مالک میں یہ تمام اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے،

امام صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا قلب روشن ہو، موت کی سختی سے نجات ہو، قیامت کے شدائد سے محفوظ رہے، اس کا باطنی عمل ظاہری عمل سے زیادہ ہونا چاہئے۔

مصعب بن عبداللہ کا بیان ہے کہ جب امام صاحب کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہوتا تھا تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا، اور

---

[1] ترتیب المدارک ص ۱۷۲،

سرنگوں ہو جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے اگر تم لوگ دیکھتے تو میری حالت پر تعجب نہ کرتے، محمد بن منکدر سید القراء تھے، ہم لوگ ان سے کوئی حدیث معلوم کرتے تو رونے لگتے تھے، میں ایک مدت تک ان کے یہاں آیا گیا ہوں اور ہمیشہ ان کو تین حالت میں سے کسی حالت میں پایا ہے، نماز میں مشغول رہتے، یا روزہ سے ہوتے یا تلاوت میں مصروف رہتے تھے، حدیث رسول باوضو بیان کرتے تھے، وہ عباد وزہاد میں سے تھے، میں ان کے یہاں جاتا تو تکیہ رکھ دیتے تھے۔ جب میں اپنے دل میں سختی اور غفلت پاتا ہوں تو محمد بن منکدر کو ایک نظر دیکھ لیتا ہوں، اور کئی دن تک میرا نفس نیک اثرات سے متاثر رہتا ہے، امام صاحب ہر ماہ کی پہلی رات کو پوری رات عبادت کرتے تھے، دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ آپ اس ماہ کا استقبال و افتتاح عبادت سے کر رہے ہیں، صاحبزادی فاطمہ بیان کرتی ہیں کہ امام صاحب ہر رات اپنا وظیفہ (نوافل وغیرہ) پورا کرتے تھے اور جمعہ کی رات میں پوری رات عبادت میں مشغول رہتے تھے

مغیرہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رات گئے میں امام صاحب کے پاس سے گذر رہا تھا۔ وہ الحمد للہ کے بعد سورۃ الہاکم التکاثر پڑھ رہے تھے، میں ٹھہر گیا، امام صاحب جب لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ پر پہونچے تو دیر تک روتے رہے، اور یہی آیت دہراتے رہے، ان کا یہ حال دیکھکر میں وہیں رہ گیا، صبح ہوتے ہوتے رکوع کیا، میں وضو کرکے مسجد میں گیا، دیکھا کہ امام صاحب اسی حال میں ہیں، اور ان کے چہرے پر نور چمک رہا ہے۔

امام صاحب نوافل میں طویل رکوع وسجود کرتے تھے، کوڑے کی سزا کے بعد لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ہلکی نماز پڑھیں، فرمایا کہ بندے کو چاہئے کہ اللہ کے لئے جو عمل کرے اچھی طرح کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا،

امام صاحب کے اخفائے حال کا یہ عالم تھا کہ اپنے رومال کو تہ کرکے رکھتے تھے اور نماز کے وقت اس پر سجدہ کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ میں ایسا اس لئے کرتا ہوں کہ

میری پیشانی پر سجدے کا نشان نہ پڑے جس کو دیکھ کر لوگ سمجھیں کہ میں قیام لیل کرتا ہوں،

فرماتے تھے کہ اگر مجھے معلوم ہوجاتے کہ میرے قلب کی اصلاح گھور پر بیٹھنے سے ہوجائے گی تو میں اس پر جاکر ضرور بیٹھوں گا، امام صاحب نفل عبادت تنہائی میں کرتے تھے تاکہ کوئی نہ دیکھ سکے اور ان کی بزرگی کا شہرہ نہ ہو، [1]

ذاتی اوصاف اخلاق اور عادات

امام مالک ان تمام اوصاف جمیلہ اور اخلاق حمیدہ کے جامع تھے جو صحابہ اور تابعین میں موجود تھے، اور جن کے حاملین کی ذات اسلامی تعلیمات کا اسوہ اور نمونہ تھی، امام صاحب کے مکان واقع وادی عقیق کے دروازے پر مَا شَاءَ اللهُ لکھا تھا، بعض لوگوں نے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے بتایا کہ قرآن حکیم میں ایک واقعہ کے ضمن میں ہے کہ

ولولا اذ دخلت جنتك قلت	جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو
ما شاء الله	ماشاء اللہ کیوں نہیں کہا،

اور باغ بھی گھر ہی ہے۔

دوسرا مکان مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تھا، جس میں کرایہ پر قیام پذیر تھے، ایک مرتبہ خلیفہ مہدی نے آپ سے ذاتی مکان کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ اِنَّ نسب المرء دَارہ یعنی آدمی کا نسب اس کا مکان ہے، حضرت ابن مسعود کے مکان کی نسبت کافی ہے، آپ کا مکان نہایت صاف ستھرا، سجا سجایا رہتا تھا، عمدہ عمدہ گدے تکیے اور فرش رکھے اور بچھے رہتے تھے، آپ کا

---

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۸۱ وغیرہ

کاشانہ شاہانہ دربار معلوم ہوتا تھا، کپڑے نہایت نفیس اور قیمتی ہوتے تھے، فرماتے تھے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تحدیثِ نعمت اور اس کا عملی شکریہ ہے، ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ آپ کے گھر میں تصویر ہے، امام صاحب نے کہا کہ اب تک میں نے اس کو نہیں دیکھا ہے، پھر مخاطب سے کہا کہ تم اس کو مٹا دو،

مدینہ منورہ میں سواری پر کبھی نہیں چلتے تھے، کہتے تھے کہ جس سرزمین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفن ہیں اور جس خاک پر آپ چلے پھرے ہیں۔ اس پر سواری کرنا ادب کے خلاف ہے،

امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ امام صاحب کے دروازے پر عمدہ عمدہ خراسانی گھوڑے اور مصری خچر دیکھے، میں نے ان کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ سب تم کو ہبہ کرتا ہوں، میں نے کہا کہ کم از کم ایک رکھ لیں، اس پر کہا کہ

انا استحی من اللہ ان أطأ تربة نبی اللہ بحافر دابة | مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کے رسولؐ کی سرزمین کو چوپایہ کے پیرے روندوں،

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کے باہر سواری کرتے تھے، ابوالسمح کا بیان ہے کہ میں نے امام صاحب کو ایک عمدہ خچر پر سوار دیکھا ہے، جس پر نہایت نفیس زین تھی، اس کے اوپر کپڑا تھا، خادم پیچھے پیچھے چل رہا تھا، اسی حال میں وادیٔ عقیق والے مکان کے دروازہ تک گئے۔ خورد و نوش کا انتظام نہایت اعلیٰ تھا، امام صاحب کے بھانجے اسمٰعیل بن ابواویس کہتے ہیں کہ روزانہ دوؔ درہم کا گوشت خریدا جاتا تھا، اس میں ناغہ نہیں ہوتا تھا، اس کے لئے بعض اوقات سامانِ تجارت فروخت کرنا پڑتا تھا، اپنے باورچی سلمہ کو حکم دیتے تھے کہ جمعہ کے دن کھانا زیادہ تیار کرے، مشروبات میں گرمی کے ایام میں شکر اور جاڑوں میں شہد استعمال کرتے تھے،

امام صاحب کو کیلا بہت مرغوب تھا، کہتے تھے کہ اس پھل پر نہ مکھی بیٹھتی ہے، نہ گندا

ہاتھ لگتا ہے، جنت کے پھلوں کے مشابہ ہے، سردی گرمی ہر موسم میں ملتا ہے، یہ جنت کے پھل کی خصوصیت ہے یعنی اکلھا دائم، بال بچوں اور گھر والوں کے ساتھ بہترین اخلاق سے پیش آتے تھے، کہا کرتے تھے کہ اس میں تمہارے رب کی مرضی، تمہارے مال میں زیادتی اور تمہاری عمر میں درازی ہے، جیسا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کی روایت سے معلوم ہوا ہے،

کثیر الصمت اور قلیل الکلام تھے، کھل کر نہیں ہنستے تھے، بلکہ مسکراتے تھے۔ امام صاحب کے پاس چار سو دینار تھے، اسی سے تجارتی کاربار کرتے تھے، اور اسی کی آمدنی سے تمام ضروریات زندگی پوری کرتے تھے، ایک مرتبہ تین ہزار دینار پیش کئے گئے تو قبول نہیں کیا، نہ مکان بنوایا اور نہ تجارت میں لگایا، معلوم ہو چکا ہے کہ امام صاحب کے والد نبال یعنی نیزہ گر تھے، اور ان کا یہی ذریعۂ معاش تھا۔ اور امام صاحب کے بھائی نظر بن انس بزاز تھے امام صاحب بھی ابتدائی دور میں ان کے ساتھ اسی تجارت میں شریک رہتے تھے۔

امام صاحب عقل و فہم میں بچپن ہی سے مشہور تھے۔ ان کے ابتدائی استاذ ربیعہ رائی جب ان کو آتا ہوا دیکھتے تو کہتے کہ عاقل آگیا۔ ابن مہدی کہتے ہیں کہ میں نے مالک سفیان، شعبہ اور ابن مبارک میں مالک کو سب سے زیادہ عقلمند پایا ہے۔ میری آنکھوں نے ان سے زیادہ بارعب، عقلمند، متقی اور عالی دماغ کسی کو نہیں دیکھا، ابن وہب کہتے ہیں کہ ہم نے امام مالک سے علم سے زیادہ ادب سیکھا ہے، خود امام صاحب کا قول ہے کہ میں کبھی کسی سفیہ اور گرے پڑے انسان کے ساتھ نہیں بیٹھتا ہوں،

یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی امام صاحب سے تحصیل علم کے بعد ایک سال ان کی خدمت میں رہ کر اسلامی آداب سیکھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے امام مالک کے عادات و شمائل سیکھنے کے لئے قیام کیا کیونکہ یہ صحابہ اور تابعین کے اخلاق و

شمائل ہیں، اسی لئے امام صاحب کو عاقل کہا جاتا تھا۔[۱]

حق گوئی و بے باکی

حق گوئی و بے باکی علمائے اسلام کے امتیازات میں سے ہے۔ امام صاحب اس وصف میں بھی سلف صالحین کی روش اختیار کرتے تھے، چند واقعات پہلے گذر چکے ہیں۔ آپ خلفاء و امراء سے ملتے تھے اور ان کے سامنے نہایت جرأت کے ساتھ حق بات کہتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے امام صاحب سے کہا کہ آپ ظالم و جابر حکمرانوں کے یہاں آتے جاتے ہیں امام صاحب نے ان سے کہا کہ

یرحمك الله، فاین التکلم بالحق[۲] ان کے یہاں نہیں تو کہاں حق بات کہی جائے گی؟

امام صاحب کہتے ہیں کہ میں خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس بارہا گیا ہوں مگر میں نے کبھی اس کے ہاتھ کو بوسہ نہیں دیا، حالانکہ کوئی ہاشمی اور غیر ہاشمی ایسا نہیں تھا جو اس کے ہاتھ کو بوسہ نہ دے۔[۳]

۱۵۰ھ میں ابوجعفر منصور ہمارے یہاں مدینہ میں آیا، میں ملنے کے لئے گیا تو اس نے کہا کہ مالک! آپ کے بال بہت زیادہ سفید ہوگئے ہیں، میں نے کہا کہ امیرالمومنین! جس کی عمر زیادہ ہوتی ہے، اس کے بال میں سفیدی زیادہ ہوجاتی ہے، پھر اس نے کہا کہ مالک! آپ صحابہ میں سے حضرت ابن عمرؓ کے قول پر اعتماد کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا کہ امیرالمؤمنین! وہ آخری صحابی تھے جو ہمارے یہاں زندہ رہے بوقتِ ضرورت لوگ ان سے دینی سوالات کرتے تھے، اور ان کے قول پر عمل کرتے تھے، ابوجعفر منصور نے یہ سُن کر کہا کہ مالک! کوئی بات نہیں ہے، آپ کے پاس حق ہے،

---

[۱] ترتیب المدارک ج ۱ ص ــ ، [۲] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص۳۰ ، [۳] ایضاً ص۲۵

امام صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابو جعفر منصور نے مجھ سے پوچھا کہ کیا روئے زمین پر کوئی شخص آپ سے بڑا عالم ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں، اس نے کہا کہ آپ مجھے ان کے نام بتلائیے، میں نے کہا کہ مجھے ان کے نام یاد نہیں ہیں، اُسکے بعد اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے علم (مؤطا) کو رائج کروں اور لشکر کے امراء اور شہروں کے قضاۃ کو لکھوں کہ اس کو سیکھیں اور رائج کریں، اور جو اس کی مخالفت کرے اس کی گردن ماردوں، میں نے کہا امیر المؤمنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے اسوہ تھے، آپ غزوات وجہاد کیلئے لشکر روانہ فرماتے تھے، اور آپؐ کی حیات میں بہت سے ملک فتح نہیں ہوئے۔ آپؐ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ خدمت انجام دی، اب بھی بہت سے ملک فتح نہ ہوسکے، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے ہاتھوں بہت سے ملک فتح ہوئے، اور انھوں نے حضرات صحابہ کو مفتوحہ ممالک میں معلّم بنا کر بھیجا، ان حضرات سے دین کا علم حاصل کیا جاتا رہا، حتیٰ کہ آج بھی سلسلہ جاری ہے، اگر آپ ان صحابہ کے تلامذہ در تلامذہ میں میرے ہی علم کی ترویج واشاعت کریں گے تو ان کے یہاں کے اقوال وعلوم کے مقابلہ میں یہ علم غیر متعارف معلوم ہوگا۔ اس صورت میں فتنہ برپا ہوگا، اس لئے ہر شہر کے لوگوں کو ان کے یہاں کے علم پر رہنے دیں، آپ خود میرے علم پر عمل کریں، یہ سن کر ابو جعفر نے کہا کہ کتنی دور اندیشی کی بات ہے، آپ میرے لڑکے محمد مہدی کے لئے یہ علم (مؤطا) لکھدیں۔

حسین بن عروہ کہتے ہیں کہ ہارون رشید حج کے موقع پر مدینہ آیا اور امام صاحب کی خدمت میں پانچ سو دینار کی ایک تھیلی بھیجی، جب حج سے فارغ ہوکر دوبارہ مدینہ آیا تو امام صاحب کے پاس پیغام بھیجا کہ امیر المؤمنین کی خواہش ہے کہ مالک بغداد تک اسکے ہمسفر رہیں، امام صاحب نے اس کے جواب میں قاصد سے کہا کہ تم جاکر کہدو کہ وہ تھیلی

مہر بند رکھی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وَالْمَدِیْنَۃُ خَیْرٌ لَّھُمْ لَوْکَانُوْا یَعْلَمُوْنَ یعنی مدینہ لوگوں کے حق میں بہتر ہے اگر وہ اس کو جانیں۔
یہ جواب سن کر ہارون رشید اپنے ارادہ سے باز آگیا[۱]

امام صاحب کے حاسدوں نے ایک مرتبہ ابوجعفر منصور کے پاس جاکر کہا کہ مالک آپ لوگوں کی بیعت کو جائز نہیں سمجھتے ہیں اور عباسی خلافت کے منکر ہیں، یہ سُنکر ابوجعفر منصور غضبناک ہوا اور امام صاحب کے کپڑے اتروا کر کوڑے مارے، اس میں آپ کا ہاتھ اکھڑ گیا اور بڑی زیادتی کی، مگر اس سے آپ کی عظمت میں اضافہ ہی ہوا یہ کوڑے آپ کے لئے گویا زیور بن گئے، اور عوام و خواص میں آپ کی مقبولیت بڑھتی گئی۔[۲]

امام مالک ائمہ حدیث وفقہ اور معاصرین کی نظر میں

سفیان بن عیینہ اور عبدالرزاق صنعانی کا قول ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

یوشك ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلا یجدون عالمًا اعلم من عالم المدینۃ	عن عنقریب لوگ طلب علم کیلئے سواریوں پر سفر کریں گے اور مدینہ کے عالم سے بڑا عالم نہیں پائیں گے،

ہمارے نزدیک اس عالِم مدینہ کے مصداق امام مالک ہیں،

ائمہ حدیث کے نزدیک مالک، عن نافع، عن ابن عمر کی سند سلسلۃ الذہب یعنی سنہری کڑی ہے۔ جس میں کھوٹ نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم ختم ہوگیا

---

[۱] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص۲۹ و ص۳۰، [۲] ابن خلکان ص۱۱ ج۲،

ہوتا جب حدیث واثر کی بات ہو تو مالک نجم ہیں، جب کسی حدیث کے بعض اجزاء میں شک ہوجاتا تھا تو پوری حدیث چھوڑ دیتے تھے،

امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ مالک حدیث میں اثبت الناس تھے، مالک سے جس شخص نے روایت کی ہے، خصوصاً اہل مدینہ اس کے بارے میں جرح وتعدیل کا سوال نہ کرو،

بشر بن عمر زہرانی نے ایک راوی کے بارے میں امام صاحب سے سوال کیا، آپ نے کہا کہ تم نے میری کتاب میں اس کا نام دیکھا ہے؟ اگر وہ ثقہ ہوتا تو تم اس کا نام میری کتابوں میں ضرور دیکھتے، ابن لہیعہ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں مصر میں بکر بن سوادہ آئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ اہل حجاز کے لئے آپ نے کس عالم کو چھوڑا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ ذو اصبح کے لڑکے یعنی مالک بن انس کو، یحیٰی بن حیان بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ وہیب کے پاس تھے، انھوں نے ایک حدیث عن ابن جریج و مالك بن انس، عن عبد الرحمٰن بن القاسم کی سند سے بیان کی، میں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس سند میں ابن جریج کا نام لکھو، مالک کا نام چھوڑ دو، کیونکہ وہ بقید حیات ہیں، میری یہ بات وہیب نے سُن لی اور کہا کہ تم کہتے ہو کہ مالک کو چھوڑ دو، ہمارے نزدیک مشرق ومغرب میں اس حدیث کے بارے میں مالک سے زیادہ کوئی قابلِ اطمینان ومامون نہیں ہے، مالک کے سامنے عرض یعنی پڑھا دوسکر کے سماع سے زیادہ بہتر ہے۔

احمد بن حنبل سے حرب بن اسمٰعیل نے سوال کیا کہ ابن شہاب کے بارے میں مالک بن انس بہتر ہیں، یا سفیان بن عیینہ؟ کہا کہ مالک کی حدیث زیادہ صحیح ہے، حرب بن اسمٰعیل نے کہا اور معمر؟ تو کہا کہ انھوں نے ابن شہاب سے بہت زیادہ احادیث کی روایت کی ہے۔ [1]

---

[1] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص۱۳ تا ص۲۳، تہذیب التہذیب ج ۱ ص۶ تا ص۸،

امام ذہبی نے لکھا ہے کہ امام مالک کے چند ایسے مناقب ہیں جو دوسرے میں نہیں پائے جاتے ہیں (۱) طولِ عمر اور عُلوِ روایت (۲) ذہن کی تیزی اور علم کی وسعت (۳) ان کے حجت اور صحیح الروایۃ ہونے پر ائمہ کا اتفاق (۴) ان کی دینداری، عدالت اور اتباع سنّت پر اہل علم کا اتفاق (۵) فقہ و فتویٰ اور اس کے اصول کی صحت[1]

خوش طبعی اور زندہ دلی

امام صاحب بڑے رعب داب کے آدمی تھے، ان کے سامنے کسی کو بات کرنے کی مجال نہیں ہوتی تھی، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ زاہد خشک تھے، بلکہ حسب موقع ظرافت و خوش طبعی کا مظاہرہ بھی کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ابن سرجون شاعر نے امام صاحب کو اپنے اشعار سنانے کی پیش کش کی۔ امام صاحب نے یہ سوچ کر سننے سے انکار کر دیا کہ ہجویہ اشعار ہوں گے، مگر ابن سرجون نے اصرار کیا تو آپ نے سُنا، وہ اشعار یہ ہیں۔

سلوا مالك المفتی عن الهویٰ والغناء ※ وحُبّ الحسان المعجبات العوارك

مفتی مالک سے الفت، جوانی اور حسینوں سے محبّت کرنے کے بارے میں سوال کرو،

فیفتیکم انّی مصیبٌ وانّما ※ أسلّی هموم النفس عنّی بذالك

وہ فتویٰ دیں گے کہ میں خطا کار نہیں ہوں، میں تو صرف اس سے غم دور کرتا ہوں۔

فهل فی مُحِبٍّ یکتم الحبّ والهویٰ ※ اثامٌ، وهل فی ضمة المتهالك،

جو عاشق محبت کو چھپاتا ہے کیا وہ گنہ گار ہے: اور کیا وہ برباد ہو رہا ہے؟

یہ اشعار سن کر امام صاحب بے ساختہ ہنس پڑے، حالانکہ کھل کر بہت کم ہنستے تھے۔
محمد بن فضل مکّی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام صاحب نے ایک مغنّیہ کو یہ اشعار گاتے ہوئے سُنے

---

[1] تذکرۃ الحفّاظ ج ۱ ص ۱۹۸،

اَنت اُختی، وانت حُرمة جَاری — وحقیق علیّ حفظ الجوار

تم میری بہن ہو اور تم میرے پڑوس کی آبرو ہو، اور میرے لئے حق جوار کی حفاظت ضروری ہے

انا للجار۔ مَا تغیبُ عَنیّ۔ — حافظ للمغیب فی الاسرار

جب تک پڑوسی غائب رہے میں اس کا محافظ ہوں اور اسکے پس غیبت اسکے معاملات کا نگراں ہوں

ماابالی اکان بالباب ستر — مسبلٌ ام بقی بغیر استار

میرے پڑوسی کے مکان کے دروازے پر پردہ ہو یا نہ ہو، بہرحال میں اس کا محافظ و نگراں ہوں

امام صاحب نے ان اشعار کو سن کر کہا کہ اگر ان کو کعبہ کے آس پاس سنایا جائے تو جائز ہے، تم لوگ اپنے جوانوں کو اس قسم کے اشعار یاد کراؤ، ابو حازم نے کہا ہے کہ زمانۂ جاہلیت والے تم سے اچھے پڑوسی تھے ان کے ایک شاعر نے کہا ہے۔

ناری و نار الجار واحدة — والیہ قبلی تُنزل القدرُ

میری آگ اور پڑوسی کی آگ ایک ہے اور مجھ سے پہلے اس کے یہاں دیگ اتارے جاتے ہیں،

ما ضرّ جارٌ لی انیّ اجاوره — ان لایکون لبابه سترُ،

میں جس پڑوسی کے پڑوس میں رہتا ہوں اس کے دروازے پر پردہ نہ ہونے سے کوئی حرج نہیں ہے

اعمی اذا ما جارتی برزت — حتی یواری جارتی الخدرُ

جب میری پڑوسن نکلتی ہے تو میں اندھا بن جاتا ہوں یہاں تک کہ وہ پردے میں چھپ جاتی ہے

اس قسم کے اشعار سننے سنانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے،

بھانجے ابن ابی اویس کہتے ہیں کہ میں امام صاحب کے ساتھ چل رہا تھا، اور میری خادمہ پانی کا برتن سر پر اٹھائے ہوئے کہہ رہی تھی،

لیتنی ارض سلمی — فتطانی قدماها

اے کاش! میں سلمیٰ کی زمین ہوتا، — اور اپنے قدموں سے مجھے روندتی

لیتنی درع سلمی — ترتدینی من وراها

اے کاش! میں سلمیٰ کی چولی ہوتا اور وہ مجھے پہنکر اوپر سے چادر اوڑھاتی۔

لیتنی خادم سلمیٰ   قاعدٌ حیث یراھا

اے کاش! میں سلمیٰ کا خادم ہوتا جوایسی جگہ بیٹھتا جہاں سے اس کو دیکھتا رہتا۔

امام صاحب نے ان اشعار کو سن کر فرمایا کہ اسمٰعیل! یہ مرد ہے یا عورت؟ میں نے کہا کہ یہ بنی عمارہ کی خادمہ عزال ہے۔ آپ نے کہا بہت فصیح و بلیغ ہے اور حسن ادب رکھتی ہے،

امام صاحب نے ایک جوان کو دیکھا جو اکڑ کر چل رہا تھا، امام صاحبؒ اس کے پہلو میں جاکر اسی طرح چلنے لگے، اور اس جوان سے پوچھا کہ یہ میری چال اچھی ہے؟ اس نے کہا کہ یہ چال ٹھیک نہیں ہے، امام صاحب نے کہا کہ تب تم کیوں اسطرح چلتے ہو، یہ سن کر جوان نے اپنی چال درست کرلی،

ابن مہدی نے ایک مرتبہ امام صاحب سے کہا کہ مجھے یہاں مدینہ میں رہتے ہوئے بہت دن ہوگئے ہیں، معلوم نہیں میرے گھر والوں پر کیا گذر رہی ہے؟ امام صاحبؒ نے مسکرا کر فرمایا کہ بھتیجے! میرے بال بچّے مجھ سے قریب ہیں مگر مجھے خبر نہیں کہ ان پر کیا گذر رہی ہے؟

ابن ابو مریم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے امام صاحب نے پوچھا مصری! تمہارے یہاں مسجد میں دربان ہوتے ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں ہوتے ہیں، کہا کہ تب یہ مسجد نہیں جیل خانہ ہے،

امام صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن شہاب زہری مدینہ آئے، میں ان کی ملاقات کے لئے صبح بہت سویرے گیا، وہ مسجد کی طرف جارہے تھے، راستہ میں ملاقات ہوگئی، اس وقت ان کے ساتھ ان کا غلام انس تھا، جس کی شادی ابن شہاب نے اپنی باندی سے کردی تھی، ابن شہاب نے ان سے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو کیسا پایا، انس نے جواب دیا کہ آقا! میں نے اس کو جنت پایا ہے،

ابن شہاب نے یہ جملہ سن کر کہا الحمد للہ، اور میں انس کی بات کا مطلب سمجھ کر ہنس پڑا، ابن شہاب نے مجھ سے ہنسنے کی وجہ دریافت کی، میں نے بتایا کہ غلام کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بیوی اس کی موافقت نہیں کر رہی ہے، جنت میں وسعت اور ٹھنڈک ہے۔ ابن شہاب نے انس سے پوچھا کہ کیا ایسی بات ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں بالکل یہی معاملہ ہے، ابن شہاب میری بات پر بہت دیر تک ہنستے رہے۔

بعض معاصرین کے بارے میں کلام

امام صاحب حدیث کے رجال و رُواۃ کے بارے میں بڑا وسیع و معتبر علم رکھتے تھے، اور ان کی جرح اور تعدیل میں اپنی رائے برملا ظاہر کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں بعض ائمۂ علم کے بارے میں ان کے ایسے اقوال ملتے ہیں جن میں فتنۂ معاصرت کی جھلک پائی جاتی ہے، مثلاً ان کے شاگرد محمد بن فلیح کا بیان ہے کہ امام صاحب نے مجھے قریش کے دو شیوخ سے روایت کرنے کی ممانعت کی، اور خود مؤطا میں ان سے متعدد روایات لی ہیں اور وہ دونوں شیوخ حجت ہیں، اس روایت کو ابراہیم بن منذر نے نقل کر کے کہا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے بارے میں کلام کرنے سے بہت لوگ نہیں بچ سکے ہیں۔ جیسے امام شعبی کے بارے میں ابراہیم نخعی کا قول، اور خود امام شعبی کا قول عکرمہ کے بارے میں ہے۔ اس قسم کے معاصرانہ اقوال پر اہل علم نے توجہ نہیں دی ہے، اور ان سے عدالت ساقط نہیں ہوتی ہے اِلّا یہ کہ ان کے ساتھ حجت ہو، جرح مبہم کا اعتبار نہیں ہے[۲]

امام مالکؒ اور ابن اسحٰق

اسی طرح امام مالک نے ایک مرتبہ مدینہ کے مشہور محدث اور امام المغازی محمد بن اسحاق کے

---

[۱] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۲۳۳ تا ۲۳۵ ، [۲] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۱ ،

بارے میں کلام کیا، اس کے متعلق ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ یہ قول مقبول ومعتبر نہیں ہے۔

وکذٰلك کلام مالك فی محمد بن اسحٰق شیئٌ بلغه عنه تکلّم به فی نسبه وعلمه، ۱

اسی طرح امام مالکؒ کا قول محمد بن اسحٰق کے بارے میں ہے کہ ان کو ابن اسحٰق کی طرف سے کوئی بات پہنچی جو ان کے نسب اور علم سے متعلق تھی۔

⁂ ⁂ ⁂

ابن ادریس کا بیان ہے کہ میں امام صاحب کی خدمت میں موجود تھا ایک شخص نے کہا کہ ابو عبداللہ! میں ملک رے میں وزیر ابو عبید اللہ کی مجلس میں تھا، وہاں محمد بن اسحاق بھی تھے، باتوں بات میں انھوں نے کہا کہ میرے سامنے مالک کا علم (موطا) پیش کرو، میں اس کا طبیب ہوں، یہ جملہ سن کر امام صاحب نے کہا کہ وہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔ کہتا ہے کہ میرے سامنے لاؤ، ایک روایت میں ہے کہ امام صاحب نے کہا وہ دجالوں میں سے ایک دجّال ہے جس کو ہم نے شہر مدینہ سے نکال دیا ہے،

ابن حبّان نے کہا ہے کہ یہ بات امام صاحب نے ایک مرتبہ کہی تھی، پھر انھوں نے ابن اسحاق کے ساتھ انصاف سے کام لیا، نیز امام صاحب نے حدیث میں ابن اسحٰق پر کلام نہیں کیا تھا بلکہ وہ ان کی اس بات سے انکار کرتے تھے کہ وہ ان نومسلم یہودیوں کی اولاد سے جو غزوہ خیبر وغیرہ کے واقعات یاد رکھتے تھے، غزوات نبوی کے سلسلہ میں روایات لیتے تھے۔ حالانکہ ابن اسحٰق ایسی روایت کو حجّت نہیں مانتے تھے، اور امام مالک کا حال شدت روایت میں یہ تھا کہ صرف ثقہ ومتقن کی روایت جائز سمجھتے تھے

۱ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۵۶،

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام مالک کا یہ قول ابن اسحٰق کے بارے میں اس وجہ سے ہے کہ ان کی طرف تشیع اور قدریت کی نسبت کی جاتی ہے، جہاں تک ان کے حفظ و صدق کا تعلق ہے وہ صدوق و حافظ حدیث تھے۔ ابن شہاب زہری نے ان کی تعریف کی ہے، اور شعبہ، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ اور ائمہ دین کی ایک جماعت نے ان کی توثیق کی ہے، ایک روایت یہ ہے کہ امام صاحب نے ابن اسحٰق کے بارے میں ہشام بن عروہ کی تقلید میں یہ بات کہی ہے، یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ ابن اسحٰق امام صاحب کے بارے میں کہتے تھے کہ وہ قریش کے قبیلہ بنو تیم کے مولیٰ ہیں امام صاحب نے اس بات کی تکذیب کی ہے [1] بات معاصرانہ اور وقتی تھی مگر بعد کے اہل علم نے اس کو بہت اہمیت دیدی، دونوں بزرگوں کے دل میں جو باتیں نہیں تھیں، وہ سب بیان کی گئیں، اور خواہ مخواہ موضوع بحث بن کر کتابوں میں اچھی خاصی جگہ پا گئیں،

حکیمانہ اقوال

بڑے لوگوں کے اقوال ان کی تجرباتی زندگی کے آئینہ دار اور دوسروں کے لئے راہنما ہوتے ہیں، ان کی بظاہر معمولی باتیں بڑے کام کی ہوتی ہیں، اور ان پر عمل کرکے اپنی زندگی سنواری جاتی ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے حکیمانہ اقوال کتابوں میں کثرت سے ملتے ہیں۔ چند مقولے درج کئے جاتے ہیں۔

اہل علم کی کئی قسمیں ہیں (۱) جو عالم اپنے علم پر عمل کرتا ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماءُ (۲) جو عالم علم حاصل کرکے دوسروں کو نہ سکھائے، اس کے متعلق فرمانِ خداوندی ہے الذین یکتمون ما انزلنا من البیّناتِ وَالھُدیٰ (۳) جو عالم علم حاصل کرکے دوسروں کو سکھاتا ہے، مگر خود اس پر عمل نہیں کرتا ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اِنَّ ھُمْ

---

[1] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص۱۹ و ص۲۰، جامع بیان العلم ج۲ ص۱۵۶، تہذیب التہذیب ج۹ ص۴۱ و ص۴۲

اِلَّا كَالْاَنْعَامِ،

زبیری کہتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے کہا کہ جب میں لوگوں کو امر بالمعروف کرتا ہوں تو ان میں سے کچھ لوگ میری بات مان لیتے ہیں، اور کچھ لوگ مجھے تکلیف دیتے ہیں، میری برائی کرتے ہیں، اور میرے ساتھ سختی سے پیش آتے ہیں، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیئے؟ امام صاحب نے کہا کہ اگر تم کو ڈر ہے اور تم سمجھتے ہو کہ لوگ تمہاری بات نہیں مانیں گے تو ان کو چھوڑ دو، اور دل میں ان کی برائی سے بیزاری رکھو، اس میں تمہارے لئے گنجائش ہے، اور جس شخص سے تم کو گزند کا خطرہ نہ ہو اس کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو، اور اس کو حکم خداوندی پر عمل سمجھ کر کرو، ایسی صورت میں تم خیر ہی دیکھو گے، خاص طور سے جب تم میں اس معاملہ میں نرمی ہو، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون کو حکم دیا تھا کہ فرعون سے نرم بات کریں، ایسی صورت میں سننے والا تمہاری بات پر دھیان دے گا اور اس کو قبول کرے گا۔

● باطل سے قربت میں ہلاکت ہے، باطل بات میں حق سے دوری ہے، دین اور شرافت میں خرابی کے بعد ملنے والی دنیا میں خیر نہیں ہے۔ اگرچہ کتنی ہی زیادہ ہو،[1]

● مجھے معلوم ہوا ہے کہ قیامت میں جن باتوں کا سوال انبیاء علیہ السلام سے کیا جائے گا، ان ہی باتوں کا سوال علماء سے کیا جائے گا،

● منافقوں کی مثال مسجد میں ایسی ہی ہے جیسے چڑیا پنجرے میں ہو کہ جوں ہی اس کا دروازہ کھلا چڑیا اڑ گئی،

● علم دین کثرت روایت سے نہیں آتا ہے، بلکہ وہ نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ دل میں ڈال دیتا ہے، تحصیل علم بہت خوب ہے، البتہ تم دیکھو کہ اس بارے میں صبح سے شام تک کیا کرنا ہے، اس کو اختیار کرو۔

---

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۱۸۷ و ص ۱۹۰،

● ایک مرتبہ امام صاحب نے مطرف سے پوچھا کہ میرے بارے میں لوگ کیا کہتے ہیں؟ مطرف نے بتایا کہ دوست تعریف کرتے ہیں اور دشمن برائی کرتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا کہ لوگوں کا یہی حال ہے کہ دوست اور دشمن دونوں ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو لوگوں کی زبان درازی سے محفوظ رکھے،

● اس اُمّت کا آخری طبقہ اسی بات سے صلاح و فلاح پا سکتا ہے، جس سے اس کا پہلا طبقہ کامیاب ہوا ہے۔

● معاصی کی ابتدار، کبر، حسد اور کنجوس سے ہوتی ہے۔

● تم جس چیز سے چاہو کھلواڑ کرو، مگر اپنے دین سے کھلواڑ نہ کرو،

● اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے، اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس کے بارے میں بات کرنا بدعت ہے۔

● اگر تم کو دو باتوں میں شک اور تردد ہو تو جو بات تمہارے زیادہ موافق ہو، اسی کو اختیار کرو،

● تم علم سے پہلے حلم حاصل کرو،

● جو شخص اپنی باتوں میں سچائی اختیار کرے گا، اپنی عقل سے آخری عمر تک مستفید ہوتا رہے گا، اور دوسرے لوگوں کی طرح بڑھاپے میں اس کو نسیان اور بکواس سے نجات رہے گی،

● اللہ کا ادب قرآن میں ہے، اس کے رسُول کا ادب سنت اور حدیث میں ہے، اور صالحین کا ادب فقہ میں ہے۔ [1]

حلیہ اور لباس

امام صاحب کا رنگ سفید سرخی لئے ہوئے تھا، قد لمبا، سر بڑا، آنکھیں بڑی بڑی، نہایت وجیہہ اور حسین و شکیل تھے،

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص۱۹۷، طبقات کبریٰ شعرانی ج ۱ ص۴۵، ترتیب المدارک ج ۱ ص۱۸۸

داڑھی دراز، مونچھ مناسب، خضاب استعمال نہیں کرتے تھے، نہایت خوش پوش، خوش خور تھے، عدن، خراسان، مرو، اور طراز کے عمدہ کپڑے استعمال کرتے تھے، عام طور سے کپڑا سفید ہوتا تھا، کبھی ہلکا زرد رنگ کا بھی ہوتا تھا، انگوٹھی میں سیاہ نگ ہوتا تھا جس میں حَسْبُنَا اللّٰہُ نِعْمَ الْوَکِیْل کندہ تھا، عمدہ خوشبو اور عطریات استعمال کرتے تھے، عام طور سے خوشحالی کا اظہار کرتے تھے تاکہ علمی شان میں حرف نہ آئے، اور جب کوئی اس بارے میں کچھ کہتا تھا تو جواب دیتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی تحدیث اور اس کا اظہار ہے

تصانیف امام صاحب کے زمانہ میں حدیث و فقہ کی تدوین کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا، ۱۴۰ھ اور ۱۵۰ھ کے درمیان عالم اسلام کے بڑے شہروں میں علمائے اسلام نے فقہی ترتیب و تبویب پر کتابیں لکھیں، اس کے تقریباً تیس سال بعد امام صاحب کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی اس مدت میں بہت سے علماء نے کتابیں مدوّن و مرتب کیں جن میں امام صاحب نمایاں مقام رکھتے ہیں، آپ کی تصانیف میں کتاب الموطّا سنگ میل کا حکم رکھتی ہے۔

قاضی عیاض نے امام صاحب کی تصانیف میں ان کتابوں کی نشاندہی کی ہے۔
(۱) کتابُ المُوَطّا، (۲) رسالتُہ الی ابن وھب فِی القدر، (۳) کتابُ النجوم وحساب مدار الزمان ومنازل القمر، (۴) رسالۃ مالک فی الاقضیۃ، (۵) رسالتُہ الی ابی غسّان محمد بن مطرف فی الفتویٰ، (۶) رسالتُہ الی ھارون الرشید المشہورۃ فی الآداب والمواعظ، (۷) التفسیر لغریب القرآن (۸) کتابُ السر، (۹) رسالتُہ الی اللیث فی اجماع اھل المدینۃ، [1]

---

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۲۰۵، ۲۰۲، ۲۰۷، ملخص،

ابن ندیم نے صرف کتاب الموطا اور رسالہ الی ہارون الرشید کا ذکر کیا ہے[1]

موطا امام مالک موطا کے بارے میں امام شافعیؒ کا قول ہے۔

ما فی الارض کتاب من العلم اکثر صوابًا من موطا مالك.[2]	روئے زمین پر موطا سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس کتاب کو امام صاحب نے خلیفہ ہارون رشید کی گذارش پر لکھا ہے عتیق زبیری کا بیان ہے کہ امام صاحب نے تقریبًا دس ہزار احادیث سے منتخب کرکے موطا کو مرتب کیا ہے۔ اور سال بہ سال اس کی تحقیق و تنقیح کرتے رہے اس طرح اس میں کمی ہوتی رہی۔ اسی لئے یحیی بن سعید قطان کا قول ہے کہ لوگوں کا علم بڑھتا ہے مگر مالک کا علم کم ہوتا ہے، اگر وہ کچھ دنوں اور زندہ ہوتے تو ختم ہو جاتا، سلیمان بن بلال کہتے ہیں کہ ابتدا میں موطا میں چار ہزار یا اس سے زائد حدیثیں تھیں، مگر انتقال کے وقت ایک ہزار سے کچھ اوپر رہ گئیں امام صاحب سال بہ سال اس کی تلخیص کرتے رہے، مشرق و مغرب کے بے شمار اہل علم نے موطا کی روایت امام صاحب سے کی، اور بہت سے راویوں نے بعد میں روایت کی، اسلئے موطا کے بہت سے نسخے اور ان میں اختلافات پائے جاتے ہیں، قاضی عیاض نے اس کے ایسے نسخوں کی تعداد تقریبًا بیس بتائی ہے، اور بعض علماء نے تیس کہا ہے۔ ان میں کئی راویوں نے امام صاحب سے موطا کی روایت کرکے اس میں حسک اضافہ کیا اور اپنی دوسری مرویات کو داخل کرکے مستقل کتاب کی شکل دی، جیسے موطا امام محمد جو درحقیقت امام مالکؒ کی موطا ہے مگر ایک مستقل کتاب بن گئی ہے،

وفات ۱۷۹ھ امام صاحب زندگی کے آخری سالوں میں تقریبًا گوشہ نشین ہو گئے تھے، حتیٰ کہ جمعہ و جماعت کے لئے بھی باہر نہیں آتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہر شخص کھل کر اپنا عذر بیان نہیں کرسکتا ہے۔ اس کے باوجود آپ کی مقبولیت و مرجعیت میں کوئی فرق نہیں ہوا،[3]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے آخر میں بتایا کہ مجھے سلسل البول کا مرض ہو گیا ہے۔

---

[1] الفہرست ص۲۸۱، [2] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص۱۲، [3] تذکرۃ الحفاظ ج ص۱۹۶،

میں اس حالت میں مسجدِ نبوی میں جانا نہیں چاہتا کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم میں فرق آئے، اور میں نہیں چاہتا کہ اپنی بیماری کا تذکرہ کرکے اللہ سے شکوہ کروں، امام صاحب بائیس ۲۲ دن بیمار رہے، ۱۴ ربیع الاوّل ۱۷۹ھ کو شنبہ کے دن وفات ہوئی رحمہ اللہ تعالیٰ، ابن کنانہ اور ابن زبیر نے غسل دیا، صاحبزادے یحیی اور کاتب حبیب پانی ڈالتے تھے، وصیت کے مطابق سفید کپڑے کا کفن دیا گیا، اور امیر مدینہ عبدالعزیز بن محمد بن ابراہیم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ انتقال سے پہلے تشہد پڑھا اور یہ جملہ کہا **للہ الامر من قبل ومن بعد**، اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

امام صاحب کی وفات عالمِ اسلام کا حادثہ فاجعہ تھی، علماء نے تعزیتی کلمات کہے، آپ کی بلندی درجات کے خواب دیکھے، شعراء نے مرثیے کہے، اور جہاں جہاں خبر پہونچی رنج وغم کی فضا پیدا ہوئی، اسد بن خرات کا بیان ہے کہ ہم لوگ بغداد میں امام محمد بن حسن شیبانی کے حلقۂ درس میں تھے، ایک شخص افتاں وخیزاں ان کے پاس گیا، اس کے بعد امام محمدؒ نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھکر کہا۔

مصیبۃ ما اعظمہا، مَاتَ مَالِكُ بن انس،	کتنی بڑی مصیبت آپڑی، مالک بن انس وفات پاگئے،
مات امیرُ المؤمنین فی الحدیث،	حدیث کے امیر المؤمنین وفات پاگئے۔

جب مسجد میں یہ خبر پھیلی تو ہر طرف غم واندوہ کا منظر پیدا ہوگیا،

اولاد واحفاد

ابن حزم نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ کے دو لڑکے یحییٰ اور محمد تھے، اور دونوں محدثین کے نزدیک ضعیف تھے، ان کے ایک پوتے احمد بن یحییٰ بن مالکؒ تھے، اور تین چچا تھے، اویس، ابوسہل نافع اور ربیع یہ تینوں مالک بن ابو عامر نافع کے لڑکے تھے، [1]

---

[1] جمہرۃ انساب العرب ص ۴۳۶،

امام محمد بن ادریس شافعیؒ

نام ونسب امام ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف قرشی مطلبی ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ کا نسب نامہ یوں ہی ان کے تلمیذ رشید ربیع بن سلیمان مرادی نے امام صاحب سے نقل کیا ہے [1]۔

سائب بن عبید رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں گرفتار ہونے کے بعد اسلام لائے، بنی ہاشم کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ فدیہ ادا کر کے مسلمان ہوئے لوگوں نے اس پر تعجب کیا تو کہا کہ میں نے مسلمانوں کو انکے حق سے محروم کرنا پسند نہیں کیا ایک روایت کے مطابق وہ ظاہری شکل وصورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے، ایک مرتبہ سائب بن عبید بیمار پڑے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ انکی عیادت کو گئے شافع بن سائب نے اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مراہقت کے زمانہ میں شرفِ ملاقات پایا ہے، آپ نے انکو دیکھکر فرمایا من سعادۃ المرء ان یشبہ اباہ یعنی آدمی کی سعادت مندی ہے کہ باپ کے مشابہ ہو [2]

امام صاحب کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی

---

[1] تاریخ بغداد صفحہ ۵۶ ج ۲ ۔ [2] اصابہ ج ۳ صفحہ ۶۰ وصفحہ ۶۱ ابن خلکان ج ۲ صفحہ ۱۹ ، جمہرہ انساب العرب صفحہ ۴۳

بن ابوطالب ہے، مگر خطیب بغدادی اور قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ انکی والدہ قبیلہ بنواز د سے تھیں، جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ازد عرب کے عنصر ہیں [1]

ولادت اور بچپن

امام صاحب کا بیان ہے کہ میں ۱۵۰ھ میں ملک شام کے شہر غزہ میں پیدا ہوا، اور دو سال کی عمر میں مکہ لایا گیا یہی روایت زیادہ مشہور ہے، دوسری روایت میں ہے کہ میں عسقلان میں پیدا ہوا اور دو سال کا ہوا تو میری والدہ مجھے لے کر مکہ آئیں، ایک روایت یہ بھی ہے کہ میں یمن میں پیدا ہوا، والدہ کو خطرہ ہوا کہ کہیں میرا نسب یمن میں ضائع نہ ہو جائے اس لئے دس سال کی عمر میں مجھے مکہ لے آئیں امام صاحب کی والدہ کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں شافعی شکم مادر میں تھے میں نے خواب دیکھا کہ مشتری ستارہ میرے جسم سے نکلا اور مصر میں گرا جس کی روشنی ہر شہر میں پہنچی۔ معبّروں نے بتایا کہ انکے بطن سے ایک عالم پیدا ہوگا جس کا علم مصر سے تمام شہروں میں عام ہوگا [2]

امام صاحب یتیم تھے، ان کے والد کا انتقال ان کی پیدائش سے پہلے یا بعد میں جلد ہی ہوا اور انکی والدہ دو سال کی عمر میں ان کو مکہ لائیں۔

امام صاحب بیان کرتے ہیں کہ بچپن میں میری ساری توجہ دو باتوں کیطرف تھی، تیر اندازی اور تحصیل علم۔ تیر اندازی میں مجھے اتنی مہارت ہوگئی تھی کہ دس میں دس نشانہ صحیح بیٹھتا تھا، اسی زمانہ میں گھوڑے کی سواری کا شوق تھا۔

---

[1] تاریخ بغداد ج۲ ص۵۵ ترتیب المدارک ج۱ ص۳۸۲ - تہذیب التہذیب ج۹ ص۲۹ -

[2] تاریخ بغداد ج۲ ص۶ - تہذیب التہذیب ج ۹ ص۲۶ -

اور تیر اندازی و شہ سواری کے موضوع پر کتاب السبق والرمی لکھی، جو اپنے موضوع پر پہلی کتاب تھی لہ اسی کیساتھ تحصیل علم میں پورا انہماک رکھتے تھے اور یتیمی اور غربت کے باوجود رات دن پڑھنے میں مشغول رہتے تھے۔

تعلیم کی ابتدار امام صاحب نے مکہ مکرمہ میں مکتبی تعلیم کی ابتدار کی، اس کے بعد مدینہ منورہ میں علم حاصل کیا، مکہ ہی میں تیر اندازی، شہ سواری کے ساتھ مکتبی تعلیم کے بعد قبیلہ بنی ہذیل میں رہ کر عربیت اور اشعار عرب میں مہارت حاصل کی، اسی کے ساتھ اپنے چچا محمد بن شافع اور مسلم بن خالد زنجی وغیرہ سے حدیث کا سماع کیا۔

امام صاحب اپنی طالب علمی کا حال بیان کرتے ہیں کہ میں یتیم تھا، والدہ میری کفالت کرتی تھیں، میرے پاس معلم کی خدمت کے لئے رقم نہیں تھی، مگر ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ معلم اس کے بغیر پڑھانے پر راضی ہوگیا، وہ بچوں کو جو سبق دیتا تھا میں زبانی یاد کرلیتا تھا اور اس کی عدم موجودگی میں بچوں کو پڑھایا کرتا تھا، میری اس بات سے معلم بہت خوش ہوا اور مجھے مفت تعلیم دینے پر راضی ہوگیا۔

مکتب کی تعلیم کے بعد میں قبیلہ بنی ہذیل میں چلا گیا جو فصاحت و بلاغت میں عرب میں مشہور تھا اور سترہ سال تک اس طرح انکے ساتھ رہا کہ سفر و حضر میں ان کا ساتھ نہیں چھوٹا، اور مکہ واپس آکر انکے اشعار سنانے لگا۔ اس زمانہ میں عربی زبان و ادب اور شعر و شاعری کا میرے ذوق پر غلبہ تھا، اسی دوران میں اپنے چچا اور مسلم بن خالد زنجی وغیرہ سے حدیث کی روایت کرتا تھا، میں علمار کی مجلس درس میں احادیث اور مسائل سنکر یاد کرلیتا تھا، چونکہ والدہ کے پاس اتنے پیسے نہیں رہتے تھے کہ

لہ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۱

کاغذ خرید سکوں اس لئے اِدھر اُدھر سے ہڈیاں، ٹھیکرے اور کھجور کے پتے چن کر ان ہی پر لکھ لیا کرتا تھا سات سال کی عمر میں قرآن اس طرح یاد کر لیا تھا کہ اس کے تمام معانی اور مطالب مجھ پر عیاں ہو گئے تھے البتہ دو مقام سمجھ میں نہ آسکے، ان میں ایک "رسّاہا" ہے۔ اور دس سال کی عمر میں مؤطا امام مالک یاد کر لی تھی[1]

امام مالک کی مجلس درس میں

امام صاحب کے بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ انھوں نے مکہ مکرمہ میں مکتب کی تعلیم کے بعد حدیث وفقہ کی تعلیم وہاں کے فقہاء و محدثین سے حاصل کی، اس کے بعد شعر و ادب اور ایام عرب میں کمال حاصل کیا، جن دنوں وہ قبیلہ بنی ہذیل کے شعراء کے اشعار سنایا کرتے تھے، ایک بزرگ کی توجہ اور نصیحت سے مدینہ منورہ امام مالک کی خدمت میں پہنچے۔

بیان کرتے ہیں اس زمانہ میں آل زبیر کے ایک صاحب میرے پاس سے گذرے اور کہنے لگے کہ یہ بات مجھے بہت گراں گذر رہی ہے کہ تم اس فصاحت اور ذکاوت کے ہوتے ہوئے تفقہ سے محروم رہو اور تم کو دینی سیادت حاصل نہ ہو، میں نے کہا کہ تحصیل فقہ کے لئے کس کے پاس جاؤں؟ انھوں نے کہا کہ ھذا مالک سید المسلمین الیوم، اس کے بعد میں نے نو راتوں میں امام مالک کی کتاب مؤطا کو یاد کر لیا اور امیر مکہ سے ایک خط امام مالک کے نام اور ایک خط امیر مدینہ کے نام لیا اور مدینہ پہنچا، امیر مدینہ کو امیر مکہ کا خط دیکر کہا کہ آپ یہ خط کسی کے ذریعہ امام مالک تک پہنچا کر ان کو بلائیں اور میرے بارے میں سفارش کر دیں۔ امیر مدینہ نے کہا کہ کیا اچھا ہو کہ ہم خود ہی آپ کے ساتھ انکی خدمت میں حاضر ہوں اور ان کے

---

[1] تاریخ بغداد ج ۲ صہ ۵۹، ۶۰، ترتیب المدارک ج ۱ صہ ۳۸۳، تہذیب التہذیب ج ۹ صہ ۲۷

دروازے پر اتنی دیر بیٹھیں کہ وادیٔ عقیق کا گرد وغبار ہم پر پڑے، پھر اندر جانے کی اجازت ملے، بہرحال عصر کے بعد امیر مدینہ اپنے حشم وخدم کو لے کر نکلا، میں بھی ساتھ تھا ہم سب وادیٔ عقیق میں پہنچے جہاں امام صاحب کا مکان تھا، اور اجازت چاہی، اندر سے باندی نے کہا کہ شیخ کہتے ہیں کہ اگر آپ کو مسائل معلوم کرنے ہیں تو ایک کاغذ پر لکھکر بھیجدیں میں جواب دیدوں گا۔ امیر مدینہ نے کہا کہ ایک ضرورت کے سلسلہ میں امیر مکہ نے خط لکھا ہے، باندی یہ سنکر اندر چلی گئی، تھوڑی دیر کے بعد امام مالک خود باہر آئے، اور امیر مدینہ نے امیر مکہ کا خط دیا، امام نے خط لے کر پڑھنا شروع کیا اور جب سفارشی عبارت پر پہنچے تو کہا:

یا سبحان اللہ! وصار علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوخذ بالوسائل؟	سبحان اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم وسیلوں اور سفارشوں سے حاصل کیا جانے لگا ہے۔

میں نے دیکھا کہ امیر مدینہ امام صاحب سے بات کرتے ہوئے گھبرا رہا ہے تو خود آگے بڑھ کر کہا کہ میں مطلبی آدمی ہوں اور میرا واقعہ یہ ہے، امام صاحب نے میری باتیں سنکر تھوڑی دیر میری طرف دیکھا اور نام پوچھا، میں نے بتایا کہ میرا نام محمد ہے، امام صاحب نے کہا کہ:

یا محمد! اتق اللہ واجتنب المعاصی فانہ سیکون لک شان من الشان۔	محمد! اللہ سے خوف کرو اور گناہوں سے بچو، کیونکہ آئندہ تم بہت باحیثیت بنوگے۔

پھر کہا کہ ٹھیک ہے تم کل آنا اور اپنے ساتھ ایسے آدمی کو لانا جو تمہارے لئے موطا پڑھے، میں نے کہا کہ میں خود اس کی قرارت کرونگا، چنانچہ میں امام صاحب کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر موطا زبانی پڑھتا تھا اور کتاب میرے ہاتھ میں ہوتی تھی

بعض اوقات امام صاحب کی ہیبت سے پڑھنا بند کر دیتا تو پڑھنے کی فرمائش کرتے تھے، اس طرح میں نے چند دنوں میں موطاً پڑھ لی، اور امام صاحب کی وفا تک مدینہ میں مقیم رہا۔

اس سلسلہ میں دوسری روایت مصعب بن ثابت زبیری کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ شافعی مدینہ آنے کے بعد مسجد میں بیٹھکر شعر سناتے تھے، ایک دن میرے والد نے ان سے کہا کہ تم اپنی قرشیت کے لئے صرف اتنے پر راضی ہو کہ شاعر بن جاؤ؟ امام صاحب نے کہا کہ پھر کیا کروں؟ والد نے بتایا کہ تم فقہ کی تعلیم حاصل کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین یعنی اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ اچھا معاملہ کرنا چاہتا ہے اس کو تفقہ فی الدین عطا فرماتا ہے، اس کے بعد امام صاحب امام مالک کی خدمت میں پہنچے، اور ان سے تعلیم حاصل کی۔

کچھ دنوں کے بعد امام صاحب نے میرے والد ثابت بن عبداللہ بن زبیر سے بیان کیا کہ امام مالک کہتے ہیں:

امرنا، والذی علیہ بلدنا والذی علیہ ائمۃ المسلمین الراشدین المھدیین	ہمارا مسلک وہ ہے جس پر ہمارے شہر والے ہیں اور جس پر راشدین مہدیین ائمۂ مسلمین ہیں۔

ان کے اس قول کا کیا مطلب ہے؟ والد صاحب نے ان کو بتایا کہ دین کے بارے میں معیار اور حجت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پھر ابوبکر، عمر، اور عثمان ہیں جن کا انتقال مدینہ میں ہوا ہے۔ اس کے بعد امام شافعی نہایت انشراح کے ساتھ امام مالک کے درس میں شریک ہونے لگے [۱]

---

[۱] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۸۴، ص ۳۸۵

یمن کا سفر اور وہاں کی امارت

امام مالک کی مدنی درسگاہ میں رہ کر امام صاحب نے دینی علوم میں مہارت حاصل کی اور وہاں سے لوٹ کر مکہ آئے تو انکی علمی اور دینی شہرت عام ہوگئی، اسی زمانہ میں یمن کا امیر مکہ مکرمہ آیا، امام صاحب بیان کرتے ہیں کہ قریش کے سر برآوردہ لوگوں نے امیر یمن سے بات کی تاکہ وہ مجھے اپنے ساتھ یمن لے جائے مگر میری ماں کے پاس اتنی رقم نہیں تھی کہ وہاں کے سفر کی تیاری کروں اور کپڑے وغیرہ بنوالوں، میں نے مجبوراً ماں کی ایک چادر سولہ دینار میں رہن رکھ کر سامانِ سفر مہیا کیا۔

یمن پہنچکر امیر نے مجھے ایک مقام پر مقرر کر دیا، میں نے نہایت ذمہ داری اور سلیقہ سے مفوضہ خدمت انجام دی، اس نے خوش اور مطمئن ہو کر مجھے ترقی دی، چند دنوں کے بعد مزید ترقی دی اور میں نے حسن کارکردگی میں اچھی خاصی شہرت حاصل کرلی، اسی زمانہ میں یمن سے عمرہ کرنے والوں کا وفد رجب میں مکہ آیا اور ان لوگوں نے یہاں میرا تذکرہ نہایت اچھے انداز میں کیا جس کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں تعریف ہونے لگی۔

جب میں یمن سے مکہ آیا اور ابن ابی یحیٰی (ابراہیم بن محمد بن ابی یحیٰی سمعانی مدنی اسلمی متوفی ۱۸۴ھ) کی خدمت میں پہنچا، اور سلام کرکے بیٹھ گیا، انھوں نے سخت لہجہ میں مجھے ڈانٹا اور کہا کہ تم لوگ ہماری مجلس درس میں بیٹھتے ہو اور جب کسی کو کوئی کام مل جاتا ہے تو اس میں لگ جاتا ہے اس طرح کی اور باتیں کیں اور میں انکے یہاں سے چلا آیا اس کے بعد سفیان بن عیینہ کے پاس گیا، میں نے انکو سلام کیا انھوں نے خندہ پیشانی سے مرحبا کہا، محبت سے پیش آئے اور کہا کہ ہم کو تمھارے امیر ہونے کی اطلاع مل گئی تھی، تم نے وہاں رہ کر علم دین کی اشاعت نہیں کی اور اللہ کی طرف سے

تم پر جو ذمہ داری ہے اس کو پورے طور پر پورا نہیں کیا، اب وہاں نہ جانا سفیان بن عیینہ کی نصیحت میرے لئے ابن ابی یحییٰ کی باتوں سے زیادہ کارگر ثابت ہوئی [۱]

بغداد میں امام محمدؒ کی مجلس درس میں

امام شافعیؒ نے یمن سے واپسی پر سفیان بن عیینہ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے بغداد جاکر امام محمد بن حسن شیبانیؒ سے فقہ کی تکمیل کی امام محمد امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ اور انکے علم و تفقہ کے ترجمان وناشر تھے، امام شافعی کا قول ہے:

انی لاعرف الاستاذیۃ علیّ لمالکؒ ثم لمحمد بن الحسنؒ	میں امام مالک پھر امام محمد کے استاد ہونے کو تسلیم کرتا ہوں۔

امام صاحب نے امام محمد سے اپنی شاگردی اور انکی استادی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

سمعت من محمد بن الحسن رحمہ اللہ وقر بعیر [۳]	میں نے محمد بن حسن سے ایک اونٹ کے بار برابر حدیث سنی ہے۔

نیز کہتے ہیں کہ اگر لوگ فقہاء کے بارے میں انصاف سے کام لیں تو ان کو معلوم ہوگا کہ انھوں نے محمد بن حسن جیسا فقیہہ نہیں دیکھا ہے [۲]

میں نے محمد بن حسن سے ایک اونٹ کے بار برابر حدیثیں لکھیں ہیں، اگر وہ نہ ہوتے تو علم میں میری زبان اتنی نہ کھلتی، تمام اہل علم فقہ میں اہل عراق کے عیال ہیں اور اہل عراق اہل کوفہ کے عیال ہیں اور اہل کوفہ ابوحنیفہ کے عیال ہیں

---

[۱] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۹۸ ۔ [۲] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ صیمری ص ۱۲۴

[۳] جامع بیان العلم ص ۹۹ ۔ [۴] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۱۲۴

میں نے محمد بن حسن سے زیادہ فصیح بلیغ آدمی نہیں دیکھا، جب میں ان کو قرآن پڑھتے ہوئے سنتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا قرآن انکی زبان میں اترا ہے، میں نے جس عالم سے کوئی فقہی و علمی سوال کیا محمد بن حسن کے علاوہ اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے، میں نے محمد بن حسن سے زیادہ کتاب اللہ کا جاننے والا نہیں دیکھا گویا قرآن ان پر نازل ہوا ہے۔

امام محمد بن حسن اپنے اس لائق فائق شاگرد رشید کا لحاظ ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کا احترام بھی کرتے تھے، اور علمی تعاون کے ساتھ بوقت ضرورت مادی تعاون بھی کرتے تھے، ابو عبید راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد بن حسن کی مجلسِ درس میں امام شافعی کو دیکھا ہے کہ انھوں نے امام محمد سے ایک مسئلہ دریافت کیا اور امام محمد کا جواب امام شافعی کو بہت پسند آیا اور انھوں نے لکھ لیا، امام محمد نے انکی اس علمی حرص کو دیکھ کر ایک سو درہم دیا اور کہا کہ:

الزم ان تشتھی العلم   اگر علم کی خواہش ہے تو یہاں رہ جاؤ

اس واقعہ کے بعد میں نے امام شافعی کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر امام محمد نہ ہوتے تو میری زبان علم میں نہ کھلتی [۱]

امام صاحب کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن حسن کی کتابوں پر ساٹھ دینار خرچ کر کے ان کو حاصل کیا اور انکے ہر مسئلہ کے پہلو میں دلیل کیلئے حدیث لکھی [۲]

ابو حسان زیادی کا بیان ہے کہ محمد بن حسن کو میں نے اہل علم کی اتنی زیادہ تعظیم کرتے ہوئے نہیں دیکھا جتنی تعظیم شافعی کی کیا کرتے تھے، ایک دن محمد بن حسن کہیں جانے کے لئے سواری پر بیٹھ گئے تھے، اسی حال میں شافعی آ گئے۔ محمد بن حسن فوراً سفر

---

[۱] اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ ص۱۲۴، و ص۱۲۵، مناقب ابی حنیفہ و صاحبیہ، ذہبی ص۵۱
[۲] ترتیب المدارک ص۳۹۲، ج۱

ملتوی کر کے گھر آ گئے اور رات گئے تک ان کے ساتھ رہے اور اس درمیان میں کسی تیسرے شخص کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی [۱]

امام صاحب کا آخری تعلیمی سفر بغداد میں امام محمد بن حسن شیبانی کی درسگاہ پر ختم ہوا اور یہیں امام صاحب نے اپنے فقہی آراء و اقوال مرتب کئے جنکو قول قدیم سے تعبیر کیا جاتا ہے، قاضی عیاض لکھتے ہیں:

وسمع الموطا من مالك وسربه مالك، ثم سار الشافعي الى العراق فلزم محمد بن الحسن وناظره على مذهب اهل المدينة وكتب كتبه، وكتب هناك قوله القديم وهو كتاب الزعفراني [۲]

امام شافعی نے امام مالک سے موطا کا سماع کیا جس سے امام مالک خوش ہوئے، پھر امام شافعی عراق جا کر محمد بن حسن کے یہاں رہ گئے اہل مدینہ کے مذہب کے بارے میں ان سے بحث و مذاکرہ کیا اور امام محمد کی کتابیں لکھیں اور وہیں اپنا قول قدیم مرتب کیا جو زعفرانی کی کتاب میں ہے۔

درحقیقت بغداد آنے کے بعد ہی امام شافعیؒ کی علمی شہرت و مرجعیت عام ہوئی اور دنیا ان کے علم و فضل سے فیض یاب ہوئی۔

بغداد میں امام صاحب سے امام احمد بن حنبل اور دیگر اہل علم کا استفادہ۔

قیام بغداد کے زمانہ میں امام صاحب سے ہر طبقہ کے اہل علم نے استفادہ کیا۔ امام صاحب دوبار بغداد آئے گئے پہلی بار

---

[۱] ابن خلکان ج ۲ ص ۱۹۔ [۲] ترتیب المدارک ص ۳۸۵

۱۹۵ھ میں گئے تھے۔

حسن بن محمد زعفرانی کا بیان ہے کہ امام صاحب ۱۹۵ھ میں بغداد آئے اس وقت ان کے بالوں میں خضاب لگا ہوا تھا۔ اس بار دو سال تک ہمارے یہاں مقیم رہے پھر مکہ چلے گئے اور دوبارہ ۱۹۸ھ میں آئے اور ہمارے پاس چند مہینے ٹھہر کر واپس ہو گئے، امام صاحب کے قیام بغداد کے زمانہ میں ان کی مجلس میں ادبار اور کُتّاب حاضر ہو کر ان سے فصاحت و بلاغت اور حسن بیان سنتے تھے، میں کیا کسی نے ان کے دور میں ان جیسا عالم نہیں دیکھا۔

ابو الفضل زجاج کا بیان ہے کہ جس وقت امام شافعی بغداد میں تشریف لائے وہاں کی جامع مسجد میں چالیس پچاس علمی اور درسی حلقے جاری تھے اور امام صاحب ایک ایک حلقہ میں بیٹھ کر حاضرین سے کہتے تھے قال اللہ اور قال الرسول اور وہ لوگ قال اصحابنا کہتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد مسجد میں انکے حلقہ کے علاوہ کوئی حلقہ باقی نہیں رہ گیا، خود امام صاحب کہتے ہیں کہ میں بغداد میں ناصر الحدیث کے لقب سے مشہور ہو گیا تھا [۱]

امام صاحب کے قیام بغداد کے زمانہ میں امام احمد بن حنبل بڑے ادب و احترام کے ساتھ ان سے تحصیل علم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ یحییٰ بن معین نے امام احمد کے صاحبزادے صالح سے کہا کہ آپ کے والد کو شرم نہیں آتی ہے، میں نے ان کو شافعی کے ساتھ اس حال میں دیکھا ہے کہ شافعی سواری پر چل رہے اور آپ کے والد رکاب تھامے ہوئے پیدل چل رہے ہیں، صالح نے یحییٰ بن معین کی یہ بات اپنے والد امام احمد سے بیان کی تو انھوں نے کہا کہ ان سے کہہ دو کہ اگر آپ فقیہہ بننا چاہتے ہیں تو شافعی کی سواری کی دوسری

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۶۹، ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۸۶، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۸، ابن خلکان ج ۲ ص ۲

رکاب کو تھام لیں[1]

دوسری روایت میں صالح کا بیان ہے کہ میرے والد صاحب کو امام شافعی کی سواری کے ساتھ جاتے ہوئے یحییٰ بن معین نے دیکھا تو ان کے پاس کہلا بھیجا کہ ابو عبداللہ آپ شافعی کی سواری کے ساتھ چلنے کو پسند کرتے ہیں؟ والد نے اس کے جواب میں کہا کہ ابو زکریا! اگر آپ اس کے بائیں جانب چلتے تو زیادہ فائدہ میں رہتے[2]

حسن بن محمد زعفرانی کہتے ہیں کہ امام صاحب بغداد آئے تو ہم چھ طلبہ ان کے درس میں آنے جانے لگے، احمد بن حنبل، ابو ثور، حارث نقال، ابو عبدالرحمن شافعی میں اور ایک اور طالب علم، اور ہم جو کتاب امام شافعی کے یہاں پڑھتے تھے، احمد بن حنبل حاضر رہتے تھے[3]

چند مشہور اساتذہ

الغرض امام صاحب نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور بغداد میں تکمیل و تحصیل کی اور اس زمانہ کے مشاہیر ائمہ علم و دین سے اکتساب فیض کیا ان میں سے چند مشہور کے نام یہ ہیں چچا محمد بن علی بن شافع، مسلم بن خالد زنجی، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، ابراہیم بن سعد، سعید بن سالم القداح، عبدالوہاب بن عبدالمجید ثقفی، اسماعیل بن علیہ، ابو ضمرہ، حاتم بن اسمٰعیل، ابراہیم بن محمد بن ابو یحییٰ، اسمٰعیل بن جعفر، محمد بن خالد جندی، عمر بن محمد بن علی بن شافع، عطاف بن خالد مخزومی، ہشام بن یوسف صنعانی، عبدالعزیز بن ابو سلمہ، ماجشونی، یحییٰ بن حسان، مروان بن معاویہ، محمد بن اسمٰعیل ابن ابی فدیک، ابن ابی مسلمہ، قعنبی، فضیل بن عیاض، محمد بن حسن شیبانی، داؤد بن عبدالرحمن، عبدالعزیز بن محمد دراوردی، عبدالرحمن بن ابو بکر ملیکی، عبداللہ بن مومل مخزومی، ابراہیم

---

[1] ترتیب المدارک ج۱ ص۳۸۰، [2] تاریخ بغداد ج۲ ص۶۶، [3] تاریخ بغداد ج۲ ص۶۸۔

بن عبدالعزیز بن ابو محذورہ، عبدالمجید بن عبدالعزیز بن ابورواد، محمد بن عثمان بن صفوان جمحی، اسمٰعیل بن جعفر، مطرف بن مازن، ہشام بن یوسف، یحیٰی بن ابوحسان تینسی، وغیرہ[۱]

چند اساتذہ کے مختصر حالات پیش کئے جاتے ہیں :-

مقری اسمٰعیل بن قسطنطین مکی رح

مکہ مکرمہ میں امام صاحب نے سات سال کی عمر میں حفظ قرآن اور تجوید کی تعلیم حاصل کی، انکے استاذ وہاں کے مشہور مقری وقاری اسمٰعیل بن عبداللہ بن قسطنطین مکی رح متوفی ۱۹۰ھ ہیں، جو بنی مخزوم کے غلام تھے اور "قسط" کے لقب سے مشہور تھے، نوے سال کی عمر میں انتقال کیا، ابن کثیر کے آخری شاگرد تھے[۲]

محمد بن علی بن شافع مکی رح

محمد بن علی بن شافع بن سائب بن عبید مطلبی مکی رح امام صاحب کے چچا ہیں، انھوں نے عبداللہ بن علی بن سائب بن عبید، ابن شہاب زہری سے حدیث کی روایت کی تھی، امام صاحب نے ان سے مکہ میں تعلیم پائی، نیز ابراہیم بن محمد شافعی حسن بن محمد بن اعین اور یونس بن محمد مودب نے ان سے روایت کی ہے، ثقہ محدث تھے[۳]

مسلم بن خالد زنجی فقیہ مکی رح

امام صاحب کے مکی اساتذہ وشیوخ میں ابوخالد مسلم بن خالد بن فروہ زنجی مخزومی متوفی ۱۸۱ھ فقیہ مکہ اور شیخ الحرم ہیں، انھوں نے زید بن اسلم، علاء الدین بن عبدالرحمٰن محمد بن شہاب زہری وغیرہ سے روایت کی، اور فقیہ مکہ عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج کی خدمت میں مدتوں رہ کر فقہ وفتوی کی تعلیم پائی، بڑے عابد وزاہد اور صائم الدہر بزرگ تھے، امام شافعی نے ان ہی سے تفقہ کی تعلیم حاصل کی اور ان ہی کی اجازت سے مسند افتا

۱؎ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۵۷، ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۸۲، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲۰، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۵

۲؎ العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۳۰۵۔ ۳؎ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵۳۔

پر بیٹھے۔ ابن حجر نے لکھا ہے:۔

ومنه تعلم الشافعي الفقه قبل ان يلقى مالكاً[1]

امام مالک کی ملاقات سے پہلے ہی امام شافعی نے ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی۔

شمس الدین داؤدی نے لکھا ہے:۔

وتفقه بمسلم الزنجي وغيره[2]

امام شافعی نے مسلم زنجی وغیرہ سے فقہ کی تعلیم پائی ہے۔

اور ذہبی نے لکھا ہے:

وهو الذي اذن للشافعي في الافتاء[3]

مسلم زنجی ہی نے امام شافعی کو فتوی دینے کی اجازت دی تھی۔

سمعانی نے لکھا ہے:۔

ومنه تعلم ابو عبد الله محمد بن ادريس الشافعي العلم والفقه واياه كان يجالس قبل ان يلقى مالك بن انس۔

مسلم زنجی سے امام شافعی نے علم حدیث و فقہ سیکھا اور امام مالک کی ملاقات سے پہلے شافعی ان ہی کے حلقہ میں بیٹھتے تھے۔ [الانساب ج ۶ صفحہ ۳۳]

ابراہیم بن ابویحییٰ اسلمی مدنی رح

ابواسحق ابراہیم بن محمد بن ابویحییٰ سمعانی اسلمی مدنی متوفی ۱۸۴ھ بھی امام صاحب کے مدنی شیوخ میں ہیں، انھوں نے امام مالک کی موطا سے کئی گنا بڑی کتاب الموطا تصنیف کی تھی، محدثین کے نزدیک مجروح و متہم ہیں، ابن حبان کا قول ہے۔

واما الشافعي فانه كان

امام شافعی ان کی مجلس درس میں

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۲۹، [2] طبقات المفسرین ج ۲ ص ۹۹، [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۵

يجالس ابراهيم في حداثته ۔ — نوعمری میں بیٹھا کرتے تھے ۔

اور محدث ساجی کا قول ہے کہ :-

لم يخرج الشافعي عنه حديثا في الفرض وانما اخرج عنه في الفضائل [1] — امام شافعی نے ان سے فرض کے بارے میں کوئی حدیث نہیں لی ہے، بلکہ فضائل میں لیا ہے ۔

سفیان بن عیینہ مکی

امام صاحب کے مکی شیوخ میں محدث الحرم سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ بڑے مقام و مرتبہ کے مالک ہیں، انکے بارے میں امام صاحب کہتے ہیں :

لولا مالك وسفيان بن عيينة لذهب علم الحجاز ۔ — اگر مالک اور سفیان نہ ہوتے تو حجاز سے علم کا خاتمہ ہی ہوگیا ہوتا ۔

نیز کہتے ہیں کہ وہ حجاز کی احادیث کے سب سے بڑے عالم تھے، میں نے ان سے بہتر حدیث کی تشریح کرنے والا نہیں دیکھا، میں نے امام مالک کے یہاں احکام کی تمام احادیث تیس حدیثوں کے علاوہ پائیں اور ان تیس احادیث میں سے چھ کے علاوہ سب کو سفیان بن عیینہ کے یہاں پایا ۔ [2]

امام مالک بن انس

امام دار الہجرت مالک بن انس اصبحی رح متوفی ۱۷۹ھ امام شافعی کے سب سے بڑے مدنی شیخ ہیں جنکی ذات سے امام صاحب کو بے حد فیض پہنچا، کہتے ہیں کہ مالک علماء میں روشن ستارے ہیں، موطا امام مالک سے زیادہ صحیح روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں ہے اگر مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم دین ختم ہو جاتا، جب ان کو کسی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۶۰، ص ۱۶۱ ، [2] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۳۲، ۳۳ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۴۲

حدیث میں شک ہو جاتا تو حدیث ہی چھوڑ دیتے تھے، امام صاحب نے مکہ ہی میں پوری موطا جوانی میں چند دنوں میں یاد کر لی تھی اور مدینہ جا کر امام مالک کے سامنے اسکو پڑھا۔

محمدؒ بن حسن شیبانی

امام صاحب کے بغدادی استاد امام محمد بن حسن شیبانی کوفی متوفی ۱۸۹ھ امام ابوحنیفہ کے اصاغر تلامذہ میں سے ہیں، نیز قاضی ابو یوسف اور امام مالک سے تعلیم حاصل کی ہے، وہ امام شافعی کے استاذ اور استاد بھائی ہیں۔ حدیث اور فقہ کے جامع تھے، گذشتہ بیان سے استاد اور شاگرد کے تعلقات کی نوعیت معلوم ہو چکی ہے۔

اسمٰعیل بن عُلیّہ بصری بغدادیؒ

ریحانۃ الفقہاء والمحدثین ابو بشر اسمٰعیل بن ابراہیم بن مقسم اسدی بصری متوفی ۱۹۴ھ اپنی والدہ علیّہ بنت حسان کی طرف منسوب ہو کر ابن علیّہ کی کنیت سے مشہور ہیں، امام شافعی کے مشہور اساتذہ میں ہیں۔ ان کے دادا مقسم سندھ کے علاقہ قیقانؔ (کیکان، قلات) کے باشندے جنگی قیدی بنا کر عرب لیجائے گئے تھے جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں تشریح کی ہے۔

جوانی میں جامعیت

امام شافعی نے نوعمری ہی میں فقہ وفتوی، حدیث تفسیر، تعبیر رویا، ایام عرب، اشعار عرب، نحو و عربیت، تیر اندازی، شہ سواری میں شہرت کی حد تک کمال حاصل کر لیا تھا، اور انکے شیوخ و اصحاب اور معاصرین انکی علمیت وصلاحیت کے معترف ہو گئے تھے، بیس سال سے کم عمر میں مسلم بن خالد زنجی نے فتوی دینے کی اجازت دیدی تھی، عبدالرحمن بن مہدی نے شہادت دی کہ شافعی صاحب فہم وفراست جوان ہیں، بشر مریسیؒ نے حج سے واپسی میں بغداد آکر اپنے دوستوں کو بتایا کہ میں نے مکہ میں ایک قریشی

جوان کو دیکھا ہے، اس کی لیاقت و صلاحیت سے ڈر لگتا ہے، اس قریشی جوان سے مراد امام شافعی تھے۔

اشعار و عربیت کے مشہور عالم اصمعی کا بیان ہے کہ میں نے ہذیل شعراء کے اشعار کی تصحیح قریش کے جوان سے کی ہے جس کو محمد بن ادریس کہتے ہیں، سفیان عیینہ کہتے تھے کہ شافعی اپنے زمانہ کے جوانوں میں سب سے افضل ہیں اور جب انکے یہاں تفسیر اور رویا کی کوئی بات آتی تھی تو کہتے تھے کہ اس جوان یعنی شافعی سے معلوم کرو۔

عبدالرحمٰن بن مہدی نے امام شافعی کو انکی جوانی میں لکھا کہ آپ میرے لئے ایک کتاب لکھیں جس میں حدیث کے جملہ فنون، اجماع اور کتاب و سنت میں ناسخ و منسوخ کا بیان ہو تو امام شافعی نے اپنی مشہور کتاب الرسالہ تصنیف کی [۱]

مصر کا سفر اور ابن عبد الحکیم سے خاص تعلق

امام شافعی بغداد میں پہلی بار ۱۹۵ھ میں گئے اور دو سال وہاں رہ کر مکہ چلے آئے، اس کے بعد دوسری بار ۱۹۸ھ میں گئے اور چند ماہ وہاں قیام کرکے ۱۹۹ھ یا ۲۰۱ھ میں مصر تشریف لے گئے اور تاحیات وہیں رہ کر وہیں وفات پائی، اس درمیان میں غزہ جانا بھی ثابت ہے [۲] ابن ندیم نے امام صاحب کی مصر میں آمد ۲۰۰ھ میں لکھی ہے [۳] مصر جاتے وقت امام صاحب نے یہ اشعار پڑھے۔

اخی اری نفسی تتوق الی مصر ومن دونہا المفاوز والفقر

(بھائی میرا نفس مصر جانے کے شوق میں ہے حالانکہ اس سفر میں بڑی مشکلات ہیں)

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۶۴، ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۸۲، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۷، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۹، [۲] ابن خلکان ج ۲ ص ۲، [۳] الفہرست ص ۲۹۵

فواللہ ما ادری الحفظ والغنی   اُساق الیہا ام اُساق الیٰ قبر

واللہ مجھے معلوم نہیں کہ اطمینان و استغناء کے لئے وہاں جا رہا ہوں یا قبر میں جانے کیلئے

چنانچہ امام صاحب کی دونوں باتیں مصر میں ظاہر ہوئیں، وہاں مستغنی ہوئے اور فوت بھی ہوئے۔

سعید بن عبداللہ بن عبدالحکم مصری کا بیان ہے جس وقت امام شافعی ہمارے یہاں مصر میں آئے سخت قلت اور افلاس میں تھے، میرے بھائی محمد نے بعض مالداروں سے پانچ سو دینار وصول کئے اور والد صاحب نے پانچ سو دینار دیئے اس طرح ایک ہزار دینار امام صاحب کی خدمت میں پیش کیا، ایک روایت کے مطابق عبداللہ بن عبدالحکم نے خود ایک ہزار دینار دیئے اور اپنے دوستوں سے دو ہزار وصول کر کے کل تین ہزار دینار امام صاحب کی خدمت میں پیش کئے، امام صاحب کو ابن عبدالحکم سے مصر میں خاص تعلق رہا، حتیٰ کہ ان ہی کے یہاں وفات پائی، روزانہ صبح کو ان کے یہاں تشریف لے جاتے تھے، اگر وہ نہ ہوتے تو دریافت کر کے انکے پاس جاتے تھے۔

عبداللہ بن عبدالحکم مصر کے مشہور عالم اور امام مالک کے مسلک کے امام تھے، انکے صاحبزادے محمد بن عبداللہ کا بیان ہے کہ امام صاحب روزانہ ہمارے یہاں سے امام مالک کی کتابوں کے دو جزء لیجاتے اور دوسرے دن انکو واپس کر کے دوسرے دو جزء لیجاتے تھے [1]

ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ عبداللہ بن عبدالحکم اور ان کے دونوں لڑکوں نے امام شافعی سے حدیث کی روایت کی اور انکی کتابیں لکھیں اور اپنے لڑکے محمد کو امام صاحب کے حوالہ کر دیا۔

---

[1] ترتیب المدارک ج ۱ صفحہ ۳۹۲

محمد بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں جن دنوں امام صاحب کے یہاں زیادہ آنے جانے لگا مالکی مسلک کے ہمارے علماء والد صاحب کے پاس جمع ہوئے، میرے والد امام مالک کے مسلک پر تھے، ان لوگوں نے کہا کہ ابو محمد! آپ کے صاحبزادے محمد اس شخص (شافعی) کے یہاں آتے جاتے ہیں اور اس سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بات مالکی علماء کے مسلک سے بیزاری کی وجہ سے ہے، ان لوگوں کی بات سنکر والد صاحب نے نرمی سے انکو سمجھایا کہ یہ لڑکا ابھی نوجوان ہے اس کو علماء کے مختلف اقوال معلوم کرنے اور ان میں غور و فکر کرنے کا شوق ہے اور تنہائی میں مجھ سے کہتے تھے کہ بیٹے! تم ان کے یہاں جاتے رہو اور انکی صحبت میں رہو، اگر اس شہر سے نکل کر باہر جاؤ گے اور کسی مسئلہ میں امام مالک کا قول اشہب کی روایت سے بیان کروگے (قال اشہب، عن مالک) توتم سے پوچھا جائے گا کہ اشہب کون ہے؟ اس کے بعد میں نے امام شافعی کی معیت وصحبت اپنے اوپر لازم کرلی، والد کی بات میرے دل میں رہی اور جب میں مصر سے عراق گیا تو وہاں کے قاضی نے اپنے ہم نشینوں کے سامنے ایک مسئلہ میں بات کی میں نے اثنائے گفتگو قال اشہب عن مالك کہا، قاضی نے پوچھا کہ اشہب کون ہے؟ یہ کہکر حاضرین مجلس کی طرف متوجہ ہوا اور ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ اسکو اشہب اور ابلق کا علم نہیں ہے۔

امام صاحب بھی اپنے اس شاگرد رشید کے ساتھ بڑی محبت وشفقت سے پیش آتے تھے۔ مزنی کا بیان ہے کہ ہم لوگ امام شافعی سے حدیث کے سماع کیلئے جاتے تو پہلے انکے دروازے پر بیٹھتے تھے، پھر اندر آنے کی اجازت ملتی تھی، اور محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم آتے تو اوپر چڑھ جاتے اور دیر تک امام صاحب کے کے پاس رہتے، بعض اوقات انکے ساتھ کھانا کھاتے، اس کے بعد امام صاحب

نیچے آکر ہم لوگوں کو درس دیتے تھے، فراغت کے بعد محمد بن عبداللہ اپنی سواری پر جانے لگتے تو امام صاحب دیر تک انکو دیکھتے رہتے اور تمنا کرتے کہ میرے بھی ایسا ہی کوئی لڑکا ہوتا۔ ؎۱

امام صاحب انکے مکان پر جایا کرتے تھے، انکے بھائی سعد بن عبداللہ کا بیان ہے کہ بسا اوقات امام صاحب سواری پر ہمارے یہاں آتے اور مجھ سے کہتے کہ محمد کو بلاؤ، میں انکو لیوا آتا تو ان کے ساتھ جاتے اور دیر تک رہتے اور وہیں قیلولہ کرتے تھے ؎۲

اقوالِ قدیمہ اور اقوالِ جدیدہ کے راوی

امام صاحب کا علم تین مرکزی شہروں میں عام ہوا

مکہ، بغداد، مصر۔ ان میں انکی مجلس درس قائم ہوئی۔ بغداد میں امام صاحب کے دو سال چندماہ قیام کے دوران وہاں کے اہل علم نے آپ سے فیض اٹھایا۔ اور مصر میں علی اختلاف الروایۃ چھ یا پانچ یا چار سال تک قیام رہا اور اہل مصر نے امام صاحب سے یوں اکتساب فیض کیا کہ انکے علم و تفقہ کے ناشر و ترجمان بن گئے۔ بغداد میں امام صاحب نے اپنے جن فقہی اقوال و آراء کو بیان کیا انکو اقوال قدیمہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جن کے راوی و امین چار تلامذہ ہیں (۱) ابو علی حسن بن محمد زعفرانی، (۲) ابو ثور ابراہیم بن خالد، (۳) احمد بن حنبل (۴) حسین بن علی کرابیسی۔ اور مصر میں جو اقوال و آراء بیان کئے انکو اقوال جدیدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، انکے راوی و ترجمان چھ تلامذہ ہیں (۱) ابو ابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ مزنی (۲) ابو محمد ربیع بن سلیمان مرادی (۳) ابو محمد ربیع بن سلیمان بن داؤد جیزی (۴) ابو یعقوب یوسف بن یحییٰ بویطی۔

؎۱ ابن خلکان ج ۲ ص ۳ - ؎۲ تاریخ بغداد ج ۱۴۲ ص ۳۰

(۵) ابوحفص حرملہ بن یحیٰی (۶) ابوموسیٰ یونس بن عبدالاعلیٰ [1]

امام صاحب کا فقہی مسلک

امام صاحب کے زمانہ میں حدیث فقہ اور فتوٰی کے دو مشہور مرکز تھے حجاز اور عراق ان دونوں میں کچھ فروعی اور نظریاتی اختلافات تھے، امام صاحب نے دونوں مرکزوں سے استفادہ کیا اور علمائے حجاز اور علمائے عراق کے حجج و دلائل سے پوری واقفیت حاصل کی، مکہ مکرمہ میں امام مسلم بن خالد زنجی سے تفقہ کی تعلیم پائی جو ابن جریج تلمیذ عطار بن ابی رباح کے مکتب فقہ کے مبلغ و ناشر تھے۔ مدینہ منورہ میں امام مالک سے تعلیم پائی جو اہل مدینہ کے علوم و آرار کے ترجمان تھے، اس کے بعد بغداد جاکر امام محمد بن حسن شیبانی سے شرف تلمذ حاصل کیا جو امام ابوحنیفہ کے مکتب فقہ کے داعی و ترجمان تھے، ساتھ ہی امام مالک سے فیضیاب تھے، امام شافعی امام مالک اور امام محمد کو اپنا استاد و معلم تسلیم کرتے تھے، خاص طور سے امام مالک کے مسلک کو ترجیح دیتے تھے اور انکے اقوال و آرار پر عمل کرتے تھے، البتہ اس دور میں جس طرح دوسرے شیوخ و اساتذہ کے اصحاب و تلامیذ اختلاف کرتے تھے امام شافعی بھی امام مالک سے اختلاف کرتے تھے۔ اس پر لوگوں نے امام صاحب کو ٹوکا تو انھوں نے اس سلسلہ میں کتاب لکھی۔

ابواسحاق شیرازی کہتے ہیں کہ اس اختلاف کے باوجود ہم امام شافعی کو امام مالک کے اصحاب میں شمار کرتے ہیں، اگر امام مالک کے ساتھ امام شافعی کے اختلافات کو شمار کیا جائے تو اصحاب مالک میں سے عبدالملک وغیرہ نے ان سے جس قدر اختلاف کیا ہے امام شافعی کا اختلاف اس سے کم ہی ہوگا۔

---

[1] ابن خلکان ج ۱ صہ ۱۴۱ ذکر حسن بن محمد زعفرانی

ایک اور عالم کا قول ہے کہ امام شافعی اور امام مالک کے درمیان اختلاف اس سے کم ہے جتنا قاضی ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ کے درمیان ہے [۱]

امام شافعی نے تفقہ میں فقہائے حجاز اور فقہائے عراق کے اصول و فروع کو سامنے رکھ کر درمیانی راہ اختیار کی، وہ قرآن کے ظواہر کو حجت مانتے ہیں جب تک کہ یہ دلیل نہ ملے کہ ظاہری معنی مراد نہیں ہے، اس کے بعد سنت رسول سے استدلال کرتے ہیں حتی کہ خبر واحد کو قابل عمل قرار دیتے ہیں اگرچہ اس کے راوی ثقہ نہ ہوں، اور امام مالک کی طرح تائید میں تعامل اہل مدینہ کو تسلیم کرتے ہیں، اس کے بعد اجماع پر عمل کرتے ہیں، بایں طور کہ اس کے خلاف کا علم نہ ہو، ان کے نزدیک اجماع کلی کا علم محال ہے، آخر میں قیاس پر عمل کرتے ہیں جس کی تائید کتاب و سنت سے ہوتی ہے خلاف قیاس مسائل یا مسائل مرسلہ کے خلاف ہیں مگر ان ہی کے مانند مسائل پر بعض اوقات عمل کرتے ہیں اور اس کو استدلال کہتے ہیں۔

امام صاحب نے فقیہ و مفتی اور قاضی کے لئے جو صفات بیان کی ہیں، ان سے ان کا فقہی مسلک بخوبی واضح ہو جاتا ہے، کہتے ہیں:

ان القاضی والمفتی لا یجوز	قاضی اور مفتی کے لئے فیصلہ کرنا اور فتوی
ان یقضی او یفتی حتی یکون	دینا اس وقت تک جائز نہیں ہے کہ وہ
عالماً بالکتاب وما قال	کتاب اللہ اور اس کی تفسیر کے عالم اور
اهل التاویل فی تاویله	سنن و آثار اور اختلاف علماء کے عالم
وعالماً بالسنن والآثار	نہ ہوں، ان میں حسن نظر صحیح فہم، تقوی
وعالماً باختلاف العلماء	اور مشتبہ مسائل میں مشورہ ہونا چاہئے
حسن النظر، صحیح الاود	

---

[۱] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۸۵، ص ۳۸۶

ورعًا، مشاورًا فیما اشتبہ
علیہ [1]

اختلاف صحابہ کے بارے میں امام صاحب کہتے ہیں کہ ان میں سے جو قول کتاب و سنت یا اجماع و قیاس کے موافق ہوتا ہے، میں اس کو لیتا ہوں، اور ان حضرات میں سے کسی ایک کا قول لیتا ہوں جب کہ کتاب و سنت اور اجماع و دلیل میں اس کو نہیں پاتا ہوں۔

مجلس درس و تدریس

امام صاحب کی مجلس درس اس دور کے فقہاء و محدثین کی مجالس و حلقات کی طرح قائم ہوتی تھی اور اسی شفقت و محبت، خلوص و خدمت اور حسن نیت سے اپنے اصحاب و تلامیذ کو پڑھاتے تھے جو علمائے سلف کا معمول رہا ہے، اس سلسلہ میں ہمارے اساتذہ و مدرسین کے لئے امام صاحب کا یہ قول اپنے شاگرد ربیع سلیمان مرادی کے حق میں باعث عبرت و موعظت ہے۔

یاربیع! لوامکننی ان اطعمك	اے ربیع! اگر میرے بس میں ہوتا کہ میں
العلم لاطعمتك [2]	تم کو علم کھلا دوں تو ضرور کھلا دیتا۔

امام صاحب اپنے حلقہ نشینوں کے مزاج شناس اور انکے طبعی رجحان سے واقف تھے بعض اوقات ان سے اس کا اظہار بھی کیا کرتے تھے۔ مجلس بغداد کے تلامذہ میں امام احمد بن حنبل کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ بغداد سے نکلتے وقت میں نے احمد بن حنبل سے زیادہ پاکباز، متقی فقیہ اور عالم کسی کو نہیں چھوڑا، ایک مرتبہ کہا کہ تین علماء زمانہ کے عجائب میں سے ہیں ایک عربی شخص

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص۹۲۔ [2] ابن خلکان ج ۱ ص۲۰۳۔

جو ایک کلمہ بھی ٹھیک طریقہ سے ادا نہیں کرتا ہے، یہ ابو ثور ہے، دوسرا عجمی شخص ہے جو ایک کلمہ میں بھی غلطی نہیں کرتا ہے، یہ حسن زعفرانی ہے، اور تیسرا چھوٹا شخص جب وہ کوئی بات کہتا ہے تو بڑے علماء اس کی تصدیق کرتے ہیں یہ احمد بن حنبل ہیں۔ ایک مرتبہ کہا کہ میں نے دو آدمیوں سے زیادہ عقلمند کسی کو نہیں دیکھا، احمد بن حنبل اور سلیمان بن داؤد ہاشمی[1] یہ تمام حضرات امام صاحب کے تلامذہ ہیں۔

اپنے تلمیذ رشید مزنی کے بارے میں کہا ہے کہ المزنی ناصر مذھبی (مزنی میرے مذہب کے ناصر ہیں[2])۔ اور دوسرے شاگرد رشید ربیع مرادی کے بارے میں فرمایا ہے کہ الربیع روایتی (ربیع میری کتابوں کے راوی ہیں[3])۔

بغداد کے حلقۂ درس میں امام صاحب کی کتابیں حسن زعفرانی پڑھا کرتے تھے اور طلبہ ان کو لکھتے تھے۔ امام صاحب حدیث و فقہ میں تبحر کے باوجود احمد بن حنبل اور عبدالرحمن بن مہدی سے کہتے تھے تم لوگ مجھ سے زیادہ حدیث کا علم رکھتے ہو، صحیح حدیث ہو تو مجھے بتانا، میں اس کو اختیار کروں گا۔[4]

ربیع مرادی کا بیان ہے کہ امام صاحب کے انتقال کے وقت میں حاضر تھا، ان کے پاس بویطی، مزنی اور ابن عبدالحکم بھی موجود تھے، امام صاحب نے ہماری طرف دیکھ کر فرمایا کہ اے ابو یعقوب (بویطی)! تم لوہے کی زنجیر اور بیڑی میں انتقال کرو گے، اور اے مزنی! تمھارے لئے مصر میں چہ می گوئیاں ہونگی۔ مگر آگے چل کر تم اپنے زمانے کے سب سے بڑے فقہی قیاس کرنے والے ہوں گے، اور تم

---

[1] مناقب الامام احمد بن حنبل، ابن جوزی ص ۱۰۵ ۔ [2] ابن خلکان ج ۱ ص ۷۵ ،
[3] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۲۵ ۔ [4] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۹۰ ۔

اے محمد! (ابن عبدالحکم) تم امام مالک کے مذہب کو اختیار کرلو گے، اور مجھ سے کہا کہ اے ربیع! تم میری کتابوں کی نشر واشاعت میں میرے حق میں مفید و نافع ہو سکے، اے ابو یعقوب! اٹھو اور میرا حلقۂ درس سنبھالو، ربیع مرادی کہتے ہیں کہ امام صاحب کی وفات کے بعد ہم میں سے ہر ایک وہی ہوا جو امام صاحب نے کہا تھا، جیسے وہ باریک پردے کے پیچھے غیب کو دیکھ رہے تھے[1]

بغداد کے چار تلامذہ

امام صاحب نے مصر جانے سے پہلے دو سال سے زائد مدت تک بغداد میں اپنا حلقۂ درس جاری کرکے وہاں کے علماء، محدثین، فقہاء، ادباء، شعراء کو اپنے حلقۂ تلمذ میں لیا، جن میں سے چار حضرات ان کے علوم اور فقہ وفتوی کے خاص حامل اور ترجمان ہیں، اور انکے ذریعہ امام صاحب کے اقوال قدیمہ محفوظ رہے، زعفرانی ابوثور، احمد بن حنبل اور کرابیسی۔ ہم ان چاروں حضرات کے مختصر حالات بیان کرتے ہیں۔

حسن بن محمد زعفرانی بغدادیؒ

ابوعلی حسن بن محمد بن صباح زعفرانی بغدادی متوفی ۲۵۹ رحمۃ اللہ علیہ کا بغداد کے قریب زعفرانیہ دیہات اصلی وطن تھا، فقہ وحدیث کے بہت بڑے امام وعالم تھے، اور ان میں کتابیں تصنیف کیں، امام شافعی کی خدمت میں رہ کر تبحر کے درجہ کو پہنچے کہا کرتے تھے کہ محدثین سوئے تھے امام شافعی نے انکو بیدار کیا، اور جس نے حدیث لکھنے کے لئے قلم دوات لی ہے اس پر امام صاحب کا احسان ہے، وہی امام صاحب کے حلقہ میں انکی کتابیں پڑھتے اور طلبہ سنتے تھے۔

---

[1] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۳۔

ان کا بیان ہے کہ میں نے امام صاحب کے سامنے ان کی کتاب "الرسالۃ" پڑھی تو آپ نے پوچھا کہ عرب کے کس قبیلہ سے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں عربی نہیں ہوں، بلکہ ایک دیہات زعفرانیہ کا باشندہ ہوں، یہ سنکر کہا کہ "انت سید هذه القرية" (یعنی تم اپنی بستی کے سردار ہو)

زعفرانی احمد بن حنبل اور ابو ثور کی موجودگی میں امام صاحب کے سامنے ان کی کتابیں پڑھتے تھے اور امام صاحب کے اقوال قدیمہ کے راوی تھے، ابتدا میں اہل عراق کے فقہی مسلک پر تھے، بعد میں فقہ شافعی کے عالم و ناشر ہوئے[1]

امام احمد بن حنبل شیبانی بغدادیؒ

ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی بغدادی متوفی ۲۴۱ھ رحمۃ اللہ علیہ

امام شافعی کے بغدادی تلامذہ میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں، امام شافعی کا قول ہے کہ میں بغداد سے نکلا اور فقہ، ورع اور علم میں احمد بن حنبل سے بڑھا ہوا کسی کو نہیں چھوڑا۔ امام احمد کہتے ہیں کہ جب تک میں امام شافعی کے حلقۂ درس میں نہیں بیٹھا تھا حدیث کے ناسخ و منسوخ سے لاعلم تھا، امام احمد اپنے استاذ امام شافعی کے لئے بہت زیادہ دعا کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ صاحبزادے عبداللہ نے عرض کیا کہ یہ شافعی کون آدمی ہیں جن کے حق میں آپ اتنی زیادہ دعا کرتے ہیں تو کہا: کہ بیٹے! شافعی دنیا کے لئے آفتاب اور بدن کے لئے عافیت کے مانند تھے، کیا ان دونوں چیزوں کا بدل ہو سکتا ہے؟ میں تیس ۳۰ سال سے سوتے وقت میں امام شافعی کے لئے دعا اور استغفار کرتا ہوں[2]

ابن جوزی نے لکھا ہے:

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۱۸، ابن خلکان ج ۱ ص ۱۴۱، [2] ابن خلکان ج ۲ ص ۱۹

وکان من اصحاب الامام الشافعی وخواصہ ولم یزل مصاحبہ الی ان ارتحل الشافعی الی مصر۔[1]

امام احمد امام شافعی کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ اور شافعی کے مصر جانے تک برابر انکی صحبت میں رہے۔

ابو ثور ابراہیم بن خالد بغدادی

ابو ثور ابراہیم بن خالد بن ابو الیمان کلبی بغدادی متوفی ۲۴۰ھ رحمۃ اللہ علیہ ابتدا میں اہل عراق کے مسلک پر تھے، امام شافعی کی درسگاہ میں پہنچکر اس سے رجوع کرلیا، اپنے زمانہ میں بغداد کے اعیان فقہاء ومحدثین میں سے تھے انکے کچھ شذوذ ونوادر مسائل ہیں جن میں وہ جمہور ائمہ سے جدا ہیں[2]

ابو ثور امام صاحب کے اقوال قدیمہ کے راوی ہیں اس کے باوجود انھوں نے کئی مسائل میں امام صاحب سے اختلاف کرکے اپنا الگ فقہی مسلک جاری کیا اور امام شافعی کی کتابوں کی ترتیب پر بہت بڑی کتاب لکھی، آذر بائیجان اور آرمینیہ کے اکثر باشندے ابو ثور کے فقہی مسلک پر تھے[3]

حسین بن علی کرابیسی بغدادیؒ

ابو علی حسین بن علی بن یزید کرابیسی بغدادیؒ متوفی ۲۴۵ھ، امام شافعی کے بغدادی تلامذہ میں بہت مشہور ہیں اور ان کے اصحاب کبار میں شمار ہوتے ہیں، یہ بھی پہلے علمائے عراق کے فقہی مسلک پر تھے، امام شافعی کی شاگردی کے بعد ان کا مسلک اختیار کرلیا، صاحب تصانیف کثیرہ عالم، فقیہ، محدث اور متکلم تھے۔ بغداد میں انکی عظمت کا سکہ چلتا تھا، ان میں اور امام احمد میں بڑا دوستانہ تھا

---

[1] مناقب الامام احمد بن حنبل ص ۹۴، [2] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۱۸، [3] الفہرست ص ۲۹۶۔

مگر خلق قرآن کے فتنہ میں دونوں کی دوستی عداوت سے بدل گئی[1]

مصر کے چھ تلامذہ

آخری عمر میں امام شافعی مصر تشریف لے گئے اور وہاں ان کے علم کی خوب اشاعت ہوئی اور مصری تلامذہ و اصحاب نے ان کے فقہی آراء و اقوال جمع کئے، ان میں چھ حضرات خاص طور سے قابل ذکر ہیں، مزنی، ربیع جیزی، ربیع مرادی، بویطی، حرملہ، اور یونس بن عبدالاعلیٰ۔ یہ حضرات ان کے تلامذہ اور کتابوں کے ذریعہ امام صاحب کا مسلک عام ہوا، ان کے مختصر حالات پیش ہیں۔

اسمٰعیل بن یحییٰ مزنی مصریؒ

ابوابراہیم اسمٰعیل بن یحییٰ بن اسمٰعیل مزنی مصری متوفی ۲۶۴ھ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ابن خلکان نے لکھا ہے:

وھو امام الشافعیین،	وہ شوافع کے امام، شافعی کے فقہی طریقوں
واعرفھم بطرقہ وفتاویہ	اور ان کے فتاویٰ اور ان کے منقولات
ومایںقلہ عنہ۔	کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

امام صاحب نے ان کے متعلق کہا ہے کہ مزنی میرے مذہب کے ناصر ہیں، نہایت نیک، عابد، زاہد عالم تھے، دقیق مسائل میں گہری نظر رکھتے تھے۔ اپنی جلالتِ شان کے باوجود امام شافعی کے جو مسائل ان کے پاس نہیں تھے، ربیع مرادی کی کتابوں سے ان کو لیا، امام صاحب کی تجہیز و تکفین کی اور ان کو غسل دیا، رمضان ۲۶۴ھ میں انتقال کیا اور جبل مقطم کے دامن میں امام صاحب کی تربت کے قریب دفن کئے گئے۔[2]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۶۰، ابن خلکان ج ۱ ص ۱۵۸، [2] ابن خلکان ج ۱ ص ۹۲، تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۶

ربیع بن سلیمان جیزی مصریؒ

ابو محمد ربیع بن سلیمان بن داؤد ازدی جیزی مصری متوفی ۲۵۶ھ رحمۃ اللہ علیہ، قاہرہ کے مغرب میں دریائے نیل کے پار جیزہ ہے، وہیں کے رہنے والے تھے اور وہیں دفن ہوئے، امام شافعی کے تلامذہ میں سے ہیں مگر ان سے کم ہی روایت کی ہے، البتہ امام صاحب کے شاگرد عبداللہ بن عبدالحکم کے ذریعہ امام صاحب کے علوم حاصل کئے، ان سے ابوداؤد، نسائی، طحاوی وغیرہ نے روایت کی ہے ثقہ، صالح کثیر الحدیث عالم تھے[1]

ربیع بن سلیمان مرادی مصریؒ

ابو محمد ربیع بن سلیمان بن عبدالجبار مرادی مصری متوفی ۲۷۰ھ رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی کی اکثر کتابوں کی روایت کی ہے، امام صاحب کہتے تھے کہ ربیع میرے راوی ہیں، ربیع نے مجھ سے جس قدر زیادہ علم حاصل کیا ہے کسی اور شخص نے نہیں کیا، ربیع کی علمی حرص کو دیکھ کر امام صاحب کہتے تھے کہ ربیع! اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تم کو علم کھلا دیتا، ربیع مرادی مصر میں امام صاحب کے آخری شاگرد تھے، وہ المؤذن کے لقب سے مشہور ہیں[2]۔

حرملہ بن یحییٰ مصریؒ

ابو عبداللہ حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ تجیبی مصری متوفی ۲۴۴ھ رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی کے حلقۂ درس کے خاص حاضر باش لوگوں میں سے تھے، حافظ حدیث تھے، امام مسلم نے ان سے زیادہ روایت کی ہے۔

عبدالعزیز بن عمر مصری کا بیان ہے کہ امام شافعی کے انتقال کے بعد

---

[1] ابن خلکان ج ۱ ص ۱۰۳، تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۵۔ [2] ابن خلکان ج ۱ ص ۱۰۳

میں نے حرملہ سے کہا کہ آپ نے امام شافعی سے ان کی جن کتابوں کا سماع کیا ہے، ان کی فہرست دکھائیے، میں نے پوچھا کہ آپ نے ان میں کون کون کتابوں کا سماع کیا ہے تو سات یا آٹھ کتابوں کا نام لیا اور کہا کہ ہمارے پاس امام شافعی کی کتابوں میں سے یہی ہیں، جن کو ہم نے ان سے عرضاً اور سماعاً پڑھا ہے، ابو عبداللہ بوشنجی کا قول ہے کہ انھوں نے امام صاحب سے ستر کتابوں کی روایت کی ہے[۱]

یونس بن عبدالاعلی مصریؒ

ابو موسی یونس بن عبدالاعلی مصری متوفی ۲۶۴ھ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ کے بارے میں کہا کہ اگر پوری امت جمع ہو جائے تو امام شافعی کی عقل سب کے لئے کافی ہوگی ورش کی قراءت کے امام تھے، فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے، نہایت متقی اور خدا ترس عالم تھے، ان کی دعا سے طلب باراں کیا جاتا تھا، یحییٰ بن حسان کا قول ہے یہ تمھارے یونس اسلام کے ارکان میں سے ہیں، امام شافعی کے علاوہ سفیان بن عیینہ، ولید بن مسلم، اشہب وغیرہ سے روایت کی ہے، اور ان سے مسلم، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کی ہے[۲]

یوسف بن یحییٰ بویطیؒ

ابو یعقوب یوسف بن یحییٰ بویطی مصری متوفی ۲۳۱ھ رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی کے اصحاب و تلامذہ کے واسطۃ العقد تھے، نہایت عابد، زاہد، متقی اور نیک عالم تھے، خلق قرآن کے فتنہ میں مصر سے گرفتار کر کے بغداد لائے گئے، خلیفہ واثق نے انکار پر جیل میں ڈال دیا اور قید خانہ ہی میں انتقال کیا، جیل خانہ میں جمعہ کے دن اذان سنکر نہاتے دھوتے اور جیل کے دروازے تک آتے اور کہتے اللھم انک تعلم انی قد اجبت داعیک

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ... ابن خلکان ج ۱ ص ۳۴۹ [۲] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۴۱، العبر ج ۱ ص ۳۴۵

فمنعونی (اے اللہ! میں نے میرے پکارنے والے کو جواب دیا اور ان لوگوں نے مجھے روک دیا۔)[1]

دوسرے تلامیذ واصحاب

امام صاحب کے یہ بغدادی اور مصری دونوں اصحاب انکے ممتاز شاگرد ہیں جن کی ذات سے امام صاحب کا مسلک دنیا میں پھیلا اور انکے علوم ومعارف کی روشنی دور دور تک پہنچی، ان کے علاوہ بھی بہت سے شاگرد ہیں جنھوں نے انکی علمی ودینی امانت دوسروں تک پہنچائی ہے، ان میں سے چند حضرات کے نام یہ ہیں، سلیمان بن داؤد ہاشمی، ابوبکر عبداللہ بن زبیری حمیدی مکی، ابراہیم بن منذر حزامی، ابراہیم بن خالد، ابوطاہر بن سراج عمرو بن سواد عامری، ابوالولید موسیٰ بن ابوالجارود مکیؒ، ابویحییٰ محمد بن سعید بن غالب عطار، ابوعبید، احمد بن سنان واسطی، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، ہارون ایلی اور ان کے علاوہ بہت سے فقہاء ومحدثین نے آپ سے تعلیم پائی ہے[2]

ذہانت اور فہم فراست

امام صاحب نہایت ذہین وفطین اور صاحب فہم وفراست آدمی تھے، اسی کے ساتھ فصاحت وبلاغت میں مشہور تھے، ابوعبید کا بیان ہے کہ میں نے شافعی سے زیادہ عقلمند نہیں دیکھا اور نہ ان سے کامل ومکمل انسان دیکھا، ہارون بن سعید ایلی کہتے ہیں کہ اگر شافعی پتھر کے ان ستونوں کو لکڑی ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کا قول ہے کہ اگر شافعی نہ ہوتے تو میں کچھ نہ جانتا، انھوں نے مجھے قیاس سکھایا۔ وہ فصیح زبان آور اور صحیح العقل صاحب فضل وخیر تھے، یونس بن عبدالاعلیٰ کا قول ہے کہ اگر تمام لوگوں کی عقل شافعی کی عقل میں ضم کی جائے تو لوگوں کی عقل کا پتہ نہیں چلے گا۔ جو شخص انکی باتوں کو سمجھ لے وہ انتہائی سمجھدار ہے، وہ

---

[1] ابن خلکان ج ۲ ص ۵۱۹، [2] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۵ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۵۷ ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۸۲

لوگوں سے بات چیت ان کی عقل کے مطابق کیا کرتے تھے، مزنی کہتے ہیں کہ شافعی جو کچھ کہتے تھے اگر سب کچھ ہم سمجھ لیتے تو طرح طرح کے علوم و فنون سے واقف ہو جاتے اس عقل و دانش کے باوجود دین کے بارے میں عقل سے ذرا بھی کام نہیں لیتے تھے اور کہتے تھے: اذا رویت حدیثاً صحیحاً فلم اخذ به فاشهدوا ان عقلی قد ذهب (یعنی جب مجھ سے کوئی صحیح حدیث بیان کی جائے اور میں اس کو نہ لوں تو تم لوگ شہادت دو کہ میری عقل چلی گئی ہے)[1]

بے نیازی اور سخاوت

زہد و بے نیازی، اہل دنیا سے دوری کے ساتھ جود و سخا، سیر چشمی، فراخدلی، علمائے اسلام کا شعار و امتیاز رہا ہے، امام شافعی اس بارے میں اسلاف کا پرتو تھے۔

قیام بغداد کے زمانے میں ہارون رشید نے اپنے حاجب فضل بن ربیع کو حکم دیا کہ محمد بن ادریس حجازی کو ابھی میرے پاس لاؤ، اس وقت وہ اپنے خاص ندیموں کی مجلس میں تھا۔ سامنے تلوار رکھی تھی فضل کا بیان ہے کہ میں ڈرتے ڈرتے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ نماز میں مشغول تھے، فارغ ہوئے تو میں نے کہا کہ آپ کو امیر المومنین یاد کر رہے ہیں، فوراً کہا بسم اللہ اور دعا پڑھتے ہوئے میرے ساتھ ہو گئے، میں آگے آگے تھا اور وہ پیچھے پیچھے چل رہے تھے محل کے دروازہ پر پہنچکر میں اندر گیا میرا خیال تھا کہ ہارون رشید استقبال کیلئے دروازے پر کھڑا ہوگا۔ میں نے امام صاحب کی آمد کی خبر دی۔ اس نے کہا کہ شاید تم نے انکو وحشت میں ڈال دیا ہے، جب امام صاحب اندر داخل ہو گئے تو ان کو دیکھ کر ہارون رشید کا چہرہ روشن ہو گیا، بڑھ کر مصافحہ اور معانقہ کیا اور کہا کہ ابو عبداللہ! ہم کو

---

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۸۶، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۶۷، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۳۰

یہ حق نہیں تھا کہ آپ کو قاصد کے ذریعہ بلوائیں، بلکہ خود حاضر ہونا چاہئے تھا، ہم معذرت خواہ ہیں، ہم نے آپ کے لئے چار ہزار دینار (اور ایک روایت میں دس ہزار دینار) ہدیہ کا حکم دیا ہے، امام صاحب نے قبول کرنے سے انکار کیا، ہارون رشید نے کہا کہ میں آپ پر زور ڈال رہا ہوں یہ رقم قبول کریں، فضل! یہ رقم آپ کے ساتھ بھجوادو [1]

امام شافعی کے فقر و استغنا کی شان یہ تھی کہ بغداد میں یہ خطیر رقم قبول نہیں کی اور جب یہاں سے مصر گئے تو ان کے خیر خواہوں اور معتقدوں نے فوری طور سے تین ہزار دینار کا انتظام کیا جس کو نہایت خوشی سے قبول فرمایا کیونکہ یہ اہل علم اور اہل تقویٰ کی طرف سے علمی و دینی تعاون تھا، اور وہ سلطانی احسان تھا۔

امام صاحب یمن کی سرکاری ملازمت چھوڑ کر مکہ آئے، اس وقت ان کے پاس دس ہزار دینار تھے، شہر کے باہر خیمہ زن ہوئے اور لوگ ان کی ملاقات کے لئے گئے، جن میں اہل حاجت بھی تھے، آپ نے پوری رقم ان کو تقسیم کر دی اور مکہ آکر قرض لیا۔

ربیع کا بیان ہے کہ امام صاحب روزانہ صدقہ کیا کرتے تھے اور رمضان میں فقراء و مساکین کو کپڑے اور رقم بہت زیادہ دیتے تھے۔

ایک شخص نے ان کے کرتے کا تکمہ درست کیا تو اس کو ایک دینار دیا اور معذرت کی کہ میرے پاس اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے، ایک شخص نے ان کا کوڑا اٹھا کر دیا تو اس کو دینار کی تھیلی دیدی، ہم نے اپنے شہر مصر میں بہت سے سخی دیکھے ہیں مگر امام شافعی جیسا نہیں دیکھا، جب کوئی آدمی ان سے سوال کرتا تھا اور پاس کچھ نہیں ہوتا تھا تو انکا چہرہ شرم کی وجہ سے متغیر ہو جاتا تھا ایک مرتبہ حمام میں غسل کے لئے گئے تو

---

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۹۵۔

اس کے مالک کو بہت سا مال دے دیا[1]

خوش خلقی اور بے تکلفی

امام صاحب زندہ دل بزرگ اور خوش مزاج عالم تھے، اپنے طلبہ اور متعلقین کی خاطرداری و دلداری کرتے تھے، اور انکے ساتھ بڑی محبت و شفقت سے پیش آتے تھے فرمایا کرتے تھے:

اھین لھم نفسی لاکرامھم بھا	ولن تکرم النفس التی لا تھینھا
(میں اپنے کو طلبہ کے سامنے انکے احترام کرنیکی وجہ سے بے حیثیت رکھتا ہوں۔	اور جو شخص اپنے کو نیچا نہیں کرے گا اس کی تعظیم نہیں کی جائے گی۔)

ایک مرتبہ طلبہ نے کسی بات پر اصرار کیا تو آپ نے ان سے کہا کہ تم لوگ ایسا نہ کرو کہ میں تم سے وہی بات کہوں جو ابن سیرین نے ایک اصرار کرنے والے سے کہی تھی۔

اِنَّكَ ان کلفتنی ما لا اطیق ساءك ما سرّك منی من خلق

اگر تم مجھ کو ایسی بات پر مجبور کرو گے جس کی طاقت میں نہیں رکھتا تو جو میری عادت تم کو خوش کرتی تھی وہی ناخوش کر دے گی۔

⁂ ... ⁂ ... ⁂

اپنوں سے بے تکلفی کا یہ حال تھا کہ انکے شاگرد رشید زعفرانی امام صاحب کا کھانا ابتدا میں اپنے گھر تیار کراتے تھے اور امام صاحب کی پسند کے کھانے کی قسمیں خادمہ کو لکھ کر دیدیتے تھے، ایک دن امام صاحب نے خادمہ کو بلا کر کھانے کی فہرست دیکھی اور اس میں اپنی پسند کے ایک کھانے کا اضافہ کر دیا، جب کھانا دسترخوان پر آیا تو ایک نیا کھانا دیکھ کر زعفرانی کو تعجب ہوا کہ میری مرضی کے بغیر یہ کھانا کیسے آیا خادمہ کو بلا کر فہرست دیکھی تو امام صاحب کے قلم سے اس کا اضافہ تھا، اس بے تکلفی اور یگانگت سے زعفرانی کو اس قدر خوشی ہوئی کہ باندی کو اسی وقت

---

[1] ترتیب المدارک ج۳ ص۱۳۹

آزاد کر دیا، بویطی کا قول ہے:

انما کان الشافعی لیتبع اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1] — شافعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی اتباع کرتے تھے

امام صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے مکہ میں ایک قریشی سے شادی کی، اور میں اس سے مذاق کے طور پر کہتا تھا:

وَمِنَ البَلِیَّۃِ ان تحبَّ — فلا یُحِبُّکَ مَن تحبُّہ

یہ بڑی مصیبت ہے کہ تم محبت کرو — اور جس سے تم محبت کرتی ہو وہ تم سے محبت کرے

اور وہ عورت اس کے جواب میں کہتی تھی۔

ویصدّ عنک بوجہہ — وتلحّ انت فلا تغبّہ

اور وہ تم سے اپنا چہرہ پھیر لے — اور تم اصرار کر کے اسکے سامنے رہو[2]

ایک مرتبہ امام شافعی، یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل مکہ گئے اور ایک ہی جگہ یہ سب حضرات ٹھہرے، رات میں امام شافعی اور یحییٰ بن معین لیٹ گئے اور احمد بن حنبل نماز میں لگ گئے، صبح کو امام شافعی نے کہا کہ رات میں نے مسلمانوں کے لئے دو سو[2] مسائل حل کئے، یحییٰ بن معین نے پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟ انھوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو دو سو کذاب راویوں سے محفوظ کیا ہے۔ احمد بن حنبل سے پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ میں نے نوافل میں ایک ختم قرآن پڑھا ہے[3]۔

عبادت و ریاضت اور زھد و تقویٰ

ربیع کا بیان ہے کہ امام صاحب ہر رات ایک ختم قرآن پڑھتے تھے اور رمضان میں رات دن میں

---

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۹۳، [2] ابن خلکان ج ۲ ص ۲۰، [3] مناقب الامام احمد بن حنبل ص ۲۸۸

دو ختم پڑھتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ رمضان میں ساٹھ ختم نماز میں پڑھتے تھے۔

بحر بن نصر کہتے ہیں کہ جب ہم رونا چاہتے تھے تو آپس میں کہتے تھے کہ اس مطلبی جوان کے پاس چلو، قرآن پڑھیں، اور جب ہم ان کے یہاں آتے تو وہ قرآن کی تلاوت شروع کرتے، اس وقت ہم لوگوں کا یہ حال ہوتا تھا کہ ان کے سامنے گرے جاتے تھے اور رونے کی آواز بلند ہونے لگتی تھی۔ امام صاحب یہ حال دیکھکر قرارت سے رک جاتے تھے، یہ قرآن پڑھنے میں ان کے حسن صوت کا نتیجہ تھا۔ حسین بن علی کرابیسی کہتے ہیں کہ: میں نے امام صاحب کے ساتھ کئی راتیں گذاری ہیں، وہ تہائی رات تک نوافل میں پچاس سے سو تک آیتیں پڑھتے تھے اور ہر آیت پر مسلمانوں کے لئے دعا کرتے تھے۔ عذاب کی آیت پر اللہ کی پناہ مانگتے تھے [۱]

امام صاحب کا بیان ہے کہ میں نے خواب دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے سلام کر کے مصافحہ فرمایا، اور اپنی انگشتری نکال کر مجھے پہنادی، میں نے اپنے چچا سے اس کا تذکرہ کیا، انھوں نے بتایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مصافحہ عذاب سے امان ہے، اور انگشتری کی تعبیر یہ ہے کہ دنیا میں جہاں تک حضرت علیؓ کا نام پہنچا ہے تمہارا نام وہاں تک پہنچے گا [۲]

حب علیؓ اور تشیع کا الزام

حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں دو مختلف گروہ تھے، ایک علوی دوسرا عثمانی، امام شافعی کے دور میں بھی تشاجرات صحابہ میں علوی الفکر اور عثمانی الفکر دونوں طبقے موجود تھے اور ہر بڑے شخص کے بارے میں اسی نقطۂ نظر سے کام لیکر معمولی معمولی باتوں پر اپنا فیصلہ صادر کرتے تھے، چنانچہ امام صاحب میں بھی بعض لوگوں کو تشیع کی بو باس

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۶۳، ص ۶۴ ۔ [۲] ایضاً ص ۶۰

معلوم ہوئی کیونکہ آپ حضرت علی اور آلِ رسول سے محبت اور تعلق ظاہر کرتے تھے۔،
امام صاحب ہاشمی مُطّلبی ہیں، رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم یعنی
چچازاد بھائی ہوتے ہیں، خواب میں حضرت علیؓ سے مصافحہ و معانقہ کا شرف پایا اور
انکی انگشتری پہنی، ان وجوہ سے آپ حضرت علی، آل ابوطالب اور آل رسول کا احترام
کرتے تھے، یہ بات بعض لوگوں کو کھٹکی اور انھوں نے اس وقت کی عام روش کے
مطابق امام صاحب پر شیعیت کا گمان کیا۔

ایک مرتبہ امام صاحب ایک مجلس میں گئے جہاں آل ابوطالب کے بعض
اہل علم تھے، امام صاحب نے کہا کہ میں ان حضرات کے سامنے کلام نہیں کروں گا
یہ لوگ اہل فضل و کمال ہیں۔ ایک دن ایک شخص نے کوئی مسئلہ دریافت کیا، امام
صاحب نے جواب دیا، سائل نے کہا کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے خلاف
فتوی دیا ہے، امام صاحب نے فرمایا کہ تم اس مسئلہ کو حضرت علیؓ کے قول کے مطابق
ثابت کرو، میں اپنا رخسار زمین پر رکھدوں گا، اور اپنے قول سے رجوع کرونگا۔[1]

قاضی ایاز نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے امام شافعی سے کہا کہ آپ کے
اندر تشیّع کی خو بو ہے۔ آپ آل نبی سے محبت کا اظہار کرتے ہیں امام صاحب نے
کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا ہے کہ :

لا یومن احدکم حتی اکون احب	تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہو سکتا ہے
الیہ من والدہ وولدہ والناس	جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے
اجمعین	والد لڑکے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ متقی لوگ میرے دوست اور قرابتدار

---

[1] الفہرست ابن ندیم ص۲۹۵۔

ہیں اور متقی اور نیک رشتہ داروں سے محبت کا حکم ہے میں ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیک رشتہ داروں سے کیوں نہ محبت کروں ؟ پھر اشعار سنائے ۔

یاراکبا قف بالمحصب من منی ۔ واھتف لساکن خیبھا والناھض

سحر کو جب حجاج مزدلفہ سے منی کی طرف وادی کے سیلاب کی طرح امڈتے ہیں اے سوار

سحرا اذا فاض الحجیج الی منی ۔ فیضا کملتطم الخلیج الفائض

تم وادی محصب میں ٹھہر کر ہر کوچ کرنے والے اور قیام کرنے والے کو پکار دو اور کہو کہ

إن کان رفضا حب آل محمد ۔ فلیشھد الثقلان انی رافضی

اگر آل رسول کی محبت رفض ہے تو دو جہاں گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں [1]

ائمۂ دین اور معاصرین کے آراء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا منقول ہے :۔

اللّٰھم اھد قریشا فان عالمھا ۔ اے اللہ قریش کو ہدایت عطا فرما، اسلئے کہ ان کا

یملأ طباق الارض علما، اللّٰھم ۔ عالم سطح زمین کو علم سے پُر کر دیگا اے اللہ ! جسطرح

کما اذقتھم عذابا فاذقھم نوالا ۔ انکو عذاب میں مبتلا کیا تھا اب انعام سے نواز دے

ابو نعیم عبدالملک بن محمد کا قول ہے کہ اس حدیث میں عالم قریش سے مراد امام شافعی ہیں، امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر ایسے عالم دین کو پیدا کرتا ہے جو لوگوں کو سنت کی تعلیم دیتا ہے ، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع کرتا ہے ، ہم نے دیکھا کہ پہلی صدی کے سرے پر عمر بن عبدالعزیز اور دوسری صدی کے سرے پر امام شافعی نے یہ خدمت انجام دی ہے [2]

---

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۹ ، [2] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۶۱ و ۶۲ ، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۶

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ امام شافعی کے قیام مکہ کے زمانہ میں ایک مرتبہ میں وہاں گیا، احمد بن حنبل پہلے سے موجود تھے۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ ابو یعقوب اس شخص یعنی شافعی کے درس میں بیٹھو، میں نے کہا کہ میں انکے پاس بیٹھ کر کیا کروں گا میرا ان کا سن قریب قریب ہے، کیا میں انکی وجہ سے ابن عیینہ اور مقری کا درس چھوڑ دوں؟ احمد بن حنبل نے کہا کہ ابن عیینہ کی مجلس درس بعد میں بھی ملے گی اور شافعی کی مجلس نہیں ملے گی۔

عبداللہ بن زبیر حمیدی بیان کرتے ہیں کہ احمد بن حنبل ہمارے یہاں مکہ میں سفیان بن عیینہ کے یہاں مقیم تھے،

احمد بن حنبل ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ یہاں ایک قریشی عالم ہیں، میں نے نام پوچھا، انھوں نے کہا کہ یہ محمد بن ادریس شافعی ہیں، وہ بغداد میں انکی مجلس درس میں بیٹھ چکے تھے، ان کے اصرار پر ہم لوگ شافعی کے درس میں گئے اور چند مسائل پر گفتگو ہوئی ہم اٹھے تو احمد بن حنبل نے کہا کہ آپ نے انکو کیسا پایا؟ کیا اس قریشی عالم کے علم اور اس کے انداز بیان سے خوشی نہیں ہوئی؟ ان کی یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی، اور میں امام شافعی کی مجلس میں بیٹھنے لگا، اور انکی مجلس کے مقابلہ میں ان کے استاد سفیان بن عیینہ کی مجلس پھیکی پڑنے لگی، اس کے بعد میں بھی امام صاحب کے ساتھ مصر چلا گیا۔ محمد بن فضل بزاز اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سال میں نے احمد بن حنبل کے ساتھ حج کیا، ہم مکہ میں ایک ہی مکان میں ٹھہرے، میں صبح کی نماز پڑھ کر احمد بن حنبل کی تلاش میں مسجد حرام کی ایک ایک مجلس درس میں گیا، دیکھا کہ احمد بن حنبل ایک بدوی جوان (شاب اعرابی) کے پاس بیٹھے ہیں، میں نے ان کے قریب جاکر کہا کہ ابو عبداللہ! آپ سفیان بن عیینہ کی مجلس چھوڑ کر یہاں بیٹھے ہیں حالانکہ وہاں ابن شہاب زہری، عمرو بن دینار، زیاد بن علاقہ اور تابعین موجود ہیں

احمد بن حنبل نے کہا کہ خاموش رہو، اگر تم سے کوئی حدیث علو (سند عالی) سے فوت ہو جائے تو نزول (سند سافل) سے اس کو پا سکتے ہیں اور دین اور عقل میں تمھارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اور اگر اس جوان کی عقل تم کو نہ ملی تو میرے خیال میں قیامت تک اس کو نہیں پاؤگے، میں نے کتاب اللہ کا اس سے زیادہ فقیہہ اور زیادہ سمجھدار نہیں پایا، میں نے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ یہ محمد بن ادریس شافعی ہیں[۱]۔

ابو ثور کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ثوری اور نخعی سے زیادہ فقیہہ شافعی ہیں۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ:۔ محمد بن حسن شافعی کی جس قدر زیادہ تعظیم کرتے تھے کسی دوسرے اہل علم کی تعظیم نہیں کرتے تھے، ہلال بن علاء کا قول ہے کہ شافعی نے علم کے قفل کھولدیے ہیں، ابن ہشام کا قول ہے کہ شافعی لغت کے معاملہ میں حجت ہیں۔ ایک مرتبہ مصر میں ابن ہشام اور شافعی میں مردوں کے انساب پر مذاکرہ ہوا، امام شافعی نے تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ اس موضوع کو چھوڑ دو ہم کو سب معلوم ہے، عورتوں کے نسب کے بارے میں ہم سے بات کرو جب اس موضوع پر گفتگو ہوئی تو ابن ہشام خاموش ہو گئے اور بولے میں نہیں جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا عالم پیدا کیا ہے[۲]۔

حلیہ وہیئت

مزنی کا بیان ہے کہ امام شافعی سے زیادہ خوبصورت آدمی میں نے نہیں دیکھا، دونوں رخسار ہلکے پھلکے تھے، جب داڑھی پر ہاتھ رکھتے تھے تو ایک قبضہ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی، حنا کا خضاب استعمال کرتے تھے۔ عطریات اور خوشبو بہت زیادہ پسند تھیں۔ جس ستون سے ٹیک لگا کر مجلس درس میں بیٹھتے تھے، ایک ملازم اس پر خوشبو لگاتا تھا، طبیعت میں نفاست و نزاکت تھی۔

---

[۱] الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ۲ ص ۲۰۲، ص ۲۰۳، ص ۲۰۴۔ [۲] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۸۸

لباس و غذا کا خاص اہتمام کرتے تھے، قوت حافظہ کے لئے لوبان کا استعمال بہت زیادہ کرتے تھے، اس کی وجہ سے ایک مرتبہ ایک سال تک نکسیر میں مبتلا رہے[1]

حکیمانہ وادیبانہ اقوال

امام صاحب علم و فضل، عقل و فہم، حدیث و فقہ شعر و ادب، انتساب و ایام میں امتیازی مقام و مرتبہ کے مالک تھے، انکو شعر و ادب اور لغت و عربیت کا خاص ذوق تھا، اشعار کہتے تھے مگر چونکہ علماء کے لئے شاعری کو مناسب نہیں سمجھتے تھے اس لئے دینی علوم کے مقابلہ میں اس کی طرف توجہ نہیں کی، خود کہتے ہیں:

ولولا الشعر بالعلماء یُزْرِیْ　　لکنت الیوم اشعر من لبید

اگر شعر علماء کے لئے عیب نہ ہوتا　　تو میں آج لبید بن ربیعہ سے بڑا شاعر ہوتا

نیز فرماتے ہیں کہ میں نے عربی شعر و ادب اور لغت کو دین میں تعاون کے لئے حاصل کیا ہے۔ امام صاحب کے حکیمانہ اقوال میں عربی ادب و انشاء کی حلاوت ہے اور ان میں حکمت و دانش کے ساتھ فصاحت و بلاغت کی چاشنی ہے۔

ایک نے ان سے کہا کہ فرمائیے کیا حال ہے، آپ نے جواب دیا:

کیف اصبح من یطلبہ اللہ	اس کی حالت کیا ہوگی جس سے اللہ تعالیٰ
بالقرآن والنبی صلی اللہ علیہ	قرآن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنت کا
وسلم بالسنۃ، والحفظۃ بما	شیطان گناہوں کا، زمانہ اپنے مصائب کا
ینطق، وشیطان بالمعاصی، والدھر	نفس اپنی خواہشوں کا، اہل وعیال
بصروفہ، والنفس بشہواتہا، و	روزی کا، اور ملک الموت
والعیال بالقوت، وملک الموت	قبض روح کا مطالبہ
بقبض روحہ۔	کرتا ہے۔

[1] العبر ج ۱ ص ۳۴۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۲۹ تاریخ بغداد ج ۲ ص ۶۸، ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۹۳

ایک شخص کی خوبیاں یوں بیان کی ہیں :

اما واللہ لقد کان یملأ العیون	واللہ وہ شخص آنکھوں کو حسن وجمال سے اور
جمالا ، والاذان بیانا	کانوں کو فصاحت وبلاغت سے بھردیتا ہے۔

ان ادبی شہ پاروں کو سنکر ایک شخص نے دوبارہ کہنے کی گذارش کی تو امام صاحب نے کہا :

اعیدہ ۔ واللہ ۔ علیك	ہاں تمہارے سامنے میں اسکو دہرا رہا ہوں
بلا تهاترمنی ولا ابکاتة	اسمیں نہ غلط بیانی ہے، نہ کسی کو خاموش کرنا ہے
ولا تزکیة له لہ	اور نہ اس شخص کیطرف سے صفائی دینی ہے۔

تحصیل علم کے بارے میں فرمایا ہے کہ :

لا یطلب هذا العلم احد	یہ علم دین کوئی شخص مالداری اور عزت نفس
بالمال، وعز النفس فیفلح	سے حاصل کرکے کامیاب نہیں ہو سکتا، البتہ جو
ولکن من طلبه بذلة	شخص نفس کی ذلت ، فقر و محتاجی اور علم کی
النفس وضیق العیش وحرمة	حرمت کے ساتھ اس کو حاصل کرے گا ، وہ
العلم افلح ٢	کامیاب ہوگا۔

مفتی ومجتہد اگر غلطی بھی کرے گا تو حسن نیت کی وجہ سے عند اللہ ماجور ہوگا امام صاحب کہتے ہیں :

ومن قال یقوله یوجر، ولکنه	جو عالم فتویٰ دے گا اجر پائے گا ، البتہ دین
لا یوجر علی الخطاء فی الدین لم	میں غلطی پر اجر نہیں ملیگا اسکی اجازت کسی کو
یوجر به احد، وانما یوجر	نہیں ہے اور ثواب اس لیے ملے گا کہ جو غلطی اس نے

---

١ ترتیب المدارک ج ١ ص ٣٩٤ ، ٢ جامع بیان العلم ج ص ٩٨

لاریٰ ادتہ الحق الذی اخطأہ[1] — کی ہے اس میں اسکی نیت برحق تھی۔

ایک موقع پر فرمایا کہ:

الطبع ارض والعلم بذر ولا یکون العلم الا بالطلب، فاذا کان الطبع قابلاً زکا مزیع العلم وتفرعت معانیہ — طبیعت زمین ہے اور علم بیج ہے، اور علم طلب سے ملتا ہے، جب طبیعت قابل ہوگی تو علم کی کھیتی لہلہائیگی اور اس کے معانی اور مطالب شاخ درشاخ پھیلیں گے۔

ایک مرتبہ طرز استدلال کے بارے میں فرمایا کہ:

احسن الاحتجاج ما اشرقت معانیہ، أحکمت مبانیہ وابتہجت لہ قلوب سامعیہ[2] — بہترین استدلال وہ ہے جس کے معانی روشن اور اصول مضبوط ہوں اور سننے والوں کے دل خوش ہوجائیں۔

طلب حاجت کے لئے امام صاحب کی یہ دعاء علماء کے درمیان مجرب ہے، اور اسکی قبولیت مشہور ہے "اَللّٰھُمَّ یَا لَطِیْفُ اَسْأَلُكَ اللُّطْفَ فِیْمَا جَرَتْ بِہٖ الْمَقَادِیْرُ[3]۔ اس دعاء کے پڑھنے سے گمشدہ چیز مل جاتی ہے۔

تصانیف امام شافعی صاحب تصانیف کثیرہ ائمہ دین میں سے ہیں، نوخیزی کے زمانہ میں کتاب الرسالہ جیسی اہم کتاب اصول فقہ میں لکھی، تیر اندازی اور شہسواری کے موضوع پر اسی زمانہ میں کتابیں لکھیں آپکے حسن تصنیف کی شہادت بڑے بڑے صاحب طرز ادباء اور انشاء پرداز دیتے تھے، جس کی آپکو مطلق ضرورت نہیں تھی، آپ کا مقام ومرتبہ اس سے بہت بلند ہے، جاحظ نے کہا ہے

نظرتُ فی کتب الشافعی فاذا درمنظوم ارا حسن تالیفامنہ[4] — میں نے شافعی کی کتابیں دیکھی ہیں، وہ گوندھے ہوئے موتی ہیں ان سے بہتر مصنف میں نے نہیں دیکھا۔

---

[1] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۶۲، [2] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۹۳، [3] ابن خلکان ج ۲ ص ۳۰، [4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۹

ابن ندیم نے لکھا ہے کہ فقہ میں امام صاحب کی ایک مبسوط کتاب ہے جس کو ان سے ربیع بن سلیمان اور زعفرانی نے روایت کیا ہے، یہ کتاب فلاں فلاں کتابوں پر مشتمل ہے، پھر تقریباً ایک سو چار کتب کے نام درج کیے ہیں[1] امام صاحب کی ان کتابوں کے مجموعہ کا نام کتاب الام ہے، اس کے علاوہ مسند شافعی وغیرہ ہیں۔

وفات ۲۰۴ھ امام شافعی ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور آخری رجب ۲۰۴ھ پنجشنبہ کے دن اور جمعہ کی رات میں مصر میں فوت ہوئے، اس وقت ان کی عمر چوّن سال کی تھی، امام صاحب اپنی وصیت کے مطابق عبداللہ بن عبدالحکم کے یہاں بیماری کے ایام میں رہے اور وہیں انتقال فرمایا، ان کے لڑکوں نے تجہیز و تکفین کی سعادت پائی اور امیر مصر نے جنازہ کی نماز پڑھائی، جبل مقطم کے قریب قرافۂ صغریٰ میں دفن کئے گئے، ربیع بن سلیمان مرادی کا بیان ہے کہ میں نے تدفین سے واپسی پر راستہ میں شعبان کا چاند دیکھا تھا اور رات میں امام صاحب کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ امام صاحب نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نور کی کرسی پر بٹھایا۔ امام صاحب کے صاحبزادے عثمان کہتے ہیں کہ والد کی عمر انتقال کے وقت ۵۰ سال کی تھی[2]

ربیع کا بیان ہے کہ امام صاحب کے بعد ہم لوگ ان کے حلقۂ درس میں بیٹھے تھے، ایک اعرابی نے آکر سلام کے بعد سوال کیا کہ:

این قمر ھذہ الحلقہ وشمسہا — اس حلقہ کے شمس و قمر کہاں ہیں؟

ہم نے بتایا کہ ان کا انتقال ہوگیا، یہ سُنکر وہ پھوٹ پھوٹ کر رویا اور یہ الفاظ کہکر چلا گیا

---

[1] الفہرست ص ۲۹۵، ص ۲۹۶۔ [2] تاریخ بغداد ج ۲ ص ۷۰، ابن خلکان ج ۲ ص ۲۰

رحمہ اللہ وغفرلہ، ما کان	اللہ تعالیٰ اس پر رحم اور اس کی مغفرت کرے، کس
یفتح ببیانہ مغلق الحجۃ ویہدی	خوبی سے دلیل وحجت کی گتھیوں کو اپنے بیان سے سلجھاتا
خصمہ واضح الحجۃ ویغسل	تھا، اپنے مقابل کو واضح دلیل سے ہدایت دیتا تھا
من العار وجوھا مسودۃ،	شرمندہ چہروں سے عار دھوتا تھا اپنے اجتہاد
ویوسع من الرأی ابوابا منسدۃ[1]	سے مسائل کے بند دروازے کھولتا تھا۔

اولاد و احفاد

امام صاحب کی اولاد کے بارے میں ابن حزم نے لکھا ہے کہ آپ کے دو صاحبزادے تھے ایک ابوالحسن محمد جو قنسرین اور عواصم کے قاضی تھے، انھوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی، دوسرے عثمان تھے جنھوں نے امام احمد بن حنبل سے علم حاصل کیا، ان سے بھی اولاد کا سلسلہ نہیں چلا[2] اور سبکی نے طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ امام صاحب کے دو صاحبزادے تھے ایک قاضی ابوعثمان محمد اور دوسرے ابوالحسن محمد، ابوعثمان سب سے بڑی اولاد تھے، امام صاحبؒ کی وفات کے وقت مکہ میں تھے، انھوں نے اپنے والد امام صاحب، سفیان بن عیینہ، عبدالرزاق اور احمد بن حنبل سے روایت کی ہے، جزیرہ وغیرہ کے قاضی تھے، حلب میں بھی عہدۂ قضا پر رہے، انکے تین اولاد تھی، عباس، ابوالحسن جن کا بچپن میں انتقال ہوا اور ایک لڑکی فاطمہ جس سے اولاد کا سلسلہ نہیں چلا، ابوعثمان کا انتقال جزیرہ میں ۲۴۰ھ میں ہوا۔ دوسرے صاحبزادے ابوالحسن محمد دنانیر نامی باندی کے بطن سے تھے، وہ بچپن میں اپنے والد یعنی امام صاحب کے ساتھ مصر آگئے تھے اور وہیں شعبان ۲۳۱ھ میں انتقال کیا[3] امام صاحبؒ کی ایک صاحبزادی زینب تھیں جن کے بطن سے ابومحمد احمد بن محمد بن عبداللہ بن عباس بن عثمان بن شافع پیدا ہوئے، اپنے والد کے ذریعہ اپنے نانا امام شافعی سے روایت کی تھی، کہتے ہیں کہ آل شافع میں امام صاحب کے بعد انکے مثل کوئی عالم پیدا نہیں ہوا۔ انکو اپنے نانا کی برکت حاصل تھی[4]

---

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۹۲، [2] جمہرۃ انساب العرب، ص ۸۳، [3] طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۲ ص ۷۲ تا ۷۳
[4] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۸۶۔

امام احمد بن حنبل شیبانی بغدادیؒ

نام و نسب امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبد اللہ بن حیان بن عبد اللہ بن انس بن عوف بن قاسط بن مازن بن شیبانی بن ذھل بن ثعلبہ بن عکابہ بن صعب بن علی بن بکر بن وائل شیبانی مروزی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ[1]۔

۱۴ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم و مشورہ سے حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے بصرہ آباد کیا، جہاں عرب کے مختلف قبائل آکر آباد ہوئے ان میں بنی شیبان بن ذہل کی ایک شاخ بنو مازن بھی تھی جس سے امام احمد بن حنبل کا نسبی و خاندانی تعلق تھا، جب آپ بصرہ جاتے تھے تو اکثر اپنے خاندان کی مسجد میں نماز پڑھتے تھے، عبد اللہ بن رومی کا بیان ہے کہ میں بصرہ میں احمد بن حنبل کو اکثر دیکھتا تھا کہ بنی مازن کی مسجد میں آتے تھے اور نماز پڑھتے تھے ایک مرتبہ میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو بتایا کہ یہ میرے آبار واجداد کی مسجد ہے[2]۔

جب خراسان کا ملک فتح ہوا اور وہاں کے شہر مَرْو میں عرب کے قبائل آباد کئے گئے اور انکو وہاں جاگیر اور زمین دی گئی تو آپ کے خاندان والے بھی مرو میں آباد ہوگئے اور وہیں مستقل بود و باش اختیار کرلی۔ ابو زرعہ رازی کا بیان ہے۔

احمد بن حنبل اصلہ بصری وخطتہ بمرو[3]۔ احمد بن حنبل بصری الاصل ہیں اور مرو میں انکا خطہ اور مکان تھا

---

[1] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۱۳ و مناقب الامام احمد بن حنبل ابن جوزی ص ۱۶ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، سبکی ص ۲۷ ج ۲

[2] مناقب الامام احمد ص ۱۹ ، [3] مناقب الامام احمد ص ۱۴

امام صاحب کے دادا حنبل بن ہلال سرخس کے امیر وحاکم تھے، جو اس زمانہ کی سیاست میں نمایاں شخصیت کے مالک تھے۔ ایک مرتبہ مسیب بن زہیر ضبی امیر بخارا نے ان کو اور ابوالنجم اسحاق بن عیسیٰ سعدی کو سزا دی کیونکہ ان لوگوں نے لشکر میں سازش کرکے ہنگامہ کرایا تھا۔[1]

امام صاحب کی والدہ بھی قبیلہ بنی شیبان سے تھیں، ان کا نام صفیہ بنت میمونہ بنت عبدالملک شیبانی تھا، نانا کا نام عبدالملک بن سوادہ بن ہند تھا، وہ قبیلہ شیبانی کے اعیان و اشراف میں سے تھے، ان کے یہاں مرو میں عرب کے قبائل آتے تھے اور وہ انکی دعوت و مدارات کیا کرتے تھے، امام صاحب کے والد مرو میں ان ہی کے یہاں رہتے تھے اور ان کی صاحبزادی سے شادی کرلی تھی۔[2]

ان کے بارے میں کتابوں میں جندی اور قائد کی تصریح ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی مقام میں امیر لشکر کے عہدہ پر تھے۔

ولادت اور بچپن

امام صاحب کے والد کسی وجہ سے مرو سے ترک وطن کرکے ۱۶۴ھ کے حدود میں بغداد چلے آئے، اس وقت امام صاحب شکم مادر میں تھے۔ ربیع الاول ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے، جیسا کہ خود آپ کا بیان ہے۔ بغداد آنے کے بعد جلد ہی آپکے والد کا انتقال ہوگیا، اس وقت انکی عمر تیس سال کی تھی اور امام بچے تھے، کہتے ہیں کہ میں نے نہ اپنے والد کو دیکھا نہ دادا کو دیکھا اور والدہ نے میری تربیت کی۔[3]

ماں نے اپنے اس یتیم بچے کو بڑے اہتمام اور پیار و محبت سے تعلیم و تربیت دی

---

[1] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۱۴، مختصر تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۲۹ (ابن جوزی)۔ [2] مناقب الامام احمد ص ۱۹، ۲۰۔ [3] مناقب الامام احمد ص ۱۴، ۱۵۔

بچہ بھی اپنی والدہ سے نہایت سعادت مندی اور احترام کے ساتھ پیش آتا تھا ۱۸۶ھ میں دریائے دجلہ میں زبردست سیلاب آیا تھا اس وقت امام صاحب کی عمر بائیس سال کی تھی ان ہی ایام میں ملک رے کے محدث جریر بن عبدالحمید بغداد آئے، امام صاحب کے ساتھی حدیث کی روایت کے لئے اس سیلاب میں انکے یہاں پہنچے مگر امام صاحب اس لئے نہ جاسکے کہ والدہ نے اجازت نہیں دی۔

اسی طرح جب امام صاحب صبح کو اندھیرے میں کسی محدث کے یہاں جانا چاہتے تھے تو والدہ غایتِ شفقت و محبت کی وجہ سے جانے نہیں دیتی تھیں، خود بیان کرتے ہیں کہ :-

کنت ربما اردت البکور فی الحدیث فتاخذ امی بثیابی وتقول حتی یوذن الناس، او حتی یصبحوا وکنت ربما بکرت الی مجلس ابی بکر بن عیاش وغیرہ ۔[1]	بسا اوقات میں منہ اندھیرے حدیث پڑھنے کا ارادہ کرتا تھا مگر میری ماں میرے کپڑے پکڑ کر کہتی تھی کہ صبح ہونے دو اس کے باوجود میں بسا اوقات منہ اندھیرے ابوبکر بن عیاش کی مجلس درس میں پہنچ جاتا تھا۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی والدہ زیادہ دنوں تک زندہ رہیں اور اپنے لڑکے کو نہایت محبت و شفقت سے تعلیم و تربیت دی، دلائی۔

مکتب کی تعلیم اور نیک نفسی

امام صاحب بچپن سے مکتب میں تعلیم حاصل کرنے لگے تھے اور اسی زمانہ میں انکی شرافت، نیک نفسی اور بزرگی کا شہرہ ہوگیا تھا ابو عفیف راوی کا بیان ہے کہ :-

---

[1] مناقب الامام احمد ص ۲۶

كان فی الكُتّاب معنا	احمد بن حنبل مکتب میں ہمارے ساتھ
وھو غُلیم نعرف	تھے، وہ اس وقت بہت چھوٹے تھے
فضلہ ،	اور ہم طلبہ انکی بزرگی سے واقف تھے ۔

اس زمانہ میں خلیفہ مقام رقہ میں تھا اور بغداد کے اعیان واشراف اس کے ساتھ وہاں مقیم تھے، وہ لوگ اپنے گھروں کو خط لکھتے تھے، انکی عورتیں مکتب کے معلم کے یہاں کہلا بھیجتی تھیں کہ احمد بن حنبل کو بھیج دو تاکہ وہ ہمارے خطوط کے جواب لکھدیں وہ سرنیچا کئے گھروں میں جاتے تھے اور ان کے خطوط لکھتے تھے، بعض اوقات کوئی نامناسب بات ہوتی تو اس کو نہیں لکھتے تھے ۔

ایک مرتبہ ایک امیر نے امام صاحب کے چچا کو خط لکھا اور انھوں نے جواب لکھکر ان کو یہ کہکر دے دیا کہ قاصد آئے تو یہ خط اس کو دے دینا، قاصد نے جواب کا تقاضا کیا تو چچا نے کہا کہ میں نے جواب لکھ کر احمد کو دے دیا تھا اس نے تم کو دیا ہوگا، پھر امام صاحب کو بلا کر دریافت کیا تو امام صاحب نے کہا کہ اس میں فلاں بات نامناسب تھی اس لئے میں نے اس کو طاق پر رکھدیا ۔

خلیفہ کے قیام رقہ کے زمانہ میں داؤد بن بسطام نے امام صاحب کے چچا کو لکھا کہ آج کل بغداد کی خبر نہیں مل رہی ہے میں خلیفہ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں، چچا نے داؤد بن بسطام کا جواب لکھکر امام کو دے دیا۔ جب ان کو بلا کر معلوم کیا تو بتایا کہ میں ایسی خبروں کو وہاں پہنچاؤں گا ؟ میں نے وہ خط پانی میں ڈال دیا ہے ۔ جب ابن بسطام کو اس کی خبر ملی تو کہنے لگا کہ :

ھذا غلام یتورع فکیف نحن : یہ لڑکا متقی بنے گا تو ہم کیا کریں گے ۔

ابو سراج کہتے ہیں کہ میرے والد احمد بن حنبل کے حسن سیرۃ وشرافت پر تعجب کر کے کہتے تھے کہ میں اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت پر کافی دولت خرچ کرتا ہوں، ان کے لئے معلم ومودب

مقرر کرتا ہوں تاکہ وہ ادب سیکھیں مگر انکو کامیاب نہیں پا رہا ہوں اور یہ احمد بن حنبل یتیم لڑکا ہے دیکھو کیسا اچھا چل رہا ہے۔

حدیث کی تعلیم اور علمی اسفار۔

امام صاحب نے مکتبی تعلیم کے بعد سولہ[۱۶] سال کی عمر میں حدیث کی تعلیم شروع کی اور اس کی ابتدا قاضی ابو یوسف کی مجلس درس سے کی خود کہتے ہیں :۔

اوّل من کتبتُ عنه الحدیث ابو یوسف [له] ؛ میں نے سب سے پہلے ابو یوسف سے حدیث لکھی۔

امام صاحب کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں ہم لوگ قاضی ابو یوسف کی مجلس درس میں جاتے تھے بشر مریسی آکر سب کے پیچھے بیٹھ جاتے اور وہیں سے شور مچاتے اور کہتے کہ ابو یوسف ! یہ کیا کہتے ہو ؟ اسی طرح برابر چیخے چلاتے رہتے اور ابو یوسف طلبہ سے کہتے کہ انکو میرے پاس لے آؤ ایک دن بشر مریسی نے آکر اسی طرح مجلس میں ہنگامہ شروع کیا ابو یوسف نے ان کو اپنے پاس بلوایا ، میں انکے قریب ہی بیٹھا تھا ، بشر مریسی ایک مسئلہ میں قاضی ابو یوسف سے بحث کرنے لگے مگر میں ان دونوں حضرات کی پوری بات نہیں سن سکا اور اپنے پہلو والے ساتھی سے پوچھا کہ قاضی ابو یوسف نے بشر مریسی سے کیا کہا ؟ اس نے بتایا کہ ابو یوسف کہہ رہے ہیں کہ آپ لکڑی میں آگ لگا کر ہی مانیں گے ؟

(کتاب السنۃ امام احمد بن حنبل ، طبع مکہ مکرمہ صـ ۳۳)

امام صاحب نے بغداد کے شیوخ و محدثین سے علم حاصل کرنے کے بعد کوفہ بصرہ ، مکہ ، مدینہ ، یمن ، شام ، جزیرہ ابادانی وغیرہ کا سفر کر کے وہاں کے شیوخ سے

له مناقب الامام احمد صـ ۲۰ و ۲۱

سے روایت کی ۔

ان کے تعلیمی رحلات و اسفار کے بارے میں ان کے صاحبزادے اور تلامذہ نے ان کے بیانات نقل کئے ہیں، جن کا خلاصہ ہم یہاں درج کرتے ہیں، امام صاحب کہتے ہیں کہ میں نے ۱۷۹ھ میں علی بن ہاشم بن برید سے حدیث کا سماع کیا، یہ میری حدیث کی تعلیم کا پہلا سال تھا اور اسی سال ہشیم بن بشیر سے پہلے سماع کیا، اسی سال عبداللہ بن مبارک آخری بار بغداد آئے تھے میں انکی مجلس درس میں گیا تو معلوم ہوا کہ وہ طرسوس چلے گئے ہیں، ان کا انتقال ۱۸۱ھ میں ہوا [۱] اس وقت میری عمر ۱۶ سولہ سال کی تھی، اور ہشیم بن بشیر کے انتقال کے وقت میں بیس سال کا تھا، اسی سال حماد بن زید اور مالک بن انس کا انتقال ہوا، ہشیم کی مجلس درس میں ۱۸۳ھ تک رہا، اسی سال ان کا انتقال ہوا، ہم نے ان سے کتاب الحج لکھی جو ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھی، تیسرے کتاب القضاء، اور بعض تفاسیر اور مختصر کتابیں لکھیں، اسی طرح تقریباً تین ہزار احادیث جمع کیں، ہشیم ہم کو کتاب الجنائز کا املا کرا رہے تھے، اسی درمیان میں حماد بن زید کے انتقال کی خبر پہنچی۔ ہشیم کے انتقال سے پہلے میں نے عبدالمومن بن عبداللہ بن خالد عیسیٰ سے حدیث کا سماع کیا، اور ۱۸۲ھ میں رے کے عالم ابو مجاہد علی بن مجاہد کابلیؒ سے حدیث کی روایت کی، اسی سال ملک رے کا سفر کیا، ۱۸۶ھ میں بصرہ کا پہلا سفر کیا، اور ۱۸۷ھ میں مکہ مکرمہ سفیان بن عیینہ کی خدمت میں حاضر ہوا، ہمارے مکہ پہنچنے سے کچھ پہلے فضیل بن عیاض کا انتقال ہو چکا تھا، اسی سال میں نے پہلا حج کیا، ابراہیم بن سعد سے بھی حدیث لکھی اور ان کے پیچھے کئی بار نماز پڑھی ۱۸۶ھ کے آخری عشرہ میں عبادان گیا۔ اسی سال معتمر بن سلیمان کے یہاں گیا ۱۹۸ھ میں ہم لوگ یمن ہیں

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۱۶

عبدالرزاق کے یہاں تھے، وہیں سفیان بن عیینہ اور عبدالرحمٰن بن مہدی، اور یحییٰ بن سعید قطان کی وفات کی خبر ملی ۱۹۴ھ میں بصرہ میں سلیمان بن حرب اور ابوالنعمان عارم اور ابو عمر حوضی سے حدیث کا سماع کیا، اگر میرے پاس پچاس درہم ہوتے تو میں جریر بن عبدالحمید کے یہاں رے جاتا، میرے بعض ساتھی گئے مگر میں نہیں جاسکا، کوفہ گیا تو ایسے مکان میں ٹھہرا جس میں اینٹ کا تکیہ تھا، وہاں مجھے بخار آگیا تو والدہ کے پاس واپس چلا آیا، میں والدہ کی اجازت کے بغیر کوفہ گیا تھا، پانچ بار بصرہ گیا، پہلی بار رجب ۱۸۶ھ میں گیا، وہاں جاکر معتمر بن سلیمان سے سماع کیا، دوسری بار ۱۹۰ھ میں گیا، تیسری بار ۱۹۴ھ میں گیا، اس وقت غندر کا انتقال ہوچکا تھا تو یحییٰ بن سعید کے یہاں چھ ماہ قیام کیا، ان کے یہاں سے واسط میں یزید بن ہارون کی خدمت میں پہنچا جب ان کو معلوم ہوا کہ میں یزید بن ہارون کے یہاں گیا ہوں تو کہا کہ وہ واسط میں یزید بن ہارون کے یہاں کیا کریں گے؟ مطلب یہ تھا کہ احمد بن حنبل یزید بن ہارون سے علم میں آگے ہیں۔

ابراہیم بن ہاشم کا بیان ہے کہ جریر بن عبدالحمید رے سے بغداد آئے اور بنی مسیب میں ٹھہرے، جب وہاں سے مشرقی بغداد میں آئے تو دریائے دجلہ میں بڑا خطرناک سیلاب آگیا۔ میں نے احمد بن حنبل سے کہا کہ ہم اُس پار چل کر جریر بن عبدالحمید سے حدیث کا سماع کریں۔ انھوں نے کہا کہ میری ماں مجھے اجازت نہیں دیتی ہے، اور میں نے تنہا جاکر جریر بن عبدالحمید سے پڑھا، یہ سیلاب ۱۸۶ھ میں آیا تھا، اسوقت ہارون رشید کی طرف سے سندھی بن شاہک بغداد کا حاکم تھا، اس نے دجلہ پار کرنے سے لوگوں کو روک دیا تھا۔

یعقوب بن اسحاق بن ابواسرائیل کا بیان ہے کہ میرے والد اور احمد بن حنبل نے طلب علم میں بحری سفر کیا اور سمندر میں کشتی ٹوٹ گئی تو ایک جزیرے میں اتر گئے۔

صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے کہ میرے والد نے پیدل طرسوس کا سفر کیا تھا

امام صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں یمن میں ابراہیم بن عقیل کے پاس پہنچا، وہ سخت مزاج عالم تھے ان تک رسائی مشکل تھی ان کے دروازے پر دو ایک دن پڑا رہا تب ان کے پاس پہنچ سکا، انھوں نے مجھ سے دو حدیثیں بیان کیں، حالانکہ ان کے پاس وہب بن منبہ کی روایت سے حضرت جابرؓ کی بہت سی حدیثیں تھیں مگر انکی درشتی مزاج کیوجہ سے ان کو نہ ان سے سن سکا اور نہ ان کے شاگرد اسماعیل بن عبدالکریم سے کیونکہ ابراہیم بن عقیل زندہ تھے۔

خشنام بن سعد نے ایک مرتبہ امام صاحب سے دریافت کیا کہ کیا یحییٰ بن یحییٰ امام تھے؟ امام صاحب نے کہا کہ وہ میرے نزدیک امام تھے، اگر میرے پاس سفر خرچ ہوتا تو میں ان کے یہاں سفر کر کے جاتا۔

راہِ طلب میں مشکلات اور فقر و فاقہ:

احمد بن ابراہیم دورقی کا بیان ہے کہ احمد بن حنبل عبدالرزاق کے یہاں سے مکہ آئے تو میں نے انکو بہت تھکا ماندہ پایا، میں نے کہا ابو عبداللہ آپ نے اس سفر میں بڑی مشقت برداشت کی ہے جسم پر تھکن کے آثار ظاہر ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے عبدالرزاق سے جو علمی و دینی استفادہ کیا ہے، اس کے مقابلہ میں یہ مشقت بہت معمولی ہے، ہم نے انسے الزهري، عن سالم، عن عبد الله، عن ابيه اور الزهري، عن سعيد بن المسيب عن ابي هريرة کی سند سے حدیث لکھی ہے۔

ایک مرتبہ امام صاحب اور یحییٰ بن معین نے ایک ساتھ حج کیا، امام صاحب نے یحییٰ بن معین سے کہا کہ ان شاء اللہ حج کے بعد ہم لوگ عبدالرزاق کے یہاں صنعاء میں جاکر ان سے حدیث کا سماع کریں گے، امام صاحب کا بیان ہے کہ ہم طواف کر رہے تھے اتفاق سے عبدالرزاق طواف میں مل گئے، ابن معین سابقہ تعارف کی وجہ سے ان کو فوراً پہچان گئے

عبدالرزاق طواف و نماز سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے بیٹھ گئے، ہم لوگ طواف و نماز سے فارغ ہوئے تو ابن معین نے ان کے پاس جا کر سلام کیا اور کہا کہ یہ آپکے بھائی احمد بن حنبل ہیں عبدالرزاق نے مجھکو دعا دی اور کہا کہ ان کے بارے میں مجھے اچھی باتیں معلوم ہیں، ابن معین نے کہا کہ ان شاء اللہ کل ہم لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث کا سماع کریں گے، اسکے بعد عبدالرزاق چلے گئے۔

میں نے ابن معین سے کہا کہ آپ نے عبدالرزاق سے کیوں وعدہ کرلیا؟ انھوں نے کہا کہ ان سے حدیث کا سماع کریں گے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے صنعاء تک آنے جانے میں دو ماہ کے سفر اور اخراجات سے بچا لیا، میں نے کہا:

ما کان اللہ یرانی و قد	اللہ تعالیٰ مجھکو ایسی حالت میں دیکھے
نویت نیۃ افسد ھا بما	کہ آپکے کہنے سے اپنی نیت خراب کردوں،
تقول نمضی فنسمع منہ۔	ہم انکے یہاں جا کر حدیث سنیں گے۔

چنانچہ حج سے فراغت کے بعد امام صاحب نے یمن کا سفر کیا اور صنعاء جا کر عبدالرزاق سے پڑھا، حالانکہ اس وقت شدید مالی مشکلات درپیش تھیں۔

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ احمد بن حنبل نے عبدالرزاق کے یہاں سے چلتے وقت خرچہ ختم ہوجانے کی وجہ سے ساربانوں کے یہاں مزدوری کی، خود عبدالرزاق کا بیان ہے کہ احمد بن حنبل ہمارے یہاں تقریباً دو سال مقیم رہے، انکی مشکلات دیکھ کر میں نے کہا کہ ابو عبداللہ! ہمارے ملک یمن میں تجارت نہیں ہے اور نہ ہی کسب و معیشت کی فراوانی ہے، یہ کچھ دینار ہیں، انکو قبول کرلیں، مگر انھوں نے قبول نہیں کیا، یہ واقعہ یاد کرکے عبدالرزاق رو دیا کرتے تھے۔

امام صاحب واسط میں یزید بن ہارون کے یہاں سخت سردی کے زمانہ میں گئے، مالی مشکلات درپیش ہوئیں تو اپنا جبہ ایک ساتھی کو دیا تا کہ اسکو فروخت

کردیے ، اس نے یزید بن ہارون سے اس کا تذکرہ کیا انھوں نے دو سو درہم بھجوائے مگر امام صاحب نے یہ کہکر قبول نہیں کیا کہ میں ضرورت مند اور مسافر ہوں مگر اپنے کو اس طرح کے ہدایا و عطایا کا عادی بنانا پسند نہیں کرتا ہوں ۔

جس زمانہ میں امام صاحب مکہ مکرمہ میں سفیان بن عُیینہ سے تحصیل علم کر رہے تھے ، انکے کپڑے وغیرہ چوری ہو گئے جب اس کا پتہ چلا تو پوچھا کہ میری الواح کا کیا ہوا جن میں احادیث لکھی ہیں ، لوگوں نے بتایا کہ وہ طاق میں محفوظ ہیں ، اس حادثہ کی وجہ سے کئی دن مجلسِ درس میں حاضر نہیں ہوئے اور پتہ چلانے پر معلوم ہوا کہ ان کے جسم پر دو پرانے کپڑے ہیں اس کے بعد ایک ساتھی سے ایک دینار لے کر کپڑا خرید الیا[1]

مع المحبرہ الی المقبرہ

جس زمانہ میں امام صاحب کی علمی و دینی شہرت بام عروج پر تھی اور انکی شخصیت ، علمیت ، دین داری اور بزرگی کا عام چرچا تھا ، ایک شخص نے دیکھا کہ ہاتھ میں دوات (محبرہ) لئے کسی محدث کی درسگاہ میں جا رہے ہیں ، اس نے کہا کہ ابو عبداللہ ! آپ علم کے اس بلند مقام پر پہنچ چکے ہیں اور امام المسلمین ہیں ، پھر بھی پڑھنے جا رہے ہیں ؟ امام صاحب نے جواب دیا :

مع المحبرة الی المقبرة ۔۔۔۔ محبرہ (دوات کے ساتھ مقبرہ (قبرستان) تک ۔

محمد بن اسماعیل صائغ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ بغداد گیا ۔ احمد بن حنبل ہمارے سامنے سے اس حال میں گذرے کہ دونوں جوتے ہاتھ میں تھے اور دوڑ رہے تھے میرے والد نے بڑھ کر ان کے کپڑے پکڑ لئے اور پوچھا کہ ابو عبداللہ ! کب تک طالبعلمی

---

[1] تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۳۶ تا ص ۳۸

کردگے ؟ آپ کو ان بچوں کے ساتھ دوڑتے ہوئے شرم بھی نہیں معلوم ہوتی ہے ؟ امام احمد نے اس کے جواب میں صرف اتنا کہا اور چلتے بنے : " الی الموت " یعنی موت تک [1]

وکیع بن جراح عام طور سے رات گئے احمد بن حنبل کے یہاں آتے تھے اور دونوں حضرات حدیث کا مذاکرہ کرتے تھے ، ایک رات وکیع آئے ، اور احمد بن حنبل کے دروازہ کے دونوں بازو پکڑ کر کھڑے ہو گئے ، اندر سے احمد بن حنبل آئے اور دونوں دروازہ پر حدیث کا مذاکرہ کرنے لگے ، وکیع نے کہا کہ میں آپکے سامنے سفیان بن عُیینہ کی احادیث رکھتا ہوں ، احمد بن حنبل نے کہا کہ بیان کرو ، چنانچہ وکیع نے عن سفیان ، عن سلمۃ بن کہیل کے سلسلہ سند کی احادیث پیش کیں اور احمد بن حنبل نے بتایا کہ یہ حدیثیں اسی طرح مجھے یاد ہیں ، پھر احمد بن حنبل نے وکیع سے کہا کہ آپ کو سلمہ بن کہیل کی حدیثیں یاد ہیں ؟

اسی طرح دونوں طلبۂ حدیث رات بھر دروازے پر کھڑے کھڑے احادیث کے بارے میں بحث و مذاکرہ کرتے رہے اور صبح ہو گئی [2]

حدیث پر عمل امام صاحب زمانۂ طالب علمی میں ہر حدیث پر عمل کرتے تھے ، کہتے ہیں کہ میں نے جو حدیث لکھی اس پر عمل کیا حتی کہ جب یہ حدیث معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنی لگوائی اور ابو طیبہ حجام کو ایک دینار عنایت فرمایا تو میں نے بھی پچھنی لگوا کر حجام کو ایک دینار دیا ۔ (مناقب الامام احمد ص۱۷۹)

اساتذہ کی نظر میں جس وقت امام صاحب اسمٰعیل بن علیہ کی خدمت میں طلب علم کے لئے گئے آپ کی عمر تیس سال سے کم تھی ، ابن علیہ کے خاندان والے آپ کا احترام کرتے تھے اور ہر معاملہ میں خصوصی توجہ سے کام لیتے تھے ۔

---

[1] مناقب الامام احمد ص۲۳ ۔ [2] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص۲۸

ایک مرتبہ ابن عُلیہؒ کی درسگاہ میں کسی طالب علم نے کوئی بات کہی جس پر تمام طلبہ ہنس پڑے احمد بن حنبل بھی حلقۂ درس میں موجود تھے۔ ابن علیہ طلبہ پر سخت برہم ہوئے اور کہنے لگے کہ یہاں احمد بن حنبل موجود ہیں اور تم لوگ ہنس رہے ہو؟ (مختصر تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۳۰)

یزید بن ہارون کے یہاں امام صاحب طلب علم میں گئے تو وہ انکی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے، حتیٰ کہ ایک مرتبہ امام صاحب بیمار پڑ گئے تو یزید بن ہارون انکی عیادت کیلئے آئے اور سواری بھیجی (مختصر تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۳۰)

ایک دن مجلس درس میں یزید بن ہارون نے کوئی تفریحی بات کہی احمد بھی حاضر تھے، انھوں نے اس بات پر کھانس دیا، یزید بن ہارون نے کہا کون؟ حاضرین نے احمد بن حنبل کا نام لیا تو کہا کہ اگر معلوم ہوتا کہ یہاں احمد بن حنبل موجود ہیں تو میں ہنسی کی بات نہ کرتا۔

(احمد بن حنبل ص ۱۸۰)

اساتذہ وشیوخ

امام صاحب نے اپنے شہر بغداد کے علماء و محدثین سے تحصیل وتکمیل کے بعد کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام جزیرہ، عبادان، واسط وغیرہ کا سفر کرکے ان مقامات کے اساتذہ وشیوخ سے استفادہ کیا، ان کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ابن جوزی نے "مناقب الامام احمد بن حنبل" میں صفحہ ۳۲ سے صفحہ ۶۵ تک تیس صفحات سے زائد میں ان کے نام حروف تہجی پر جمع کئے ہیں، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں ان چند مشاہیر شیوخ کے نام دیئے ہیں، اسمعیل بن عُلیہ، ہشیم بن بشیر، حماد بن خالد خیاط، منصور بن سلمہ خزاعی، مظفر بن مدرک، عثمان بن عمر بن فارس، ابو النضر ہاشم بن قاسم، ابو سعید مولیٰ بنی ہاشم محمد بن یزید واسطی، یزید بن ہارون واسطی، محمد بن ابو عدی، محمد بن جعفر غندر، یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی، بشر بن مفضل، محمد بن ابو بکر برسانی، ابوداؤد طیالسی، روح بن عبادہ، وکیع بن جراح، ابو معاویہ ضریر، عبداللہ بن نمیر، ابو اسامہ

سفیان بن عیینہ، یحییٰ بن سلیم طائفی، محمد بن ادریس شافعی، ابراہیم بن سعد زھری، عبدالرزاق بن ہمام صنعانی، ابوقرہ موسیٰ بن طارق، ولید بن مسلم، ابومسہر دمشقی، ابوالیمان علی بن عیاش، بشر بن شعیب بن ابوحمزہ، اس کے بعد خطیب نے لکھا ہے

وخلق سواهم يطول ذكرهم	ان کے علاوہ ایک مخلوق نے ان سے روایت
ويشق احصاء اسماءهم، [۱]	کی ہے جن کا ذکر کرنا طوالت کا باعث ہے
	انکے ناموں کا شمار مشکل ہے۔

اِمام شافعی سے خصوصی تلمذ و تعلق

امام احمد بن حنبل اپنے ان شیوخ میں امام شافعی سے زیادہ قریب ہیں....

ابن خلکان نے لکھا ہے:

وكان من اصحاب الامام	احمد بن حنبل امام شافعی کے تلامذہ اور
الشافعي وخواصه ولم يزل	خواص میں سے تھے وہ انکے ساتھ برابر
مصاحبه الى ان ارتحل الشافعي	رہے، یہاں تک کہ شافعی چلے گئے اور
الى مصر، وقال في حقه: خرجت	انکے بارے میں شافعی نے کہا کہ میں بغداد
من بغداد وما خلفت بها اتقى	سے اس حال میں نکلا ہوں کہ احمد بن حنبل
ولا افقه من احمد بن حنبل [۲]	سے زیادہ متقی اور زیادہ فقیہ نہیں چھوڑا

خود امام صاحب کہتے ہیں کہ شافعی کی مجلس میں بیٹھنے کے بعد میں نے حدیث کے ناسخ اور منسوخ کو پہچانا، ایک مرتبہ امام احمد کے صاحبزادہ عبداللہ نے پوچھا کہ شافعی کون تھے، میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان کے لئے بہت زیادہ دعا کرتے ہیں؟ ....

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۴۱۲ و ص ۴۱۳۔ [۲] ابن خلکان ج ۱ ص ۱۶ و ص ۱۷

امام صاحب نے بتایا کہ بیٹے! شافعی دنیا کے لئے آفتاب، اور بدن کیلئے صحت کے مانند تھے، کیا ان دونوں چیزوں کا بدل ہوسکتا ہے؟ میں تیس سال سے شافعی کے حق میں دعا اور استغفار کرتا ہوں، ہر وہ شخص جس کے ہاتھ میں دوات اور کاغذ ہے اس کی گردن پر شافعی کا احسان ہے۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ احمد بن حنبل ہم لوگوں کو شافعی کی مجلس میں جانے سے منع کرتے تھے ایک دن میں نے دیکھا کہ شافعی خچر پر سوار ہیں اور احمد بن حنبل اس کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں، میں نے کہا کہ آپ ہم کو ان سے روک رہے ہیں اور خود انکے پیچھے چل رہے ہیں؟ احمد بن حنبل نے کہا کہ خاموش رہو، اگر میں ان کے خچر کے کے ساتھ رہوں تو فائدہ میں رہوں گا۔

محفوظ بن ابو توبہ بغدادی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے احمد بن حنبل کو مسجد حرام میں شافعی کے درس میں دیکھا اور کہا کہ ابوعبداللہ! یہ سفیان بن عیینہ مسجد کے ایک گوشہ میں حدیث کا درس دے رہے ہیں، احمد بن حنبل نے جواب دیا کہ:

ان ھذا یفوت، وذلک لا یفوت [1] یہ (شافعیؒ) نہیں ملیں گے اور وہ (سفیانؒ) مل جائیں گے۔

امام شافعی پہلی بار ۱۹۵ھ میں بغداد گئے اور دو سال تک مستقل طور سے وہاں رہے، پھر دوسری بار ۱۹۸ھ میں گئے اور چند ماہ رہکر مصر چلے گئے۔ امام احمد نے اس دوران میں امام شافعی سے بھرپور استفادہ کیا۔ اسی زمانہ میں امام شافعی نے حلقۂ درس میں یمن میں قضاء کے لئے امام صاحب کا انتخاب کیا مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔

---

[1] ابن خلکان ج ۲ ص ۱۹، ص ۲۰

اس سے پہلے مکہ مکرمہ میں امام احمد بن حنبل نے ان سے بہ سلسلۂ حج استفادہ کیا تھا، سبکی نے طبقات الشافعیۃ الکبریٰ میں امام احمد بن حنبل کا ذکر امام شافعی کے تلامذہ میں کیا ہے۔

اساتذہ وشیوخ اور بڑوں کا احترام :

یحییٰ بن معین نے ایک مرتبہ بغداد میں امام احمد بن حنبل کو دیکھا کہ امام شافعی کی سواری کے ساتھ چل رہے ہیں تو انکے صاحبزادے سے کہا کہ تمہارے والد کو شرم نہیں آتی ہے کہ شافعی رحؒ کی سواری کے ساتھ چلتے ہیں، صاحبزادے نے اسکا تذکرہ امام صاحب سے کیا، فرمایا کہ یحییٰ بن معین سے کہدو کہ تم اس کے بائیں طرف چلو تو علم آجائیگا۔ [۱]

ادریس بن عبدالکریم خلف سے روایت کرتے ہیں کہ احمد بن حنبل ابو عوانہ کی حدیث سننے کے لئے میرے یہاں آئے، میں نے بہت چاہا کہ ان کا اعزاز واحترام کروں مگر انھوں نے کہا کہ :

لا اجلس الا بین یدیك امرنا	میں آپ کے سامنے ہی بیٹھوں گا، ہم کو حکم دیا گیا
ان نتواضع لمن نتعلم منه	کہ جس سے علم حاصل کرتے ہیں انکے سامنے تواضع اختیار کریں۔

اسحاق شہید کا بیان ہے کہ میں دیکھتا تھا کہ یحییٰ بن سعید قطان نماز عصر کے بعد مسجد کے منارہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے تھے، اوران کے سامنے علی بن مدینی شاد کونی، عمرو بن علی، احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین وغیرہ کھڑے کھڑے حدیث کا سماع کرتے تھے، نماز مغرب تک اسی حال میں رہتے تھے، ان میں کوئی کسی سے بیٹھنے کو

---

[۱]

نہیں کہتا تھا بلکہ ہیبت اور تعظیم کی وجہ سے کھڑے سب لوگ رہتے تھے۔
قتیبہ بن سعید کہتے ہیں کہ میں احمد بن حنبل کی ملاقات کے لئے بغداد گیا، وہ یحیی بن معین کے ساتھ میرے پاس آئے اور ہم نے حدیث کا مذاکرہ کیا جب تک یہ مجلس جاری رہی احمد بن حنبل میرے سامنے کھڑے رہے، جب میں کہتا کہ ابوعبداللہ اپنی جگہ بیٹھ جائیے، تو کہتے تھے۔

لا تشتغل بی، انما ارید	آپ میرا خیال نہ کریں، میں چاہتا ہوں
ان اخذ العلم علی وجہہ۔	کہ علم کو اس کے طریقہ سے حاصل کروں۔

عمرو الناقد کا بیان ہے کہ ہم لوگ وکیع بن جراح کی مجلس میں تھے، اسی وقت احمد بن حنبل بھی آکر خاموشی سے بیٹھ گئے، میں نے کہا کہ ابوعبداللہ! شیخ آپکا احترام کرتے ہیں، آپ بات کیوں نہیں کرتے! احمد بن حنبل نے کہا:

وان کان یکرمنی فینبغی لی	اگرچہ وہ میری تعظیم کرتے ہیں مجھے انکی
ان اجلّہ لہ	تعظیم کرنی چاہئے۔

تحدیث وافتاء

امام صاحب نے چالیس سال تک تحصیل وتکمیل میں بسر کرنے کے بعد باقاعدہ مجلس درس قائم کی۔ اور فتوی دیا، اس سے پہلے بوقت ضرورت حدیث کی روایت اور افتاء کی خدمت انجام دیتے تھے مگر باقاعدہ تدریس کا حلقہ چالیس کی عمر میں قائم کیا نوح بن حبیب قومسی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ۱۹۸ھ میں احمد بن حنبل کو دیکھا کہ مسجد خیف میں منارہ سے ٹیک لگائے طلبۂ حدیث کو فقہ و حدیث کی تعلیم اور مناسک حج کے بارے میں لوگوں کو فتویٰ دے رہے ہیں، میں ان سے پہلے

لہ مناقب الامام احمد ص۵۶، ص۵

سے واقف نہیں تھا۔ ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ اس نے کہا کہ یہ احمد بن حنبل ہیں۔ ان کا نام سنکر میں رُک گیا، جب بھیڑ ختم ہوگئی تو میں نے سلام کر کے ان کا ہاتھ پکڑ لیا، اسی وقت سے ہم دونوں میں جان پہچان ہوگئی [1]

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب باقاعدہ مجلس درس وافتار قائم کرنے سے پہلے اپنے معاصرین میں مشیخت کے درجہ پر پہنچ گئے تھے اور اہل علم ان سے استفادہ کرنے لگے تھے، مگر آپ خود اس سے بچتے تھے، حجاج بن شاعر کا بیان ہے کہ میں نے ۲۰۳ھ میں احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے حدیث بیان کرنے کی گذارش کی، انھوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد میں عبدالرزاق صنعانی کے پاس یمن چلا گیا۔ ۲۰۴ھ میں وہاں سے لوٹ کر بغداد آیا تو دیکھا کہ احمد بن حنبل نے درس شروع کر دیا تھا اور لوگوں کی بھیڑ ان کے یہاں جمع تھی، اس وقت ان کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی۔

اساتذہ کی زندگی میں اُن کی مرویات کی روایت سے پرہیز

محمد بن عبدالرحمن صیرفی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں احمد بن حنبل کے پاس تھا، انھوں نے عبدالرزاق کی ایک حدیث بیان کی، میں نے کہا کہ آپ مجھے اس حدیث کا املا کرادیں، انھوں نے کہا کہ ابھی عبدالرزاق زندہ ہیں، تم مجھ سے اس حدیث کی روایت کر کے کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ آپ میری بات سچ مانیں، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر آپ مجھ سے اس حدیث کی روایت کریں گے اور میں آپ کے دروازے سے نکل کر گلی میں عبدالرزاق کو دیکھ لوں گا، تب بھی ان سے اس حدیث کے متعلق سوال نہیں کروں گا۔

---

[1] تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۳۵، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۷۴

امام صاحب اپنی مجلس درس قائم کرنے کے باوجود اپنے مشائخ واساتذہ کی زندگی میں ان کی مرویات کی روایت پسند نہیں کرتے تھے اور طلبۂ حدیث کو ہدایت کرتے تھے کہ تم لوگ براہ راست ان حضرات کے پاس جاکر ان کی احادیث کی روایت کرو۔ حمدان بن علی وراق کا بیان ہے کہ ۲۱۳ھ میں ہم لوگ احمد بن حنبل کے پاس گئے اور ان سے حدیث بیان کرنے کی گذارش کی۔ انھوں نے ہم سے کہا کہ تم لوگ مجھ سے حدیث سنوگے اور ابو عاصم جیسے اہل علم زندہ ہیں؛ ان کے پاس جاؤ۔ [1]

جوانی میں مرجعیت وشہرت

اس زمانہ میں امام صاحب کی دینی وعلمی امامت وسیادت کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا تھا اور ان کے اقران ومعاصرین اور علماء ومشائخ ان کے بارے میں اپنی بہترین توقعات ظاہر کرتے تھے اور انکے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کا اعتراف کرتے تھے، قتیبہ بن سعید کا قول ہے:

خیر اھل زماننا ابن المبارک ثم ھذا الشاب یعنی احمد بن حنبل۔	ہمارے زمانے کے سب سے بہتر عالم ابن مبارک ہیں، ان کے بعد یہ جوان یعنی احمد بن حنبل ہیں۔

ایک مرتبہ ابو مسہر سے لوگوں نے پوچھا کہ اس زمانہ میں کوئی ایسا شخص آپکی نظر میں ہے جو امت کے دینی معاملہ کی حفاظت کرسکے؟ تو ابو مسہر نے جواب دیا:

لا اعلمہ الّا شاب فی ناحیۃ المشرق یعنی احمد بن حنبل [2]	بغداد کے مشرقی علاقہ میں ایک جوان یعنی احمد بن حنبل کے علاوہ میں کسی کو ایسا نہیں جانتا

امام شافعی آخری بار ۱۹۸ھ میں بغداد گئے اور چند ماہ کے بعد مصر چلے گئے

---

[1] مناقب الامام احمد ص۱۸۸۔ [2] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص۲۸ و ص۲۹

اس وقت امام احمد بن حنبل کی عمر تقریباً ۳۴ سال کی تھی، اس وقت امام شافعی نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ میں نے بغداد چھوڑا تو وہاں احمد بن حنبل سے زیادہ افقہ، ازہد، اورع اور اعلم نہیں چھوڑا[1] وکیع بن جراح اور حفص بن غیاث کہتے تھے کہ:

ماقدم الکوفۃ مثل ذاك الفتی یعنیان احمد[2] — اس جوان یعنی احمد بن حنبل جیسا عالم کوفہ میں نہیں آیا۔

اہل علم وفضل اور ائمہ دین کی نظر میں اس مرجعیت ومقبولیت کے باوجود اس جوان صالح نے عمر نبوت سے پہلے اپنا حلقۂ درس و افتار قائم نہیں کیا اور جب قائم کیا تو علم کی دنیا سمٹ کر اس کے حلقہ میں آ گئی۔

مجلس درس ابن جوزی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ امام احمد چالیس سال کے بعد ہی روایت حدیث اور افتار کے منصب پر فائز ہو کر پورے حزم واحتیاط، خلوص نیت، احتساب اور شفقت ومحبت کے ساتھ یہ خدمت انجام دیتے رہے، اور اپنے حلقہ نشینوں کی دلداری، اور خیر خواہی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔

ابو القاسم بن منیع کا بیان ہے کہ میں نے سوید بن سعید کی مجلس درس کے لئے امام احمد سے سفارشی خط طلب کیا تو خط میں میرے بارے میں لکھا کہ: ھذا رجل یکتب الحدیث یعنی یہ آدمی حدیث لکھتا ہے، میں نے عرض کیا کہ میں آپ کی خدمت میں اتنے دنوں سے رہتا ہوں اگر آپ یہ لکھدیں کہ: ھذا الرجل من اصحاب الحدیث یعنی یہ آدمی محدثین میں ہے تو بہتر ہو، اس پر امام صاحب

---

[1] ابن خلکان ج ۱ ص ۱۷۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۳

نے فرمایا:

صاحب الحدیث عندنا من یستعمل الحدیث۔	ہمارے نزدیک محدّث وہ ہے جو حدیث پر عمل کرتا ہے۔

اپنے شاگردوں کو حدیث میں سند عالی کی ہدایت کرتے اور اس کو اسلاف کی سنت بتاتے تھے ایک مرتبہ آپ سے ایسے طالب علم کے بارے میں سوال کیا گیا جو سند عالی طلب کرتا ہے، امام صاحب نے کہا کہ سند عالی کی طلب سلف کی سنت ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تلامذہ ان سے حدیث سنکر کوفہ سے مدینہ جاتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کو سنتے تھے۔ حنبل بن اسحاق کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام صاحب نے مجھے باریک خط لکھتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ تم اتنی باریک تحریر نہ لکھو، جب تم کو اس کی ضرورت پڑیگی تو کام نہیں دے گی۔

حصول علم کے سلسلہ میں ریا سے بچنے کی زیادہ سے زیادہ تاکید فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ دوات کا اظہار ریا میں داخل ہے اس سے لوگ سمجھیں گے کہ یہ شخص حدیث لکھتا پڑھتا ہے۔

حاضرین مجلس کی تعداد

امام صاحب کی مجلس میں اہل علم اور عوام دونوں طبقوں کے لوگ کثیر تعداد میں شریک ہوتے تھے اہل علم حدیث کا درس لیتے تھے اور عوام امام صاحب سے ادب سیکھتے تھے۔ حسن بن اسمٰعیل اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:

کان یجتمع فی مجلس احمد زھاء علی خمسۃ آلاف او یزیدون اقل من خمس مائۃ	احمد بن حنبل کی مجلس میں پانچ ہزار سے زیادہ ہی لوگ جمع ہوتے تھے۔ ان میں سے پانچ سو کم احادیث سنکر لکھتے تھے

يكتبون، والباقون يتعلمون منه حسن الادب وحسن السمت باقی لوگ ان سے آداب وعادات سیکھتے تھے۔

ابوبکر بن مطوعی کہتے ہیں کہ میں بارہ سال تک احمد بن حنبل کی مجلس درس میں حاضر رہا ہوں وہ اپنی اولاد کو مسند کا درس دیتے تھے میں نے اس مدت میں ان سے کوئی حدیث نہیں لکھی، بلکہ ان کی سیرت، اخلاق اور آداب دیکھتا رہا۔

محمد بن ابراہیم انماطی کا بیان ہے کہ میں امام صاحب کی مجلس درس میں تھا۔ میرے پاس دوات نہیں تھی اور انکے سامنے دوات رکھی تھی، امام صاحب نے ایک حدیث بیان کی تو میں نے انکی دوات سے لکھنے کی اجازت چاہی تو آپ نے ان الفاظ میں اجازت دی۔

اكتب يا هذا، فهذا ورع مظلم لکھو لو، یہ اندھا تقویٰ ہے۔

طلبہ کی عزت وراحت کا خیال

محمد بن داؤد مصیصی کہتے ہیں کہ ہم طلبۂ حدیث امام احمد کی مجلس میں حدیث کا مذاکرہ کر رہے تھے، محمد بن یحییٰ نے ایک ضعیف حدیث بیان کی، اس پر امام صاحب نے ان سے کہا کہ اس قسم کی حدیث نہ بیان کرو یہ سنکر محمد بن یحییٰ شرما گئے۔ امام صاحب نے انکی دلجوئی کے لئے فرمایا کہ ابو عبداللہ یہ بات میں نے آپ کی بڑائی رکھنے کے لئے کہی ہے[1]۔

امام صاحب اپنے عزیز طلبہ کے آرام وراحت کا پورا پورا اہتمام کر کے دوسروں کو اس کی تاکید کرتے تھے، ہارون بن عبداللہ حمال کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رات کو احمد بن حنبل میرے مکان پر آئے، سلام کے بعد میں نے ناوقت آنے

---

[1] مناقب الامام احمد مختلف مقامات سے۔

کی وجہ معلوم کی تو فرمایا کہ آج آپ نے پھر میرے دل میں خلجان پیدا کر رکھا تھا، میں نے کہا کہ ابوعبداللہ! کیا بات ہے؟ تو بتایا کہ میں آپ کے حلقۂ درس سے گذر رہا تھا، دیکھا کہ آپ سایہ میں بیٹھ کر حدیث بیان کر رہے ہیں اور طلبہ دھوپ میں اس حال میں ہیں کہ ان کے ہاتھ میں قلم اور دفتر ہے، پھر کہا کہ:

لاتفعل مرة اخرى، اذا قعدت فاقعد مع الناس[1]۔ دوسری بار ایسا نہ کریں، جب درس دینے کے لئے بیٹھیں تو لوگوں کیساتھ بیٹھا کریں۔

طلبہ کیساتھ خوش طبعی امام صاحب اپنے حلقہ نشینوں کی خوش طبعی سے خوش ہوتے تھے، اسحاق بن ہانی کہتے ہیں کہ ہم لوگ امام صاحب کے یہاں تھے، ہمارے ساتھ ابوبکر مروزی اور مہنّا بن یحییٰ شامی بھی تھے ایک شخص نے باہر سے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کہ مروزی یہاں ہیں؟ مروزی اس شخص سے ملنا نہیں چاہتے تھے، مہنّی بن یحیی نے معاملہ سمجھ کر یہ ترکیب کی کہ اپنی انگلی اپنی ہتھیلی پر رکھا اور اس شخص کو اندر سے جواب دیا کہ مروزی یہاں (ہتھیلی پر) نہیں ہیں، ان کا یہاں کیا کام ہے، یہ تماشا دیکھ کر امام صاحب ہنس پڑے اور کچھ بولے نہیں۔

امام صاحب کے پڑوس میں ایک شخص معاصی اور فسق وفجور میں بہت آگے تھا۔ ایک دن اس نے امام صاحب کی مجلس میں آکر سلام کیا۔ آپ نے بڑے انقباض کے ساتھ جواب دیا، اس نے کہا کہ ابوعبداللہ! اب آپ کو مجھ سے انقباض نہیں ہونا چاہئے کیونکہ میں نے ایک خواب دیکھکر اپنی زندگی بالکل ہی بدل دی ہے، امام صاحب نے اس سے پوچھا کہ تم نے کیا خواب دیکھا ہے؟ اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵

کو دیکھا کہ آپ ایک بلند مقام پر ہیں اور بہت سے لوگ نیچے بیٹھے ہیں ان میں سے ایک ایک آدمی اٹھکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا ہے کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیے اور آپؐ اس کیلئے دعا فرماتے ہیں آخر میں جب میں نے اٹھنا چاہا تو اپنے معاصی کیوجہ سے مجھے شرم آئی اور بیٹھا رہا۔ آپؐ نے میرا نام لے کر فرمایا کہ اے فلاں! تم کیوں نہیں اٹھکر مجھ سے دعا کا سوال کرتے ہو تاکہ میں تمہارے لئے دعا کروں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے اپنی گناہگار زندگی کی وجہ سے شرم آتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم مجھ سے دعا کا سوال کرو میں تمھارے لئے دعا کروں گا، کیونکہ تم میرے کسی صحابی کو برا بھلا نہیں کہتے ہو، چنانچہ اس کے بعد میں بھی اٹھا اور آپ نے میرے لئے بھی دعا فرمائی، اور جب خواب سے بیدار ہوا تو اپنی پچھلی زندگی سے توبہ کرلی۔

یہ خواب سنکر امام صاحب نے حاضرین سے فرمایا کہ اے جعفر، اے فلاں، اے فلاں! اس واقعہ کو یاد کرلو اور لوگوں سے اس کو بیان کرو، اس سے فائدہ ہوگا۔

رعب داب اور ہیبت | محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ ہم لوگ امام صاحب کی جلالت شان اور انکے علمی و دینی رعب داب کی وجہ سے انکی کسی بات کا جواب دینے یا کسی معاملہ میں ان سے بحث کرنے سے ڈرتے تھے۔ عبدوس کہتے ہیں کہ ایک دن امام صاحب نے مجھے ہنستے ہوئے دیکھ لیا تھا جس کی وجہ سے آج تک شرم دامن گیر ہے۔[1]

ابو عبید قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ میں قاضی ابو یوسف، محمد بن حسن شیبانی یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی کی مجلس میں بیٹھ چکا ہوں مگر ان میں سے کسی کا رعب اور خوف مجھ پر اتنا زیادہ طاری نہیں ہوا جتنا کہ احمد بن حنبل کا رعب اور خوف

---

[1] مناقب الامام احمد مختلف صفحات سے۔

طاری ہوا۔

ابوداؤد کا بیان ہے کہ امام احمد کی مجالس آخرت کی مجالس تھیں، ان میں کبھی آپ دنیا کا ذکر نہیں کرتے تھے، میں نے انکو کبھی دنیا کا نام لیتے نہیں سنا، دوسو مشائخ سے ملاقات کرچکا ہوں مگر ان کے مانند کسی کو نہیں دیکھا، عوام جن دنیاوی باتوں میں مشغول رہتے ہیں، میں نے انکو کبھی ایسی باتوں میں مشغول نہیں پایا، البتہ جب علمی تذکرہ ہوتا تو کھل کر گفتگو فرماتے تھے۔[1]

امام شافعی فرماتے ہیں کہ بغداد میں ایک جوان عالم ہے، جب وہ حدیث بیان کرتے وقت "حَدَّثَنَا" کہتا ہے تو حاضرین ایک زبان ہوکر "صَدَقَ" کہتے ہیں، یہ احمد بن حنبل ہیں۔ (تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۳۱)

اپنے آرار واقوال لکھنے کی ممانعت امام صاحب اپنے تلامذہ کو اس بات سے شدت کے ساتھ روکتے تھے کہ وہ حدیث کے علاوہ ان کے آرار واقوال کو لکھیں۔

حنبل بن اسحاق کہتے ہیں کہ امام صاحب اس کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کے آرار اور فتاوی لکھے جائیں۔ ایک مرتبہ آپ کو معلوم ہوا کہ اسحاق کوسج خراسان میں آپ کے فتاوے اور مسائل کو بیان کرتے ہیں تو فرمایا کہ تم لوگ گواہ رہو میں نے ان تمام مسائل سے رجوع کرلیا ہے۔ ابوبکر مروزی کہتے ہیں کہ ایک خراسانی شخص نے امام صاحب کو ایک جزء دیا جس میں امام صاحب کے آرار واقوال تھے آپ نے اسکو لے کر دیکھا اور غصہ ہوکر کتاب رکھدی، بقول ابن جوزی امام صاحب نے تواضع کی

---

[1] تاریخ ابن عساکر ج ۲ ص ۳۳، ۳۴

وجہ سے اپنے آرا و اقوال لکھنے کی ممانعت کی، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ سب مدوّن اور شائع ہوئے[1]

حفظ کی بجائے کتاب سے روایت

امام احمد بن حنبل بلا مبالغہ لاکھوں احادیث کے حافظ تھے اور دماغ علم حدیث کا خزانہ تھا، اس کے باوجود احادیث کی روایت میں حزم و احتیاط اور اتقان کا یہ حال تھا کہ ہمیشہ کتاب لیکر درس دیتے تھے، اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔

صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک سو احادیث سے کم کے علاوہ کبھی میں نے اپنے والد کو نہیں دیکھا کہ بغیر کتاب کے اپنے حافظہ سے حدیث بیان کریں۔

علی بن مدینی کا قول ہے کہ

لیس فی اصحابنا احفظ من احمد بن حنبل وبلغنی انہ لا یحدث الا من کتاب ولنا فیہ اسوۃ۔	ہمارے اساتذہ میں احمد بن حنبل سے زیادہ کوئی حافظ حدیث نہیں ہے، اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کے باوجود وہ کتاب ہی سے حدیث بیان کرتے ہیں، ہمارے لئے ان میں اسوہ ہے۔

ابراہیم بن جابر مروزی کہتے ہیں کہ ہم لوگ احمد بن حنبل کی مجلس میں بیٹھ کر حدیث کا حفظ و مذاکرہ کیا کرتے تھے جب انکو لکھنا چاہتے تھے تو احمد بن حنبل کہتے کہ کتاب زیادہ محفوظ ہوتی ہے پھر اٹھ کر اندر جاتے اور کتاب لاتے تھے[2]

امام صاحب حفظ حدیث کے مقابلہ میں کتابت حدیث کو زیادہ ترجیح دیتے تھے کیونکہ ایسی صورت میں غلطی کا امکان کم رہتا ہے، البتہ باریک خط سے منع کرتے تھے۔ کیونکہ بوقت ضرورت آئندہ اس سے غلطی ہو سکتی ہے، احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین دونوں

---

[1] مناقب الامام احمد ص۱۴۳ ۔ [2] مناقب الامام احمد ص۲۶۰

حضرات کا قول ہے کہ :

کل من لم یکتب العلم لا یو من علیہ الغلط ۔	ہر وہ شخص جو حدیث کو لکھتا نہیں، اسکے بارے میں غلطی سے اطمینان نہیں ہے ۔

اسحاق بن منصور کا بیان ہے کہ میں نے امام صاحب سے پوچھا کہ کن علماء نے کتابت حدیث کو ناپسند کیا ہے ؟ کہا کہ ایک جماعت نے ناپسند کیا ہے اور ایک جماعت نے اس کی اجازت دی ہے ، میں نے کہا کہ اگر علم کو نہ لکھا جائے تو ختم ہو جائیگا امام صاحب نے کہا کہ ہاں علم لکھا نہ جاتا تو ہم لوگ کچھ نہیں ہوتے [۱]

نیز امام صاحب نے اپنے استاد عبدالرزاق سے امام محمد بن شہاب زہری کا قول نقل کیا ہے کہ :

کنا نکرہ کتاب العلم حتی اکرھنا علیہ ھٰؤلاء الامراء فرأینا ألا نمنعہ احداً من المسلمین ، [۲]	ہم حدیث لکھنے کو ناپسند کرتے تھے ، یہاں تک کہ ان امراء ، (حضرت عمر بن عبدالعزیز اور انکے عمّال) نے اس پر مجبور کیا تو اب ہم مسلمانوں کو اس سے منع کرنا مناسب نہیں سمجھتے ہیں ۔

امام صاحب حدیث کو لکھتے تھے ، پھر انکو یاد کر لیا کرتے تھے اور ان کا علم بوقت سینہ اور سفینہ دونوں میں محفوظ تھا ، ابو زرعہ رازی کہتے ہیں کہ امام صاحب کو ایک لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں ۔ ان ہی کا بیان ہے کہ امام صاحب کی وفات کے بعد ان کی کتابیں جمع کی گئیں تو بارہ بار اور بوجھ کتابیں ملیں ، اُن میں سے کسی کی پشت پر نہ یہ تھا کہ یہ فلاں محدّث کی حدیثیں ہیں اور نہ اندر تھا کہ فلاں شیخ نے انکو بیان کیا ہے

---

[۱] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۵ ۔ [۲] مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۲۵۹ جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۷

سب کتابیں امام صاحب زبانی یاد رکھتے تھے [۱]

امام احمد بن حنبل کا مسلک کتابت حدیث اور حفظ حدیث میں دونوں پر عمل تھا، اسی کی تعلیم وتلقین طلبہ کو کرتے تھے،

اصحاب و تلامذہ

امام احمد بن حنبل کے تلامذہ کی فہرست کئی ہزار تک پہنچتی ہے جن میں عالم اسلام کے طلبہ شامل ہیں، اصاغر ہی نہیں اکابر اور انکے اساتذہ نے بھی ان سے حدیث کی روایت کی ہے، جن میں عبدالرزاق صنعانی، اسمٰعیل بن علیّہ، وکیع بن جرّاح، عبدالرحمٰن بن مہدی، محمد بن ادریس شافعی، معروف کرخی، علی بن مدینی جیسے حضرات کے نام ہیں، ابن جوزی نے "مناقب الامام احمد بن حنبل" میں امام صاحب کے تلامذہ کی فہرست حروف تہجی پر صفحہ ۹۰ سے ۱۰۶ تک دی ہے، جس میں پانچ خواتین بھی ہیں، چند مشاہیر کے نام یہ ہیں: امام صاحب کے دونوں صاحبزادے، صالح اور عبداللہ، چچازاد بھائی حنبل بن اسحاق، حسن بن صبّاح بزّار، محمد بن اسحاق صاغانی، عباس بن محمد دوری، محمد بن عبیداللہ منادی، محمد بن اسمٰعیل بخاری، مسلم بن حجاج نیسا پوری، ابوزرعہ رازی، ابوحاتم رازی، ابوداؤد سجستانی، ابوبکر الاثرم، ابوبکر مروزی، یعقوب بن شیبہ احمد بن ابی خیثمہ، ابوزرعہ دمشقی، ابراہیم حربی، موسیٰ بن ہارون، عبداللہ بن محمد بغوی، یحییٰ بن آدم قرشی، یزید بن ہارون، قتیبہ بن سعید، داؤد بن عمرو، خلف بن ہشام احمد بن ابی حواری، حسین بن منصور، زیاد بن ایوب، رحیم، ابوقدامہ سرخسی، محمد بن رافع محمد بن یحییٰ بن ابی سمینہ، حرب کرمانی، بقی بن مخلّد، شاہین بن سمیدع، حبیش بن سندی اور ابوبکر سندی خواتیمی وغیرہ۔ ان میں ابوالقاسم بغوی امام صاحب کے

---

[۱] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۸

خاتمۃ الاصحاب یعنی آخری شاگرد ہیں۔

وآخر من حدث عنہ ابوالقاسم البغوی لہ۔	جس نے امام احمد سے آخر میں روایت کی ابوالقاسم بغوی ہیں۔

احمد بن منادی کا قول ہے کہ دنیا میں عبداللہ بن احمد بن حنبل نے باپ سے سب سے زیادہ روایت کی ہے۔ انھوں نے اپنے والد سے تیس ہزار احادیث پر مشتمل مسند اور بیس ہزار احادیث پر مشتمل تفسیر سنی ہے۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ص)

سندھ کے ایک استاد اور دو شاگرد

امام صاحب کے شیوخ میں ابن علیّہ اور اصحاب میں حبیش بن سندی اور ابوبکر سندی خواتیمی کے نام ملتے ہیں جن کا تعلق ہمارے ملک کا علاقہ سندھ سے تھا ایک سندی سے امام صاحب نے تحصیل علم کی اور دو سندیوں نے ان کے علم کی امانت دوسروں تک پہنچائی، ان حضرات کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

ابن عُلَیّہ بغدادی

امام صاحب کے خصوصی اساتذہ میں امام ابوبشر اسمٰعیل بن ابراہیم بن مقسم اسدی بصری بغدادی متوفی سنہ ۱۹۳ھ کے دادا مقسم سندھ کے علاقہ قیقان [کیکان] کے باشندے تھے، ایک غزوہ میں گرفتار ہو کر کوفہ گئے اور عبدالرحمٰن بن قطبہ اسدی کی وِلا میں زندگی بسر کی، ان کے لڑکے ابراہیم کپڑے کے تاجر تھے، اور بسلسلۂ تجارت بصرہ آتے جاتے تھے وہیں عُلَیّہ بنت حسان سے شادی کی جس کے بطن سے اسمٰعیل بن ابراہیم پیدا ہوئے اور ابن علیّہ کی کنیت سے

لہ تاریخ بغداد ج ۴ ص۲۱۳، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۲۷

مشہور ہوئے، اپنے وقت کے امام حدیث تھے، ان سے امام صاحب کے علاوہ ابن جریج، شعبہ، حماد ابن زید، عبدالرحمٰن بن مہدی، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی جیسے ائمہ حدیث نے روایت کی ہے، احمد بن حنبل تیس سال کی عمر میں ابن عُلَیّہ کی درسگاہ میں گئے، ابن علیہ اور انکے گھر والے ان کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے انکی موجودگی میں ابن عُلَیّہ کے درس میں پر وقار ماحول رہتا تھا[1]

حبیش بن سندی بغدادی

حبیش سندی قطیعی بغدادی امام احمد بن حنبل کے خصوصی تلامذہ اور کبار اصحاب میں سے ہیں۔ خطیب نے تاریخ بغداد میں اور ابن جوزی نے مناقب الامام احمد میں ان کا تذکرہ کیا ہے ابن ابی یعلیٰ نے طبقات الحنابلہ میں انکو امام صاحب کے کبار اصحاب میں شمار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ حبیش بن سندی کا تذکرہ ابوالخلال نے کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ ابوعبداللہ کے اصحاب کبار میں سے ہیں۔ بغداد کے علاقے قطیعہ میں قیام کرتے تھے۔ انھوں نے ابوعبداللہ سے تقریبًا بیس ہزار حدیثیں لکھی ہیں، وہ جلیل القدر عالم تھے، انکے پاس ابوعبداللہ کے عمدہ عمدہ مسائل کے دو اجزار تھے، جو امام صاحب کے دوسرے تلامذہ کے پاس نہیں تھے، میں انکے یہاں گیا تاکہ وہ ان اجزار کے مسائل مجھسے بیان کریں۔ مگر انھوں نے یہ کہکر انکار کردیا کہ ابوبکر مروزی ابھی زندہ ہیں اس لئے میں انکو بیان نہیں کرسکتا ہوں۔ وہ اپنے استاد بھائی ابوبکر مروزی کا بہت احترام کرتے تھے، اس بارے میں میرے اور حبیش بن سندی کے درمیان بہت زیادہ بات ہوئی مگر کام نہیں چلا تو انکے یہاں سے اس ارادہ سے نکلا کہ میں ابوبکر مروزی سے سفارش کراؤں گا کہ حبیش بن سندی ان مسائل کو بیان کردیں، مگر مصروفیت کی وجہ سے

---

[1] ابن عُلَیہ کے حالات کے لئے رجال السند والہند ملاحظہ ہو۔

ابو بکر مروزی کے پاس نہ جاسکا، اس درمیان میں ان کا انتقال ہو گیا، آخر میں نے انکو محمد بن ہارون ورّاق کے یہاں پایا اور انکا سماع کیا، حبیش بن سندی کا کیا کہنا وہ جلیل القدر، کثیر العلم اور علاقہ قطیعہ کے علماء میں سب سے مقدّم تھے۔

حبیش بن سندی نے امام صاحب کے کئی اقوال بھی نقل کئے ہیں، کہتے ہیں کہ ابو عبداللہ سے سوال کیا گیا کہ جو لوگ خلق قرآن کے فتنہ میں ثابت قدم نہیں رہے ہم ان سے حدیث کی روایت کریں؟ معلوم ہوا ہے کہ آپ قواریری سے روایت کی اجازت دیتے ہیں۔ امام صاحب نے ان کی بات سے انکار کیا اور کہا کہ میں ان سے روایت نہیں کرتا ہوں پھر اُن سے روایت کا حکم کیسے دوں گا؟

حبیش بن سندی کا یہ بھی بیان ہے کہ امام صاحب سے حمزہ کی قرارت کے بارے میں سوال کیا گیا تو کہا کہ ہاں میں اس کو سخت ناپسند کرتا ہوں، لوگوں نے اس کی وجہ معلوم کی تو کہا کہ یہ نئی قرارت ہے کسی نے یہ قرارت نہیں کی ہے اور صرف اِیہ اور آہ ہے[1]

امام صاحب سے علمائے سندھ کی دینی و علمی نسبت کے سلسلہ میں یہ بات بھی ہے کہ امام ابوالحسن بن عبدالہادی تتوی، سندھی، مدنی متوفی ۱۱۳۶ھ نے مسند امام احمد کا بہترین حاشیہ لکھا ہے جو سند کے ساتھ چھپ چکا ہے۔

ابو بکر سندی خواتیمی بغدادی

ابو بکر سندی خواتیمی بغدادی کے تذکرہ نگار ان کا نام سندی ابو بکر بغدادی لکھتے ہیں، ابن جوزی نے ان کو بھی امام صاحب کے تلامذہ میں شمار کیا ہے، اور ابن ابو یعلی نے طبقات الحنابلہ میں انکے بارے میں ابوالخلال

---

[1] رجال السند والہند ص۸۸ و ۸۹ طبع مصر۔

کا یہ بیان نقل کیا ہے :

ھو من جوار ابی الحارث مع ابی عبد اللہ ای الامام احمد بن حنبل، فکان داخلاً مع ابی عبد اللہ ومع اولادہ فی حیاۃ ابی عبد اللہ۔	وہ ابوالحارث کے پڑوس میں تھے اور ابو عبداللہ احمد بن حنبل کی زندگی بھر ان کے بال بچوں کے ساتھ رہتے تھے، اور انکے گھریلو معاملات میں دخیل تھے ۔

گویا سندی ابوبکر امام صاحب کے گھر کے ایک فرد اور انکے خانگی معاملات میں اس حیثیت سے دخیل تھے ، انھوں نے امام صاحب کے حالات اور اقوال اور آرار نقل کئے ہیں، اور ان سے نہایت ضروری اور اہم مسائل سُنے ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں :

امام صاحب سے سوال کیا گیا کہ موئے زیر ناف اور ناخن کتنی مدت میں صاف کئے جائیں ۔ آپ نے فرمایا کہ جو حدیث اس بارے میں مروی ہے، اس کی رو سے چالیس دن اس کی مدت ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ اوزاعی نے اس کی مدت عورت کے لئے پندرہ دن اور مرد کے لئے بیس دن رکھی ہے اور مونچھ ہر جمعہ کو تراشنی چاہئے، کیونکہ اگر تم اس کو جمعہ کے بعد چھوڑ وگے تو بدنما ہو جائے گی ۔

ایک آدمی نے امام صاحب سے کہا کہ میرا باپ کہتا ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دیدوں، امام صاحب نے کہا کہ تم طلاق نہ دو ۔ اس پر اس نے کہا کہ کیا حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے نہیں کہا تھا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں ؟ یہ سُنکر امام صاحب نے فرمایا کہ جب تمھارا باپ عمرؓ جیسا بن جائے گا تو تم بھی یہ کام کر لینا ۔

میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک شخص اپنی جگہ سے اٹھا تاکہ امام صاحب بیٹھیں،

مگر آپ نے وہاں بیٹھنے سے انکار کر کے اس سے کہا کہ تم اپنی جگہ پر جاؤ جب وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تو امام صاحب اس کے سامنے بیٹھے۔

امام ابن قیم نے اپنی کتاب احکام الذمہ میں سندی ابوبکر سے روایت کی ہے کہ امام صاحب سے سوال کیا گیا کہ جو ذمّی (اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا) عشر وصول کرنے والے کے پاس سے گذرے، کتنے مال میں اس سے عشر وصول کرنا چاہئے؟ آپ نے فرمایا کہ جب اس کے پاس اتنا سامان تجارت ہو کہ اس کے نصف میں مسلمان سے عشر لیا جاتا ہے تو اس سے عشر وصول کرنا چاہئے اور دوسرے سال ان سے عشر نہیں لیا جائے گا، ایسا ہی حدیث میں ہے [1]

امام صاحب اپنے اساتذہ، مشائخ اور معاصرین کی نظر میں

امام صاحب بچپن ہی سے زہد و تقویٰ، علم و فضل اور اخلاق و آداب میں نیک نام تھے اور مکتب کی زندگی ہی سے ان میں بزرگی کے آثار پائے جاتے تھے، اسی طرح حدیث کی طالب علمی کے دور میں صبر و استقامت، فقر و فاقہ، استغناء اور نیک نفسی کی وجہ سے اپنے اساتذہ و شیوخ کی نظر میں محترم بن کر رہے اور مسند تدریس پر بیٹھے تو ان کے علم و فضل، روایت و درایت اور حدیث و فقہ میں دقّتِ نظر، شدت احتیاط کا شہرۂ عام ہو گیا اور ہر طرف ان کے کمالات کی دھوم مچ گئی اور فتنۂ خلق قرآن میں ان کی عزیمت نے پورے عالم اسلام میں محبوبیت کی شان پیدا کر دی۔ دنیا نے انکو اس دور کے عالم اسلام کا سب سے عظیم انسان تسلیم کیا اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والا اسلام سے منحرف مانا گیا۔ امام صاحب

---

[1] رجال السند والہند ص۱۳۵ طبع مصر۔

کے فضائل و مناقب کے لئے دفتر چاہئے، ہم یہاں ان کے بارے میں چند اقوال پیش کرتے ہیں۔

ذہبی نے بعض ائمہ کا قول نقل کیا ہے کہ ابوداؤد رفتار و گفتار، سیر و کردار اور چال ڈھال میں احمد بن حنبل کے مشابہ تھے، احمد بن حنبل وکیع کے مشابہ تھے، وکیع سفیان کے مشابہ تھے، سفیان منصور کے مشابہ تھے، منصور ابراہیم نخعی کے مشابہ تھے، ابراہیم علقمہ کے مشابہ تھے، علقمہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے مشابہ تھے اور عبداللہ بن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے [۱]

ادریس بن عبدالکریم مقری کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بہت سے علماء کو دیکھا ہے مثلاً ہشیم بن خارجہ، مصعب زبیری، یحییٰ بن معین، ابو بکر بن ابی شیبہ، عثمان بن ابی شیبہ عبدالاعلیٰ بن حماد نرسی، محمد بن عبدالملک بن ابی الشوراب، علی بن مدینی، عبیداللہ بن عمر قواریری، ابوخیثمہ، زہیر بن حرب، ابومعمر قطیعی، محمد بن جعفر ورکانی، احمد بن محمد بن ایوب صاحب المغازی، محمد بن بکار بن ریان، عمر بن محمد ناقد، یحییٰ بن ایوب مقابری عابد، شریح بن یونس، خلف بن ہشام بزار، ابوالربیع زہرانی اور انکے بے شمار علمائے علم و فقہ۔ یہ تمام حضرات امام احمد بن حنبل کی تعظیم و تکریم اور قدر و منزلت بہت زیادہ کرتے تھے اور سلام کرنے کیلئے ان کے پاس جاتے تھے۔

محمد بن علی بن شعیب اپنے والد کا قول کرتے ہیں کہ احمد بن حنبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مطابق تھے۔

کائن فی امتی ما کان فی بنی اسرائیل، حتی ان المنشار	بنی اسرائیل میں جو کچھ ہو چکا ہے میری امت میں بھی ہوگا۔ حتیٰ کہ کسی کے سر پر

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۵۴، ذکر ابوداؤد۔

یوضع علی فرق راسه ما | آرا چلایا جائے گا مگر یہ بھی اس کو
یصرفه ذلك عن دینه . | اپنے دین سے برگشتہ نہیں کرے گا۔

اگر احمد بن حنبل خلق قرآن کے فتنہ میں ثابت قدم نہ رہے ہوتے تو قیامت تک ہم پر عار باقی رہتا، ایک جماعت اس فتنہ کی بھٹی میں تپائی گئی مگر احمد بن حنبل کے علاوہ کوئی اس میں سے نہیں نکلا۔

قتیبہ بن سعید نے کہا ہے کہ اگر سفیان ثوری نہ ہوتے تو ورع وتقویٰ کی موت ہو جاتی اور اگر احمد بن حنبل نہ ہوتے تو لوگ دین میں بدعات واحداث پیدا کر دیتے اس پر عبداللہ بن احمد بن شبویہ نے کہا کہ آپ نے احمد بن حنبل کو ایک تابعی کے ہم پلہ بنا دیا، قتیبہ نے کہا کہ میں انکو کبار تابعین کے برابر سمجھتا ہوں۔ امام احمد بن حنبل ہمارے امام ہیں۔

یحییٰ بن سعید قطان کی مجلس درس میں ایک شخص نے احمد بن حنبل کا تذکرہ کیا تو یحییٰ بن سعید نے کہا کہ تم نے امت کے احبار میں سے ایک حبر کا تذکرہ کیا ہے۔

ابو عاصم کی مجلس میں ایک مرتبہ فقہ کا تذکرہ آیا انھوں نے کہا کہ بغداد میں ایک ہی شخص ہے (احمد بن حنبل) اس کے علاوہ وہاں سے کوئی شخص فقہ کا اچھا عالم ہمارے پاس نہیں آیا، جب اس بات کا تذکرہ یحییٰ بن مدینی کی مجلس میں ہوا تو انھوں نے اس کی تصدیق کی۔

احمد بن ابراہیم دورقی کہتے ہیں کہ اگر تم کسی کو احمد بن حنبل کی برائی کرتے ہوئے سنو تو اس کے اسلام میں شک کرو، سفیان بن وکیع کہتے ہیں کہ احمد بن حنبل ہمارے نزدیک معیار ہیں جو انکی عیب جوئی کرتا ہے، ہمارے نزدیک فاسق ہے، ابوزرعہ رازی کا بیان ہے کہ احمد بن حنبل کو ایک لاکھ حدیث زبانی یاد ہے، پوچھا گیا کہ یہ آپکو کیسے معلوم ہوا تو بتایا کہ میں نے ان سے مختلف ابواب ومسائل میں مذاکرہ کیا ہے۔

ابوبکر صاغانی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے اسحاق بن ابواسرائیل کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ یہاں کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ انھوں نے ابراہیم بن سعد سے حدیث کا سماع کیا ہے، یہ احمد بن حنبل پر تعریض تھی، اسی وقت میں نے سوچ لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اسحاق بن ابواسرائیل کو گرائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انکو گرایا اور احمد بن حنبل کو اٹھایا۔

احمد بن سعید دارمی کا قول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا حافظ اور اس کی فقہ و معانی کا عالم اس سیاہ بال والے سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا یعنی ابوعبداللہ احمد بن حنبل، ابراہیم حربی کا قول ہے کہ سعید بن مسیّب اپنے زمانہ میں، سفیان ثوری اپنے زمانہ میں، احمد بن حنبل اپنے زمانہ میں سب سے بڑے عالم و بزرگ ہیں۔

ایک مرتبہ عبداللہ بن داؤد خریبی نے کہا کہ اوزاعی اپنے زمانہ میں سب سے افضل تھے، انکے بعد ابواسحاق فرازی اپنے زمانہ میں سب سے افضل تھے، یہ سُنکر نصر بن علی نے کہا اور میں کہتا ہوں کہ احمد بن حنبل اپنے زمانہ میں سب سے افضل تھے۔

محمد بن حسین انماطی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ یحییٰ بن معین ابوخیثمہ زہیر بن حرب اور دوسرے علماء کبار کی مجلس میں تھے، اور یہ حضرات احمد بن حنبل کے علم و فضل کا تذکرہ کرکے انکی تعریف و توصیف کرنے لگے، حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ اس موضوع پر زیادہ بات نہیں ہونی چاہئے، یہ سُنکر یحییٰ بن معین نے کہا کہ تم احمد بن حنبل کی زیادہ تعریف کرنا پسند کرتے ہو؟ اگر ہم لوگ انکے علم و فضل کے لیے مجلس منعقد کرکے ان کو بیان کریں تو پورے طور سے بیان نہیں کرسکتے ہیں۔

امام شافعی فرماتے ہیں تین آدمی عجائباتِ زمانہ سے ہیں، ایک عربی ہے جو ایک لفظ صحیح نہیں پڑھتا ہے، یہ ابو ثور ہیں، دوسرا عجمی ہے جو ایک لفظ میں غلطی نہیں کرتا ہے، یہ حسن زعفرانی ہیں، اور تیسرا چھوٹا ہے جو کوئی بات کہتا ہے تو بڑے لوگ اس کو صحیح کہتے ہیں، یہ احمد بن حنبل ہیں، میں نے بغداد میں ان سے بڑا عالم متقی اور فقیہہ نہیں چھوڑا [۱]

ابوبکر عبداللہ بن زبیر حمیدی مکی کہتے ہیں کہ جب تک میں حجاز میں، احمد بن حنبل عراق میں، اور اسحاق بن راہویہ خراسان میں ہیں، ہم پر کوئی غالب نہیں آسکتا ہے۔

ایک مرتبہ بشر حافی سے امام صاحب کے بارے میں سوال کیا گیا، انھوں نے کہا کہ مجھ سے ان کے بارے میں پوچھا جاتا ہے؟ ابن حنبل بھٹی میں ڈالے گئے تو وہاں سے سرخ سونا بن کر نکلے۔

امام صاحبؒ کے شاگرد رشید ابوبکر مروزی ایک مرتبہ جہاد کے ارادے سے نکلے اور لوگ انکے پیچھے پیچھے مقام سامرا تک آگئے بار بار واپس کرنے کے بعد بھی واپس نہ ہوئے، اندازہ کیا گیا تو لوٹنے والوں کے علاوہ پچاس ہزار آدمی موجود تھے، ابوبکر مروزی سے لوگوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ادا کریں، یہ آپ کے علم کی اشاعت کی برکت ہے، انھوں نے رد کر کہا کہ یہ میرا علم نہیں ہے بلکہ احمد بن حنبل کا علم ہے [۲]

ابن جوزی نے مناقب الامام احمد میں صفحہ ۱۰۶ سے صفحہ ۱۳۸ تک امام صاحب کے مناقب و فضائل میں اقوال بیان کئے ہیں۔

---

[۱] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۰ تاریخ ابن عساکر ص ۳۰ ج ۲
[۲] کتاب الانساب سمعانی ج ۱۲ ص ۲۰۲۔

فقہ وفتویٰ میں امام صاحب کے اصول

ابن قیم نے اعلام الموقعین میں بیان کیا ہے کہ فقہ وفتویٰ میں امام احمد بن حنبل کے پانچ اصول ہیں اصل اول نصوص قطعیہ ہیں نص کے ہوتے ہوئے کسی کے قول کو نہیں لیتے ہیں۔ اصول ثانی صحابہ رضی اللہ عنہما کے فتاوے ہیں، جب انکو صحابہؓ کا قول مل جاتا ہے جس کے مخالف دوسرے صحابی کا قول نہیں ہے تو اس پر عمل کرتے ہیں اور کسی دوسرے کے عمل، رائے اور قیاس کو نہیں دیکھتے ہیں اصل ثالث یہ ہے کہ جب صحابہ کے اقوال مختلف ہوتے ہیں تو جو قول کتاب وسنت سے قریب تر ہوتا ہے، اس کو قبول کرتے ہیں۔ اور اگر صحابہ کے مختلف اقوال میں اسکا پتہ نہیں چلتا تو اختلاف بیان کر دیتے ہیں اور کسی ایک قول کو ترجیح نہیں دیتے ہیں۔ اصل رابع یہ ہے کہ ان تینوں مذکورہ اصول میں جب کوئی صریح بات نہیں ملتی ہے تو مرسل حدیث اور ضعیف حدیث کو لیتے ہیں اور اس کو قیاس پر ترجیح دیتے ہیں، ضعیف کا مطلب ان کے نزدیک باطل اور منکر حدیث نہیں ہے اور نہ وہ حدیث ہے جس کے راویوں میں کوئی متہم ہو، بلکہ انکے نزدیک صحیح کے مقابلہ میں ضعیف ہے جو حدیث حسن کی ایک قسم ہے، اگر کسی مسئلہ میں نہ کوئی اثر ہو نہ کسی صحابی کا قول ہو اور اس کے خلاف اجماع نہ ہو تو ایسی حالت میں قیاس کے مقابلہ میں ایسی ضعیف حدیث پر اولیٰ ہے، اصل خامس یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں نص، قول صحابی اور مرسل وضعیف حدیث نہ ہو تو قیاس سے کام لیتے ہیں، امام صاحب کے شاگرد رشید خلال نے قیاس کے بارے میں سوال کیا تو کہا کہ ضرورت کے موقع پر قیاس سے کام لیا جاتا ہے۔

ابن ہانی کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ امام صاحب سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا:

اجرکم علی الفتیا اجرأکم علی النار — تم میں سے جو شخص فتویٰ دینے پر زیادہ جری ہے وہ نارِ جہنم پر زیادہ جری ہے۔

توکہا کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو ایسی بات کا فتویٰ دے جس کو سنا نہیں ہے نیز میں نے سوال کیا کہ جو ایسے مسئلہ میں فتویٰ دے جس میں مشکلات ہیں اور وہ انکے حل سے عاجز ہے توکہا کہ اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔ ابوداؤد نے کہا ہے کہ بہت سے ایسے مسائل جن میں اختلاف ہے، میں نے امام احمد بن حنبل کو ان گنت بار کہتے ہوئے سُنا ہے کہ میں نہیں جانتا ہوں۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے سفیان بن عیینہ سے بہتر عالم فتویٰ کے بارے میں نہیں دیکھا، انکے لئے 'لا ادری' کہدینا بہت آسان تھا، نیز کہتے تھے کہ مالک بن انس سے ایک مغربی شخص نے ایک مسئلہ معلوم کیا تو 'لا ادری' کہا۔ اس نے کہا کہ ابو عبداللہ! آپ 'لا ادری' کہتے ہیں؟ مالک بن انس نے کہا کہ "ہاں، تم لوگوں سے کہدو کہ میں 'لا ادری' کہتا ہوں۔

صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے بہت سے مسائل میں والد کو "لا ادری" کہتے ہوئے سُنا تھا اور مختلف فیہ مسائل میں توقف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ دوسرے سے معلوم کرلو، کسی خاص عالم کا نام نہیں لیتے تھے [1]

امام صاحبؒ کے فتاویٰ اور مسائل کی تدوین

امام صاحب کتاب لکھنے کے سخت مخالف تھے، صرف حدیث کی تدوین و تالیف کو پسند کرتے تھے، اپنی آراء و اقوال اور فتاوی لکھنے سے تلامذہ کو شدت سے منع کرتے تھے حتیٰ کہ بعض تلامذہ کی تحریر اس بارے میں دیکھی تو ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہدیا کہ

---

[1] اعلام الموقعین ج ۱ ص۲۳ تا ص۲۶ خلاصہ

میں نے اس میں مندرج مسائل سے رجوع کر لیا ہے، اس لئے امام صاحب کی زندگی میں انکے فتاویٰ عام نہیں ہو سکے، بعد میں انکے تلامذہ نے انکو جمع کیا چنانچہ انکے تلمیذ خاص ابوبکر خلّال نے اپنی کتاب الجامع الکبیر میں تقریبًا بیس جلدوں میں امام صاحب کے مسائل اور فتاوے مدوّن کئے، اور حبیش بن سندی نے دو جلدوں میں انکے نادر مسائل جمع کئے تھے۔

امام صاحبؒ کے شاگردوں میں حافظ اثرم اسکافی متوفی ۲۲۶ھ نے کتاب السنن فی الفقہ علیٰ مذہب احمد وشواہدہ من الحدیث کے نام سے لکھی [1]

ابوبکر احمد بن محمد فقیہ مروزی بغدادی متوفی ۲۷۵ھ امام احمد کے اجل اصحاب میں سے تھے، ایک مدت تک امام صاحب کی خدمت میں رہ کر علم وعمل حاصل کیا، انھوں نے کتاب السنن بشواہد الحدیث لکھی تھی [2] فقیہ ابوالحسن میمونی رقی متوفی ۲۷۴ھ امام احمد کے اصحاب کبار میں سے تھے، اور اپنے شہر کے مفتی وفقیہ تھے۔ [3]

حافظ حمدان بغدادی متوفی ۲۷۲ھ امام احمد کے نبلا اصحاب میں سے تھے صدق وصلاح اور علم وفضل میں مشہور تھے، محدّث دمشق ابواسحاق ابراہیم بن یعقوب جوزجانی متوفی ۲۵۶ھ نے امام احمد بن حنبل سے تفقہ کی تعلیم پائی، دمشق میں منبر پر حدیث بیان کرتے تھے اور امام صاحب سے خط وکتابت رکھتے تھے اور انکے خطوط منبر پر پڑھ کر سناتے تھے، حافظ حرب بن اسمٰعیل متوفی ۲۸۰ھ امام صاحب کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔

---

[1] اعلام الموقعین ج ۱ صـ۲۳، الفہرست، ابن ندیم صـ۳۲۱، [2] ابن ندیم صـ۳۳۱، تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صـ۱۰۶، [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ صـ۱۶۲ طبقات الحنابلہ ابن ابی یعلیٰ ج صـ۱۲۶۔

ان حضرات اور ان کے علاوہ دوسرے تلامذہ نے امام احمد کے فقہی آراء واقوال اور مسائل کو اپنی کتابوں اور درس کی مجلسوں کے ذریعہ عام کیا، امام صاحب کی حیات میں انکے مسائل وفتاوی باقاعدہ مرتب و مدوّن نہیں تھے کیونکہ امام صاحب اور انکے تلامذہ حدیث کی روایت میں آگے تھے اور فقہاء کے طریقہ پر احکام کے استنباط وتفریع کا عمل انکے یہاں بہت کم تھا، اس سلسلہ میں امام صاحب کے مسائل میں ابوبکر خلاّل کی کتابیں بہت جامع ہیں۔

حنبلی مسلک کے عام نہ ہونے کی وجہ

شیخ الاسلام ابوالوفاء علی بن عقیل بغدادی متوفی ۵۱۳ھ سے حنابلہ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ دوسرے فقہی مذاہب والوں کے مقابلہ میں حنبلی علماء اپنے مسلک کی ترویج واشاعت میں کیوں پیچھے رہے؟ شیخ الاسلام ابوالوفا نے جواب میں لکھا کہ حنابلہ متقشف اور سخت ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انکا میل جول دوسروں سے کم ہوتا ہے، وہ بڑوں کے یہاں آنے جانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ حقیقت پسندی ان پر غالب ہے، آراء کے مقابلہ میں روایات لیتے ہیں، تاویل سے بچنے کے لئے ظاہری معنی پر عمل کرتے ہیں، اُنپر اعمال صالحہ کا غلبہ ہے اس لئے عقلی علوم سے بچتے ہیں، فروعات میں ظاہر کو لیتے ہیں، ظاہری آیات واحادیث کو بغیر تاویل کے قبول کرتے ہیں اس لئے ان پر تشبیہ کا الزام لگایا گیا ہے [1]

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ حنبلی مسلک پر خود حنابلہ نے ظلم کیا ہے، ابوحنیفہ اور شافعی کے تلامذہ قضاء وغیرہ کا عہدہ سنبھالا جس کی وجہ سے ان کو علمی مشغلہ اور

---

[1] طبقات الحنابلہ ابن ابی یعلی ج ۲ ص ۱۲۶

درس و تدریس کے مواقع ہاتھ آئے مگر امام احمد کے تلامذہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہے جس نے علم حاصل کرکے عوام اور حکومت کے کاموں میں دلچسپی لی ہو اس لئے ان کا علمی سلسلہ بہت کم جاری رہ سکا اور زہد و تقشّف کی وجہ سے الگ تھلگ رہے نیز کہتے ہیں کہ امام احمد کے تلامذہ کے جوان طبقہ پر فقہ کا غلبہ رہا اور مشائخ پر زہد و تقویٰ غالب رہا ہے [۱]

زہد و تقویٰ اور استغناء

زہد و تقویٰ اور دنیا و ارباب دنیا سے بے تعلقی امام صاحب کا شعار و دثار تھا، اس وصف میں اپنے تمام اقران و معاصرین سے آگے تھے، خورد و نوش، لباس اور زندگی کے ہر معاملہ میں سادگی، کفایت شعاری اور زہد و تقویٰ پیش نظر رہتا تھا، دنیا اور اہل دنیا سے بے تعلقی کا حال یہ تھا کہ امراء و حکام اور ارباب منصب و جاہ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے، اور نہ ایسے لوگوں کے ہدایا و تحائف قبول کرتے تھے، کئی علماء و محدثین نے امام صاحب کے زہد و تقوی پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

ذریعۂ معاش و معیشت

آپ کے والد نے ایک مکان اور کپڑے کی چھپائی کا ایک کارخانہ چھوڑا تھا، آپ اسی مکان میں رہتے تھے اور کارخانہ کے کرایہ پر بسر اوقات کرتے تھے، مکان میں صحن بہت بڑا تھا، اس میں کاشت کاری کرکے سال بھر کا غلہ پیدا کرلیتے تھے اور اسمیں سے عشر وغیرہ اسی حساب سے نکالتے تھے، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارض سواد (عراق کی زمین) میں مقرر کیا تھا یعنی فی جریب ایک درہم اور ایک بورا غلہ نکالتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے امام صاحب سے ان کے مکان کے بارے میں دریافت کیا

---

[۱] طبقات الحنابلہ: ۱۳۰ و ص ۱۱۹

تو کہا کہ یہ مجھے باپ کے ورثہ میں ملا ہے، اگر کوئی شخص دعوی کرے کہ یہ مکان میرا ہے اور دعوی صحیح ثابت ہو جائے تو میں اس کو چھوڑ دونگا۔[1]

ادریس حدّاد کا بیان ہے کہ آپ کے محلہ میں پارچہ بافوں کی آبادی تھی جب تنگدستی زیادہ ہو جاتی تھی تو امام صاحب ان کے یہاں مزدوری کیا کرتے تھے۔

کان احمد بن حنبل اذا	امام احمد بن حنبل کو جب تنگدستی
ضاق بہ الامر اٰجر نفسہ	ہو جاتی تو پارچہ بافوں کے یہاں مزدوری
من الحاکۃ فسوّیٰ لھم	کرکے انکے کام کرتے تھے۔

ہدایا و تحائف سے پرہیز

فتنۂ خلق قرآن سے رہائی کے بعد گھر میں فقر و فاقہ کی نوبت تھی، اسی زمانہ میں ایک بھاری رقم آپ کو پیش کی گئی مگر آپنے پوری رقم واپس کردی، چچا اسحاق نے پتہ چلایا تو معلوم ہوا کہ پانچ سو درہم تھے۔ انھوں نے امام صاحب سے کہا کہ آپ نے یہ رقم واپس کردی حالانکہ گھر میں سخت تنگدستی ہے، امام صاحب نے جواب دیا۔

یا عمّ! لوطلبناہ لم یاتنا	چچا! ہم کو طلب کرتے تو نہ آتی،
وانما اتانا لما ترکناہ[2]	چھوڑ دیا ہے اس لئے آئی ہے۔

صاحبزادے صالح کا بیان ہے کہ جس دور میں ہم لوگ سخت فقر و فاقہ میں مبتلا تھے، ایک دن والد نماز عصر کے لئے اٹھے میں نے انکی نشست گاہ سے چٹائی اٹھائی تو ایک خط اس مضمون کا ملا، ابو عبداللہ! مجھکو آپ کی تنگدستی اور دین داری کا حال معلوم ہوا میں فلاں کے ذریعہ چار ہزار درہم بھیج رہا ہوں

---

[1] مناقب الامام احمد صـ۱۲۳، [2] ذیل طبقات الحنابلہ صـ۱۸۔

اس رقم سے قرضہ ادا کریں اور اپنا کام چلائیں، یہ رقم زکوٰۃ یا صدقہ نہیں ہے، بلکہ والد کے ترکے سے مجھے ملی ہے۔ میں نے یہ خط پڑھ کر اسی جگہ رکھدیا، جب والد گھر آئے تو میں نے پوچھا کہ یہ کیسا خط ہے؟ یہ سنکر سخت برہم ہوئے اور کہا کہ تم اس کا جواب فوراً لے جاؤ اور اس آدمی کے نام لکھا: "آپ کا خط پہنچا، ہم لوگ عافیت سے ہیں، جس کا قرضہ ہمارے ذمہ ہے وہ ہم کو تنگ نہیں کرتا ہے اور ہمارے اہل وعیال الحمدللہ اس کے فضل و کرم سے نعمت میں گذر بسر کر رہے ہیں، اس شخص نے دوبارہ یہ رقم اور اسی مضمون کا خط بھیجا اور والد نے اب کی بار بھی رقم واپس کر کے وہی جواب دیا۔

حسن بن عبدالعزیز نے ایک ایک ہزار دینار کی تین تھیلی امام صاحب کے پاس بھیجی اور کہلوایا کہ یہ حلال میراث ہے، آپ اس کو قبول کرلیں اور اہل وعیال پر خرچ کریں مگر آپ نے استغناء ظاہر کر کے وہ تھیلیاں واپس کردیں، ایک مرتبہ خلیفہ مامون نے اپنے دربان کو کچھ مال دیا اور کہا کہ اس کو محدثین میں تقسیم کردو، وہ حضرات ضرورت مند ہوتے ہیں، امام احمد کے علاوہ جن جن کو دی گئی سب نے قبول کی۔

ایک بار امام صاحب کے استاد یزید بن ہارون نے پانچ سو درہم آپ کے سامنے پیش کئے مگر آپ نے قبول نہیں کئے تو انھوں نے اپنے مستملی ابو مسلم اور یحیٰی بن معین کو دے دیا۔

صاحبزادے صالح کہتے ہیں کہ بغداد کے ایک صرّاف کا لڑکا والد کی مجلس درس میں شریک ہوتا تھا ایک دن آپ نے اس کو ایک درہم کاغذ خریدنے کے لئے دیا اس نے کاغذ خرید کر اس میں پانچ سو دینار رکھے اور کاغذ کے اندر اس کو لپیٹ دیا، آپ نے گھر والوں سے کاغذ کے بارے میں دریافت کیا تو بتایا گیا کہ ہاں کوئی بیاض آئی ہے، جب آپ نے اس کو کھولا تو دینار بکھر گئے، آپ نے لڑکے کے سامنے کاغذ اور تمام دینار رکھ کر کہا کہ ان کو لے جاؤ۔ جوان کہتا رہا کہ کاغذ تو آپ کی رقم سے

خریدا گیا ہے۔ مگر آپ نے اس کے لینے سے بھی انکار کر دیا۔[1]

ابو بکر مروزی کہتے ہیں کہ امام صاحب کو میں نے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں فقر و محتاجی کے برابر کسی چیز کو نہیں سمجھتا ہوں میں نے صالحین کی جماعت کو اسی حال میں دیکھا ہے، عبداللہ بن ادریس کو دیکھا ہے کہ بڑھاپے میں ان کے جسم پر لبادہ کا جبہّ تھا، ابو داؤد کو دیکھا ہے کہ ان کے اوپر پھٹا ہوا جبہّ ہے جس سے روئی باہر آرہی ہے، وہ مغرب اور عشاء کے درمیان نماز پڑھ رہے تھے اور بھوک سے نڈھال تھے، مکہ میں ابو ایوب بن نجّار کو دیکھا ہے جو دنیا کی خوش حالی زندگی بسر کر رہے تھے مگر سب کچھ چھوڑ دیا تھا، وہ عُبّاد میں سے تھے۔

عہدۂ قضاء سے انکار جس زمانہ میں امام شافعی بغداد میں تھے اور امام احمد بن حنبل انکے درس میں شریک ہوتے تھے، خلیفہ ہارون رشید نے امام شافعی سے کہا کہ یمن میں قاضی کی ضرورت ہے، آپ کے پاس آنے جانے والوں میں کوئی شخص اس کے مناسب ہو تو بھیج دیں، دوسرے دن امام شافعی حلقۂ درس میں آئے اور امام احمد سے کہا کہ خلیفہ نے یمن میں عہدۂ قضاء کے لئے مجھ سے بات چیت کی ہے اور آدمی کا انتخاب میری مرضی پر چھوڑا ہے، میں اس کام کے لئے آپ کو پسند کرتا ہوں تیار ہو جائیں تاکہ امیر المومنین کے سامنے آپ کا نام پیش کروں، امام احمد نے جواب دیا کہ میں آپ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کرنا چاہتا ہوں اور آپ مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ سلاطین کی مرضی کے لئے عہدۂ قضاء قبول کر لوں، یہ جواب سنکر امام شافعی خاموش ہو گئے۔ خلیفہ امین امام شافعی کا بڑا قائل تھا، ایک دن اس نے امام شافعی سے کہا کہ مجھے ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو امین اور پابند سنت ہو، امام شافعی نے کہا کہ میں ایک آدمی کو جانتا ہوں جو ایسا ہی ہے صاحب سنت

[1] تاریخ ابن عساکر صہ۳۸، صہ۳۹ ج ۲

فقیہہ کامل اور صاحب حدیث ہے، امین نے نام پوچھا تو کہا کہ یہ احمد بن حنبل ہیں جب امام شافعی کی یہ بات امام احمد تک پہنچی توان کے پاس جاکر کہا کہ آپ قابلِ اطمینان، امانتدار، پابند سنت اور محدث کو امین کے یہاں بھیجدیں اور مجھے معاف کریں ورنہ میں شہر چھوڑ دوں گا [1]

لباس اور غذا وغیرہ

امام صاحب کھانے پہننے میں نہایت سادگی اور کفایت شعاری سے کام لیتے تھے، ایسے لباس سے بچتے تھے جو شہرت کا باعث ہو اور جس سے علمی اور دینی وقار مجروح ہو۔

محمد بن عباس بن ولید نحوی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو دیکھا ہے، نہایت خوبصورت، میانہ قد کے تھے، حنا کا خضاب استعمال کرتے تھے جو بہت زیادہ سُرخ نہیں ہوتا تھا۔ ان کی داڑھی میں چند بال کالے تھے میں نے انکے کپڑے دیکھے ہیں دبیز اور سفید تھے، عمامہ بھی باندھتے تھے، جسم پر چادر بھی ہوا کرتی تھی [2] آپ کے کپڑے عام طور سے سفید روئی کے ہوتے تھے۔ نہ بہت زیادہ موٹے اور نہ بہت زیادہ باریک، البتہ آخری دور میں جب آپ کے لڑکے بے نیاز ہوگئے تو اپنی آمدنی سے اچھے لباس استعمال کرنے لگے تھے۔

ایک مرتبہ امام صاحب خلیفہ متوکل کے یہاں گئے، اس نے اپنی ماں سے کہا کہ ان کی آمد سے ہمارا گھر منور ہوگیا ہے۔ پھر امام صاحب کو لباس فاخرہ پہنایا اس وقت آپنے روکر کہا کہ میں عمر بھر ان لوگوں سے بچتا رہا، اور جب موت کا وقت قریب آیا تو ابتلا میں پڑ گیا، اور باہر آکر یہ کپڑے اتار دیئے۔

ایک مرتبہ امام صاحب کی والدہ کے پاس کپڑے نہیں تھے اسی زمانہ میں

---

[1] مناقب الامام احمد صـ ۲۷۰، تاریخ ابن عساکر ج ۲ صـ ۳۱۔ [2] تاریخ بغداد ج ۴ صـ ۴۱۶۔

زکوٰۃ کی رقم آئی تو انھوں نے یہ کہکر واپس کردی کہ لوگوں کے مال کے میل سے عریانی بہتر ہے، تھوڑے دن رہ کر یہاں سے کوچ کرنا ہے[1]

یحیٰی نامی ایک بزرگ نے وصیت کی کہ میرے جسم کے کپڑے احمد بن حنبل کے پاس بھیج دیئے جائیں۔ جب یہ کپڑے آپ کے پاس پہنچے تو یہ کہکر واپس کردیئے کہ یہ میرا لباس نہیں ہے[2]

امام صاحب کی غذا نہایت معمولی مگر بہت پاکیزہ ہوتی تھی جس سے جسمانی، علمی اور روحانی طاقت بحال رہتی تھی۔ صاحبزادے صالح کا بیان ہے کہ میں والد صاحب کو بسا اوقات دیکھتا تھا کہ روٹی کے ٹکڑے لے کر غبار صاف کرتے اور پیالہ میں رکھکر پانی سے تر کرتے اور اس کے بعد نمک سے کھاتے تھے، میں انکو کبھی میوہ خریدتے ہوئے نہیں دیکھا، البتہ تربوز، انگور اور کھجور خرید کر روٹی سے کھایا کرتے تھے۔

جس زمانہ میں امام صاحب خلیفہ متوکل کے یہاں تھے انکے یہاں ان کے دوستوں کی ایک جماعت آئی اور اس کی دعوت و مدارات میں اپنی ساری رقم خرچ کردی اور پندرہ دن تک معمولی غذا پر اکتفار کیا یہاں تک بغداد سے انکا خرچ آیا

عبادت وریاضت

سلف صالحین علم اور عمل کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے اور عبادت و ریاضت ان کے علم کی پہچان تھی۔ امام احمد بن حنبل اس بارے میں بچپن ہی سے مشہور تھے ابراہیم بن شماس کا بیان ہے کہ میں احمد بن حنبل کو بچپن سے جانتا ہوں، وہ اس زمانہ میں بھی رات کو عبادت کرتے تھے۔ صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے کہ والد روزانہ رات دن میں تین سو رکعات نفل نماز پڑھتے تھے اور درہ زنی کے بعد بیمار ہوگئے تو رات دن میں

---

[1] طبقات شعرانی ج ۱ صـ۱۷۱ و صـ۱۷۲ ۔ [2] تاریخ ابن عساکر ج ۲ صـ ۳۹

ڈیڑھ سو رکعات پڑھتے تھے، اس وقت انکی عمر اسّی سال کے قریب تھی، روزانہ ساتواں حصہ قرآن پڑھتے تھے، عشاء کے بعد تھوڑا سا سوکر صبح تک نماز میں مشغول رہتے تھے ایک مرتبہ امام شافعی، امام یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل ایک ساتھ مکہ مکرمہ گئے اور ایک ہی مکان میں اترے، شافعی اور یحییٰ بن معین لیٹ گئے، اور احمد بن حنبل نماز پڑھنے لگے، صبح کو شافعی نے کہا کہ میں نے رات دو سو مسائل حل کئے، یحییٰ بن معین نے کہا کہ میں نے دو سو احادیث کو کذّاب سے محفوظ کیا، احمد بن حنبل نے کہا کہ میں نے ایک ختم قرآن نماز میں پڑھا ہے۔

جس زمانہ میں خلق قرآن کا فتنہ اٹھا اور امام صاحب کے انکار پر تلاشی ہوئی، آپ کچھ دنوں تک ابراہیم بن ہانی کے یہاں روپوش تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے ابو عبداللہ سے زیادہ عابد زاہد اور مجاہدہ کرنے والا نہیں دیکھا، دن میں روزہ رکھتے تھے، افطار میں جلدی کرتے تھے، اور عشاء کے بعد چند رکعات نفل پڑھکر تھوڑا سا سو جاتے، اس کے بعد اٹھکر وضو کرتے اور رات بھر نماز میں رہتے تھے، آخر میں ایک رکعت وتر پڑھتے تھے، جب تک میرے یہاں رہے انکا یہی معمول رہا، کسی رات میں نے اس میں ناغہ نہیں دیکھا۔ اس مدت میں ایک دن پچھنی لگوائی اور روزہ ترک کیا۔

صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابو زرعہ کے والد ہمارے یہاں آئے، اور دونوں میں علمی مذاکرہ ہوتا رہا، والد نے کہا کہ آج میں نے صرف فرض نماز پڑھی ہے اور اپنی نوافل پر ابو زرعہ کے ساتھ مذاکرہ کو ترجیح دی ہے۔

حج و زیارت

امام صاحب نے پانچ مرتبہ حج کیا، ان میں سے تین میں بغداد سے مکہ تک پیدل آئے گئے، ایک مرتبہ حج میں صرف بیس درہم خرچ کئے۔ ابو بکر مروزی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ احمد بن حنبل نے کہا

کہ بعض لوگوں نے سفر حج میں مکہ سے بغداد تک صرف چودہ درہم خرچ کئے پوچھا گیا کہ کون تھا؟ کہا کہ میں تھا۔

صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے والد کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک منہ سے لگاتے، بوسہ دیتے اور دونوں آنکھوں پر رکھتے اور اس کو پانی میں ڈبو کر پیتے اور شفا حاصل کرتے تھے۔ نیز میں نے دیکھا ہے کہ والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ مبارک لیکر پانی میں دھوتے اور پانی پیتے، کئی بار میں نے دیکھا ہے کہ شفار کے لئے آب زمزم پیتے تھے، اپنے بدن اور چہرے پر ڈالتے تھے۔ صاحبزادے صالح کا بیان ہے کہ میں بیمار پڑجاتا تو والد پیالے میں پانی لیتے پڑھ کر اس پر دم کرتے اور کہتے کہ اس کو پیو اور چہرے اور ہاتھ کو دھوؤ[1]

فتنۂ خلق قرآن اور امام احمد بن حنبل

عراق کی سرزمین ہمیشہ سے فتنہ وفساد کا منبع ومخرج رہی ہے، بغداد کی تعمیر سے پہلے کوفہ اور بصرہ اسلام کے خلاف فکری وذہنی فتنوں کے مرکز تھے، جب بغداد کی آبادی اور رونق بڑھی تو یہ سارے فتنے سمٹ سمٹا کر یہاں آگئے، امام احمد بن حنبل کے دور میں معتزلہ جہمیہ، قدریہ، جبریہ، مرجیہ، صفاتیہ، مشبہ، معطلہ وغیرہ مسلمانوں میں پیدا ہوگئے تھے جو کتاب وسنت اور سلف کے خلاف اسلامی عقائد ومسلمات کے بارے میں طرح طرح کی موشگافیاں کرنے لگے تھے لیکن خلیفہ مامون عباسی سے پہلے خلفار وامرا کی طرف سے ان فتنوں اور فتنہ پردازوں کی ہمت افزائی نہیں ہوتی تھی، بلکہ اس کے برخلاف علمار وفقہا، اور محدثین کی ہمت افزائی اور فتنہ پرورد

---

[1] مناقب الامام احمد کے مختلف مقامات سے

کی سخت تادیب ہوتی تھی، یہاں تک کہ قاضی احمد بن ابوداؤد معتزلی نے خلیفہ مامون سے ساز باز کرکے ۲۱۸ھ میں خلق قرآن کا فتنہ برپا کیا اور پورے عالم اسلام میں آگ لگائی۔ مامون کے بعد معتصم اور واثق نے اس فتنہ کو سرکاری طور سے جاری رکھا، یہاں تک کہ متوکل نے ۲۳۴ھ میں اس کو ختم کیا اور مسلسل سولہ سال تک ائمہ دین، علماء، فقہاء محدثین اس بھٹی میں جلتے رہے۔ ہزاروں ارباب عزیمت اس عقیدہ سے انکار کی وجہ سے قید و بند میں مبتلا ہوئے، سخت ترین سزائیں برداشت کیں اور کتنے اس میں جاں بحق ہوگئے، اس کے مقابلہ میں امام احمد بن حنبل اپنی پوری ایمانی طاقت کے ساتھ ڈٹ گئے اور انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی آبرو رکھ لی۔

فتنۂ خلق قرآن کا پس منظر

مامون، معتصم اور واثق کے دور میں فقہاء اور محدثین کے مقابلہ متکلمین، معتزلہ اور منحرفین کو غلبہ اور سرکاری تعاون حاصل تھا، مامون نے روم و ایران اور ہندوستان وغیرہ سے منطق و فلسفہ اور تعلیماتی علوم و فنون کی کتابیں جمع کیں، انکے ترجمے کرائے اور ان کی اشاعت ہوئی جس کے نتیجہ میں طرح طرح کے شکوک و شبہات عوام و خواص میں پیدا ہونے لگے اور محدثین و علماء اپنے اپنے انداز میں انکا دفاع کرتے تھے، اسی درمیان میں خلق قرآن کا فتنہ اٹھا اور قاضی احمد بن ابوداؤد اور خلیفہ مامون نے اس کو مستقل تحریک کی صورت میں جاری کیا۔

قاضی احمد بن ابوداؤد بڑا عالم و فاضل اور فصیح و بلیغ آدمی تھا، رئیس المعتزلہ واصل بن عطاء کے شاگرد ھیاج بن علاء سلمی کی صحبت میں رہ کر اعتزال کی تعلیم حاصل کی۔ اپنی قابلیت کی وجہ سے مامون کے دماغ پر چھا گیا اور اس کو قرآن کے مخلوق ہونے کے عقیدے کی ترویج و اشاعت پر آمادہ کیا، جس کی جڑ یہود و نصاریٰ تک پہنچتی ہے۔ اس نے خلق قرآن کا عقیدہ بشر مریسی سے، اس نے جہم بن صفوان سے

اس نے جعد بن درہم سے، اس نے ابان بن سمعان سے، اس نے لبید بن اعصم یہودی کے بھانجے اور داماد طالوت سے سیکھا تھا۔ یہ لبید بن اعصم وہی یہودی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کیا کرایا تھا اور تورات کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا طالوت زندیق و بددین شخص تھا۔ اس نے سب سے پہلے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی تھی۔[1]

امام صاحب کی گرفتاری قید اور دُرّہ زنی

اسلامی عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرح اسکا کلام بھی قدیم ہے مگر ابن ابی دُواد نے حکومت کے ذریعہ مسلمانوں میں یہ عقیدہ پھیلانا چاہا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام یعنی قرآن اللہ کی طرح قدیم نہیں ہے بلکہ مخلوق اور حادث ہے اور بتایا کہ اس کا مقصد توحید خالص کی تعلیم ہے۔ ۲۱۸ھ میں خلیفہ مامون نے پورے عالم اسلام میں سرکاری حکم جاری کیا کہ ہر مقام کا امیر و حاکم اپنے یہاں کے اہل علم سے اس کا اقرار لے، انکار کی صورت میں سزا دے اور قید کرکے اس کے دربار میں بھیجدے۔

چنانچہ بغداد کے پولیس افسر اسحاق بن ابراہیم کو اسی مضمون کا خط لکھا اور اس نے وہاں کے نامی گرامی علماء و محدثین کو بلایا جن میں امام احمد بن حنبل بھی تھے، ان کے سامنے مامون کا خط پیش کرکے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کرانا چاہا۔ اس نے کہا کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ امام صاحب نے کہا کہ قرآن کلام اللہ ہے، اس نے پوچھا کیا وہ مخلوق ہے، امام صاحب نے کہا کہ وہ کلام اللہ ہے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتا ہوں، اسحاق نے اس بات پر انکو جیل خانہ میں ڈال دیا۔ انکے ساتھ تین اور محدث تھے، دوسرے دن

---

[1] کامل ابن اثیر ج، صـ ۲۳۶۔

جیل خانے نکال کر سب سے یہی سوال کیا ان میں سے ایک نے اس کا اقرار کر لیا اور امام احمد اور ان کے دو ساتھیوں کو جیل میں بھیج دیا، تیسرے دن بلا کر یہی بات کہی آج بھی ایک نے اقرار کر لیا اور امام احمد اور انکے ساتھی محمد بن نوح کو طرسوس روانہ کر دیا گیا، محمد بن نوح طرسوس کے راستہ میں مقام رحبہ طوق میں انتقال کر گئے، امام احمد نے انکی تجہیز وتکفین کی، اسحاق کے سامنے جن لوگوں نے خلق قرآن کا اقرار کیا تھا انکے بارے میں مامون کو بتا یا گیا کہ انھوں نے زبردستی اقرار کیا ہے اس نے ان سبکو اپنے پاس بلایا، اس وقت وہ بلاد روم کے مقام بدندالی میں تھا، جب پا بزنجیر محدثین مقام رقہ میں پہنچے تو خبر ملی کہ مامون کا انتقال ہو گیا ہے، اس وقت امام احمد رقہ کے قید خانہ میں تھے، مامون نے مرتے وقت آنے والے خلیفہ کو اس بارے میں تاکید کی تھی۔

مامون کے بعد معتصم کا دور آیا تو امام صاحب زنجیروں میں مقید بغداد لائے گئے، چند دن مقام یاسریہ میں رکھے گئے اس کے بعد کرایہ کے ایک مکان میں قید کئے گئے، پھر عام جیل خانہ میں بھیجد یئے گئے، جہاں آپ بیڑیوں میں رہ کر قیدیوں کی امامت کرتے تھے اور رمضان ۲۱۹ھ میں اسحاق بن ابراہیم کے مکان کے قریب منتقل کئے گئے، تقریباً ڈھائی سال جیل خانہ میں رہے۔ اس درمیان میں معتصم جیل خانہ سے امام صاحب کو نکال کر بھرے دربار میں خلق قرآن کے بارے میں بحث ومباحثہ کرتا تھا پھر جیل خانہ میں ڈال دیتا تھا۔ آخر میں یہاں تک باری آئی کہ امام صاحب کو درے رسید کئے گئے، اور معتصم نے اپنے سامنے امام صاحب کو جلادوں سے کوڑے لگوائے اور سخت سے سخت سزا دی، عین وقت پر معتصم نرم پڑ گیا اور امام صاحب کو چھوڑ دینا چاہا مگر بانیٔ فتنہ قاضی احمد بن ابوداؤد موجود تھا، اس نے ورغلایا اور سزا دلوائی۔

امام صاحب بیان کرتے ہیں کہ طرسوس جاتے ہوئے ہم رات میں رحبہ طوق میں پہنچے تو وہاں ایک شخص نے آکر پوچھا کہ تم لوگوں میں احمد بن حنبل کون ہے ؟ لوگوں نے میرا تعارف کرایا ، اس نے کہا کہ کوئی بات نہیں ہے اگر یہاں قتل کر دیئے گئے تو جنت میں داخل ہوں گے ، بعد میں امام صاحب نے بتایا کہ یہ قبیلہ ربیعہ کا بدوی شاعر جابر بن عامر تھے جن کا ذکر خوبی سے کیا جاتا تھا ، اسی زمانہ میں ایک اور بدوی نے امام صاحب سے کہا کہ اے احمد ! اگر راہ حق میں قتل کئے جاؤ گے تو شہید ہوگے۔ اور اگر زندہ بچ گئے تو قابل تعریف زندگی بسر کروگے ، امام صاحب کہتے ہیں کہ اس اعرابی کی بات سے میرا دل مضبوط ہوگیا ، ابو حاتم رازی کہتے ہیں کہ اس اعرابی کی بات صحیح نکلی ، اس امتحان کے بعد اللہ تعالیٰ نے امام احمد کا مرتبہ بہت بلند کر دیا ، اور عوام و خواص میں انکی عزت و عظمت بہت بڑھ گئی۔

جس وقت امام صاحب معتصم کے سامنے پیش کئے گئے وہاں قاضی احمد بن ابو دُواد اور ابو عبدالرحمن شافعی موجود تھے۔ معتصم نے امام صاحب کو اپنے سامنے بٹھایا حاضرین دربار نے امام صاحب کو ڈرایا ، اس سے پہلے دو آدمیوں کی گردن ماری جاچکی تھی۔ امام صاحب نے ابو عبدالرحمن شافعی کو دیکھا تو ان سے پوچھا کہ مسح کے بارے میں امام شافعی کی رائے آپ کو معلوم ہے ؟ یہ سُنکر قاضی ابن ابو دُواد بول اٹھا کہ دیکھو اس آدمی کو کہ گردن مارنے کے لئے سامنے لایا گیا ہے اور فقہی بحث کر رہا ہے۔

امام صاحب کا بیان ہے کہ جیل خانہ میں مجھے سب سے زیادہ خوف کوڑے کی سزا کا تھا ، جیل ہزار تکلیف کے باوجود رہنے کی جگہ تھی۔ قتل وقتی تکلیف کا باعث مگر درّے کی سزا میرے لئے ناقابل برداشت معلوم ہوتی تھی ، مگر جیل خانہ کے ایک قیدی نے مجھ سے کہا کہ اس سے بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے ، دو کوڑے کے بعد آپ کو پتہ بھی نہ چلے گا کہ کوڑے کہاں پڑ رہے ہیں۔ معتصم نے بڑی بے دردی سے

امام صاحب کو کوڑے لگوائے، اس وقت آپ روزہ سے تھے، سارا جسم لہولہان ہوگیا تھا، یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے، یہ واقعہ رمضان ۲۲۰ھ کے آخری عشرہ کا ہے۔

امام صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب مجھے کوڑے مار چکے تو عجیف ریش دراز آیا اور اپنی تلوار کے قبضہ سے مجھے مارا، میں نے سوچا کہ راحت کا وقت آگیا اور اب اس تکلیف سے مجھے نجات مل جائے گی یعنی میں اب قتل کردیا جاؤں گا۔ حاضرین میں سے ابن سماعہ نامی ایک شخص نے معتصم سے کہا کہ امیرالمومنین! اس کی گردن ماردیں؟ اس کا خون میری گردن پر ہوگا مگر ابن دُواد نے کہا کہ امیرالمومنین! ایسا نہ کریں، اگر یہ شخص یہاں قتل کردیا گیا، یا مرگیا تو لوگ یہی کہیں گے کہ احمد بن حنبل نے صبر و استقامت سے کام لے کر جان دیدی اور انکو اپنا پیشوا بنا کر ان ہی کی بات پر جمے رہیں گے۔ بہتر ہے کہ آپ اسی وقت انکو یہاں سے نکال دیں، اگر آپ کے یہاں سے باہر جاکر مریں گے تو لوگوں کی نظر میں انکا معاملہ مشتبہ و مشکوک ہوجائے گا، معتصم نے اس رائے پر عمل کرتے ہوئے امام صاحب کے چچا کو بلایا اور لوگوں کو مخاطب کرکے کہا کہ انکو پہچانتے ہو؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں یہ احمد بن حنبل ہیں۔ معتصم نے کہا: انکو دیکھ لو صحیح البدن ہیں یا نہیں؟ لوگوں نے اسکی بھی تصدیق کی، اس واقعہ کے راوی ابوزرعہ رازی کہتے ہیں کہ معتصم کو خطرہ تھا کہ اگر ایسا نہیں کرے گا تو فساد ہوگا جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکے گا اور اسطرح انکو نکالنے سے لوگوں کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے گا۔

امام صاحب کی طرف سے عام معافی اور درگذر

امام صاحب نے اللہ کیلئے اس کی راہ میں صبر و استقامت سے کام لے کر دین کی صیانت و حفاظت کے لئے سب کچھ برداشت کیا تھا اس لئے بعد میں اپنے تمام دشمنوں کو معاف کردیا، کہتے تھے کہ میرے مارنے والوں کو جو مرچکے ہیں میں نے معاف کردیا ہے۔

میں نے یہ آیت پڑھی:

فَمَنۡ عَفَا وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اور اسکی تفسیر دیکھی تو حسن بصری رح کا یہ قول ملا کہ قیامت کے دن تمام امتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے لائی جائیں گی اور ندا ہوگی کہ جس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے کھڑا ہو جائے، اسوقت وہی آدمی کھڑا ہوگا جس نے دنیا میں عفو و درگذر کیا ہے، اس لئے میں نے اپنے مارنے والوں میں سے جو فوت ہو گئے ہیں انکو معاف کر دیا پھر کہا کہ اس میں آدمی کا کیا نقصان ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب نہ دے۔ اور معتصم نے جس دن بابل یا عموریہ فتح کیا امام صاحب نے کہا کہ اس کو میں نے معاف کر دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ واثق نے امام صاحب کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ معتصم کو معاف کر دیں، امام صاحب نے جواب میں کہلایا کہ میں نے معتصم کے دروازے سے نکلنے سے پہلے ہی اس کو معاف کر دیا ہے۔ معتصم کے بعد ۲۲۷ھ میں واثق خلیفہ ہوا تو قاضی احمد بن دُواد نے اس کو بھی خلق قرآن پر آمادہ کیا، اور اس نے بھی علماء و محدثین کو ابتلاء میں ڈالا، مگر امام احمد بن حنبل کو نہیں چھیڑا کیونکہ وہ ان کے صبر و عزیمت کا حال دیکھ چکا تھا اور سمجھتا تھا کہ ان کو ستانے کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ البتہ امام صاحب کے یہاں پیغام بھیجا کہ آپ میرے شہر میں نہ رہیں، اس لئے امام صاحب واثق کے پورے دور میں مختلف شہروں میں روپوشی کی زندگی بسر کرتے رہے، آخر میں اپنے مکان ہی میں نظر بند کی حیثیت سے رہنے لگے تھے۔ واثق کے انتقال تک یہی حال رہا۔ ان تمام ادوار میں حسب حال کھلے بندوں یا چھپ چھپا کر امام صاحب حدیث کا درس دیتے رہے حتیٰ کہ جیل خانہ کے اندر اس کی تعلیم دی۔

اِس فتنہ کا خاتمہ

واثق کے بعد ۲۳۲ھ میں متوکل خلیفہ ہوا جس نے اس مصیبت عظمیٰ اور فتنہ کبریٰ کو ختم کر کے معتزلہ، جہمیہ اور

دوسرے فرقوں کے مقابلہ علماء و فقہاء اور محدثین کی ہمت افزائی و ہمنوائی کی اور ۲۳۴ھ میں فقہاء و محدثین کو بلا کر ان کے وظیفے جاری کر دیئے اور انعامات سے ان کو نواز کر حکم دیا کہ وہ کھل کر مجلس درس قائم کریں، لوگوں کو حدیث کی تعلیم دیں اور معتزلہ وجہمیہ کا رد کریں ۲۳۷ھ میں متوکل نے امام صاحب کو طلب کیا کیونکہ بعض دشمنوں نے متوکل کو خبر دی تھی کہ احمد بن حنبل کے مکان میں علوی دُعاۃ چھپے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی نجات دی۔

خراج عقیدت

اس ابتلاء نے امام احمد بن حنبل کو امام المحدثین، الناصر للدین، الصابر فی المحنۃ، الناصر للسنۃ، شیخ العصابہ مقتدی الطائفۃ بنا دیا، اور انکے دور کے ائمۂ علم و دین نے انکو اپنے زمانہ کی عظیم شخصیت قرار دیا، علی بن مدینی نے یہاں تک کہہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین کی حفاظت میں احمد بن حنبل کی طرح کوئی سامنے نہیں آیا، میمونی نے کہا کہ ابوالحسن! ابوبکر بھی نہیں؟ ابن مدینی نے کہا کہ ہاں ابوبکر بھی نہیں، ابوبکر کے ساتھ اعوان اور انصار تھے اور احمد بن حنبل کے اعوان و انصار بھی نہیں تھے [1]

ربیع بن سلیمان کا بیان ہے کہ امام شافعی نے قیام مصر کے زمانہ میں مجھے ایک خط دیا اور کہا کہ بغداد جاؤ اور ابوعبداللہ کو دیکر اس کا جواب لاؤ، میں وہ خط لے کر بغداد پہنچا اور فجر کی نماز میں احمد بن حنبل سے مل کر کہا کہ آپ کے بھائی شافعی نے مصر سے یہ خط بھیجا ہے۔ احمد بن حنبل نے پوچھا کہ آپ نے خط پڑھا ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا، اس کے بعد انھوں نے اس کی مہر توڑی اور خط پڑھ کر انکی آنکھیں نمناک ہوگئیں۔ میں نے پوچھا ابوعبداللہ! خط میں کیا ہے؟ بتایا کہ شافعی نے

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مناقب الامام احمد، تاریخ بغداد، طبقات الشافعیۃ الکبری وغیرہ۔

لکھا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے، آپ نے مجھ سے فرمایا ہے کہ تم ابوعبداللہ کو میرا سلام لکھو اور یہ کہ تم عنقریب ایک آزمائش میں ڈالے جاؤ گے اور خلق قرآن کے قائل ہونے کی تم کو دعوت دی جائے گی، تم اس کے داعیوں کا جواب نہ دینا۔ اللہ تعالیٰ قیامت تک تمہارا جھنڈا اونچا رکھے گا۔

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں کہ خط سنکر میں نے کہا ابوعبداللہ! آپ کو مبارک ہو اس کے بعد احمد بن حنبل نے اپنے بدن سے کرتا اتار کر مجھے دیا اور میں ان سے جواب لیکر مصر روانہ ہوگیا، وہاں پہنچکر شافعی کو احمد بن حنبل کا خط دیا، شافعی نے پوچھا کہ احمد بن حنبل نے تم کو کیا دیا ہے؟ میں نے کہا کہ اپنا کرتا دیا ہے، شافعی نے کہا کہ تم اس کو پانی میں بھگو کر پانی مجھے دو، میں اس سے برکت حاصل کروں گا[1]

وفات ۲۴۱ھ

امام صاحب کی وفات بارہ ربیع الاول ۲۴۱ھ جمعہ کو ہوئی، رحمۃ اللہ علیہ، مرض کی ابتدا ر چہارشنبہ کی رات میں دو ربیع الاوّل کو ہوئی تھی نو دن بیمار رہے، اس درمیان لوگ گروہ در گروہ امام صاحب کو سلام کرنے اور بیمار پرسی کے لئے آتے رہے، اور آپ سب کو جواب دیتے رہے بیماری کی خبر جوں جوں پھیلتی تھی لوگوں کا ہجوم بڑھتا جاتا تھا، یہانتک کہ حکومت نے دروازہ اور گلی پر پہرہ بٹھادیا، زائرین کی بھیڑ مسجدوں اور گلیوں میں جمع ہونے لگی خرید وفروخت میں خلل پڑنے لگا، اور لوگ دیواروں پر چڑھ کر جانے لگے امیر بغداد ابن طاہر نے اپنے حاجب کے ذریعہ امام صاحب کو سلام بھیجکر پیغام دیا کہ میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں، آپ نے جواب دیا کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ امیرالمومنین نے بھی مجھے اس سلسلہ میں معاف کر دیا ہے۔ بنوہاشم کے اعیان واشراف آئے تو ان کو اندر آنے کی اجازت دی، قاضیوں کی ایک جماعت آئی جس کو داخلہ کی

---

[1] مناقب الامام احمد ص۴۵۴ و ص۴۵۵، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص۳۶

اجازت نہیں ملی، اسی درمیان میں ایک بزرگ نے آکر کہا کہ ابو عبداللہ! دربار خداوندی کی پیشی یاد کرو، امام صاحب یہ سنکر رونے لگے۔

وفات سے ایک یا دو دن پہلے آہستہ سے کہا کہ بچوں کو میرے سامنے لاؤ۔ بچے ایک ایک کر کے انکے قریب جاتے اور امام صاحب انکے سر پر ہاتھ پھیرتے اس وقت آنکھوں سے آنسو جاری تھے، چارپائی کے نیچے طشت رکھا گیا تو اس میں خون تھا۔ پیشاب کا اثر تک نہیں تھا۔ طبیب نے بتایا کہ حزن و غم نے ان کا خون کر دیا ہے، پنجشنبہ کے دن مرض بڑھ گیا۔ رات میں اور شدت پیدا ہوگئی، جمعہ کے دن صبح میں وفات ہوئی، اور شہر بغداد میں آہ و بکا کا ہنگامہ برپا ہوگیا اور جمعہ کی نماز کے بعد جنازہ نکالا گیا، نماز جنازہ میں بے پناہ ازدحام تھا، میدان کے علاوہ لوگوں نے دجلہ میں کشتیوں میں، بازاروں، گلی کوچوں میں نماز جنازہ پڑھی، نماز جنازہ کی جگہ ناپ کر کے اندازہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ چھ لاکھ سے زیادہ لوگ شریک تھے، اطراف و جوانب اور مختلف مقامات میں جو لوگ موجود تھے، ان کا شمار نہیں ہے۔

امام صاحب کے غم و ماتم میں مسلمانوں کی طرح یہود و نصاریٰ اور مجوس بھی شریک تھے۔ انتقال کے وقت آپکی عمر ،، سال کی تھی[1] ایک ہفتہ تک قبر کے قریب لوگ نماز جنازہ پڑھتے رہے۔

اولاد اور احفاد

امام صاحب نے چالیس سال کی عمر میں شادی کی ایک بیوی کا نام عائشہ بنت فضل تھا، ان کے بطن سے صالح پیدا ہوئے، انکے انتقال کے بعد دوسری بیوی ریحانہ ایک آنکھ کی زخمی تھی انکے بطن سے عبداللہ پیدا ہوئے۔ امام صاحب نے ایک باندی حُسن نام کی خریدی تھی

---

[1] مناقب الامام احمد، تاریخ بغداد، طبقات الشافعیہ، تاریخ ابن عساکر۔

اس کے بطن سے صاحبزادی زینب ام علی پیدا ہوئیں، اس کے بعد حسن اور حسین دو بچے ایک ساتھ (توٗمین) پیدا ہوئے اور جلد ہی دونوں انتقال کر گئے، پھر حسن اور محمد اور سعید پیدا ہوئے۔

صالح امام صاحب کی سب سے بڑی اولاد تھے، ۲۰۳ھ میں پیدا ہوئے نوعمری ہی میں خاندان والوں کی ذمہ داری آ گئی تھی۔ امام صاحب کے علاوہ اور کئی محدثین سے روایت کی تھی، اصفہان کے قاضی تھے، وہیں رمضان ۲۶۵ھ میں فوت ہوئے ان کے لڑکے زہیر تھے ۳۰۳ھ میں فوت ہوئے، دوسرے لڑکے احمد تھے، جن کے لڑکے ابو جعفر محمد بن احمد بن صالح تھے، ان کا انتقال ۳۳۰ھ میں ہوا۔

امام صاحب کے دوسرے صاحبزادے عبداللہ تھے، انھوں نے اپنے والد سے سب سے زیادہ روایت کی ہے اور ان کی اکثر تصانیف کا سماع کیا ہے ۲۹۰ھ میں انتقال ہوا۔

تیسرے صاحبزادے سعید امام صاحب کی وفات سے تقریباً دو ماہ قبل پیدا ہوئے، کوفہ کے قاضی تھے۔ حسن اور محمد کا حال معلوم نہیں ہے۔

ان جسمانی اور مادی اولاد کے علاوہ امام کے ہزاروں روحانی اور علمی اولاد تھی جس نے دنیا میں ان کے علم کی وراثت عام کی۔

تصانیف

امام احمد بن حنبل اصولی طور سے کتاب لکھنے کے خلاف تھے اور اپنے آرار و مسائل اور فتاویٰ لکھنے سے منع کرتے تھے، انکی تصانیف احادیث و آثار پر مشتمل ہیں، کتاب المسند، کتاب التفسیر...، کتاب الناسخ والمنسوخ، کتاب التاریخ، کتاب حدیث شعبہ، کتاب المقدم و المؤخر فی القرآن، کتاب جوابات القرآن، کتاب المناسک الکبیر، کتاب المناسک الصغیر، اور دوسری مختصر کتابیں لکھیں، کتاب المسند تیس ہزار احادیث پر مشتمل ہے۔

کتاب التفسیر میں ایک لاکھ بیس ہزار احادیث تھیں [۱]

ابن ندیم نے امام صاحب کی تصانیف میں ان کتابوں کا نام بتایا ہے ۔

کتاب العلل، کتاب التفسیر، کتاب الناسخ والمنسوخ، کتاب الزہد، کتاب المسائل، کتاب الفضائل، کتاب الفرائض، کتاب المناسک، کتاب الایمان، کتاب الاشربہ، کتاب طاعۃ الرسول، کتاب الرد علی الجہمیہ، کتاب المسند جو چالیس ہزار سے زائد احادیث پر مشتمل ہے [۲]

مسند امام احمد بن حنبل کے بارے میں امام صاحب نے اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا ہے کہ تم مسند کو محفوظ رکھو، یہ کتاب مسلمانوں کے لئے امام ومقتدیٰ ہوگی، اس میں کل چالیس ہزار احادیث ہیں جن میں دس ہزار مکررات ہیں انکو نکال دیا جائے تو تیس ہزار رہیں گی، تین سو سے زائد ثلاثیات ہیں یعنی وہ احادیث جن کے سلسلۂ سند میں صرف تین راوی ہیں ۔

ایک مرتبہ امام سے ایک حدیث کے بارے میں دریافت کیا گیا تو کہا کہ دیکھو اگر وہ میری مسند میں نہیں ہے تو حجت نہیں ہے، لیکن آپ کی طرف سے یہ تصریح مروی نہیں ہے کہ جو حدیث مسند میں ہے وہی حجت ہے، کئی حدیثیں صحیحین میں ہیں جو مسند احمد میں نہیں ہیں ۔ ابن جوزی نے مسند احمد کی پندرہ احادیث کے موضوع ہونے کا احتمال ظاہر کیا ہے، حافظ عراقی نے ایسی احادیث کی تعداد نو بتائی ہے، اور حافظ ابن حجر نے القول المسدد فی الذب عن المسند میں تین یا چار حدیثوں کو بے اصل بتایا ہے ۔

مسند احمد کی شرح شیخ ابوالحسن بن عبدالہادی سندی مدنی متوفی

---

[۱] مناقب الامام احمد ص ۱۹۱ ۔ [۲] کتاب الفہرست ص ۳۲۰

سنہ ۱۱۳۶ھ" نے لکھی اور شیخ زین الدین عمر بن احمد شماع حلبی نے اس کو مختصر کیا اور اس کا نام الدر المنضد من مسند الامام احمد رکھا، نیز شیخ سراج الدین عمر بن علی، ابن الملقن نے اس کا اختصار کیا، بار بار مصر میں چھپ چکی ہے

بعض حکیمانہ اقوال

بزرگوں کی سیدھی سادی باتوں میں بڑے حقائق اور دل آویز معانی بڑے موثر اور کار آمد تجربات کے ثمرات ہوتے ہیں، امام احمد کے چند اقوال درج کئے جاتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

- ___ علم کلام کا عالم کبھی دینی فہم میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہے، تم جس شخص کو دیکھو کہ علم کلام سے دلچسپی رکھتا ہے سمجھ لو کہ اس کے دل میں شک و شبہ اور فساد ضرور ہو گا۔
- ___ ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی تشاجرات و قضایا میں نہیں پڑتے ہیں، اور ان کے معاملات اللہ کے حوالہ کرتے ہیں۔
- ___ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آخر میں لوگوں کی ہدایت کے لئے ایسے شخص کو پیدا کرتا ہے (جو سنت کی تعلیم دیتا ہے اور رسول اللہ ص کی ذات سے کذب و افترار دور کرتا ہے، ہم نے غور کیا تو پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبد العزیز اور دوسری صدی کے آخر میں امام شافعی نظر آئے۔
- ___ وہ شخص کتنا خوش نصیب ہے جس کے حصہ میں اللہ تعالیٰ گمنامی دیدے۔
- ___ اگر کسی انسان میں ایک سو نیک خصلتیں ہیں لیکن وہ شراب خور ہے تو ایک خصلت ان سب کو ختم کر دے گی۔
- ___ ایسے شخص سے علم نہ حاصل کرو، جو علم کے بدلے دنیا کا

طالب ہے۔

❖ — ابو حاتم رازی نے امام صاحب سے دریافت کیا کہ آپ واثق کی تلوار اور معتصم کی سزا سے کیسے بچ گئے؟ فرمایا ابو حاتم! سچائی اگر زخم پر رکھ دی جائے تو فوراً اچھا ہو جائے گا۔

❖ — ایک مرتبہ ایک صاحب نے امام صاحب کو متفکر بیٹھے ہوئے دیکھ کر پوچھا، بھتیجے! کیوں غمگین ہو؟ آپ نے کہا کہ چچا! خوشی اس شخص کیلئے ہے جس کا ذکر جمیل اللہ تعالیٰ دنیا میں باقی رکھے۔

❖ — اسحاق بن منصور کا بیان ہے کہ میں نے امام صاحب سے پوچھا کہ حضرت ابن عباس کے اس قول میں کون علم مراد ہے تذاکر العلم بعض لیلۃ احب الیّ من احیاءھا یعنی رات کے بعض حصے میں علم کا مذاکرہ میرے نزدیک پوری رات کی عبادت سے زیادہ پسند ہے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ علم ہے جس سے لوگ دینی فائدہ اٹھائیں۔ میں نے کہا دینی فوائد میں وضو، نماز، روزہ، حج، اور طلاق وغیرہ داخل ہیں؟ فرمایا کہ ہاں، اس کے بعد ابن راہویہ نے اسکی تصدیق کی۔

❖ — اہل بدعت سے صاف صاف کہدو کہ ہمارے تمہارے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے۔

❖ — جو شخص حدیث کو اس کے کثرت طرق اور اختلاف کے ساتھ جمع نہ کرے، اس کو کسی حدیث کے بارے میں حکم لگانا، یا حدیث سے فتویٰ دینا جائز اور حلال نہیں ہے

❖ — جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال وحرام، اور

سنن واحکام میں احادیث کی روایت کرتے ہیں تو سندوں اور
راویوں کے بارے میں شدت سے کام لیتے ہیں اور جب فضائل
اعمال کی حدیثیں یا ایسی حدیثیں جن سے کوئی حکم ثابت نہ ہوتا ہو تو
سندوں میں نرمی سے کام لیتے ہیں۔

٭ ــــ ایک مرتبہ آپکے سامنے دنیا کا ذکر آیا تو فرمایا کہ دنیا کا کم حصہ کافی
اور زیادہ حصہ ناکافی ہوتا ہے۔

٭ ــــ جو آدمی محدثین کی تعظیم کریگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں
میں بڑا ہوگا اور جو اُن کی تحقیر کریگا حقیر ہو جائیگا، کیونکہ محدثین رسول اللہ
صلی اللہ وسلم کے ابدال واحبار ہیں، اگر محدثین ابدال نہیں ہیں تو کون
لوگ ابدال ہیں؟

٭ ــــ امام صاحب کے سامنے ایک عالم کا تذکرہ ہوا جنھوں نے اپنی
غلطی پر توبہ کرلی تھی، آپ نے فرمایا کہ اس عالم کی توبہ اس وقت تک
قبول نہیں ہوگی جب تک وہ علی الاعلان توبہ اور اپنے قول سے رجوع
نہ کرے اور صاف طور سے نہ کہے کہ میں نے اس طرح کہا تھا اور
اب میں اپنے قول سے اللہ کی جناب میں توبہ کرکے رجوع کرتا ہوں
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الا الذین تابوا واصلحوا وبینوا۔

٭ ــــ خلق قرآن کے بارے میں لوگوں کے چھیڑنے سے پہلے ہم خاموشی
بہتر سمجھتے تھے مگر جب لوگوں نے اسے چھیڑ دیا تو ہمارے لئے
اس کی مخالفت کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا[1]

---

[1] یہ تمام اقوال ذیل طبقات الحنابلہ، تاریخ ابن عساکر، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، تاریخ بغداد
مناقب الامام احمد وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔

مکتوب امام احمد بنام مسدد بن مسرہد بصری

جب دین میں فتنوں کی وبا عام ہو گئی، اور قدر، رفض، اعتزال، ارجاء اور خلق قرآن جیسے فرقوں میں مسلمان مبتلا ہو گئے تو امام ابوالحسن مسدد بن مسرہد بن مسربل اسدی بصری متوفی ۲۲۸ھ نے امام احمد بن حنبل کے پاس لکھا کہ آپ ان اختلافات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت لکھکر روانہ کریں جس وقت امام صاحب کے پاس یہ خط پہنچا آپ نے روکر فرمایا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس بصری عالم نے طلب علم میں مال و دولت خرچ کیا ہے، لیکن اس کے علم کا یہ حال ہے کہ ان مسائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی حاصل نہ کرسکا، پھر یہ جواب تحریر فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم	بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ الذی جعل فی کل	سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے
زمان بقایا من اهل العلم	جس نے ہر زمانہ میں بقایا اہل علم کو باقی
یدعون من ضل الی الهدیٰ	رکھا جو گمراہوں کو ہدایت کی دعوت دیتے
وینهون عن الردیٰ یحیون	ہیں، ہلاکت سے روکتے ہیں، کتاب اللہ
بکتاب اللہ الموتیٰ وبسنة	کے ذریعہ مُردوں کو زندہ کرتے ہیں، نبی
النبی اهل الجهالة والردیٰ	کی سنت کے ذریعہ انکو بچاتے ہیں انھوں
فکم من قتیل لابلیس قد	نے کتنے ہی مقتولان ابلیس کو زندگی بخشی
احیوه، وکم من ضال	کتنے ہی گمراہوں کی ہدایت کی اور انکی
بابه قد هدوه، فما احسن	جدوجہد کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں بہت
اثرهم علی الناس ینفون عن	ہی اچھا نکلا، ان لوگوں نے اللہ کے

دین اللہ تحریف الغالین و	دین سے تحریف غالین اور انتحال مبطلین
انتحال المبطلین، الذین	کو دفع کیا جو بدعات میں مبتلا تھے اور
اعتقد والوثة البدع واطلقوا	فتنوں کو عام کر دیا تھا، کتاب اللہ کے
أعنة الفتنة مختلفین فی الکتاب	بارے میں گروہ در گروہ ہو گئے تھے،
یقولون علی اللہ، وفی اللہ تعالٰی	اللہ تعالی پر بہتان باندھا اور اس کے
اللہ عما یقول الظالمون علوًا	بارے میں طرح طرح کے خیالات پیدا
کبیرًا وفی کتابہ بغیر علم	کئے، کتاب اللہ میں بغیر علم کے کلام کیا
فنعوذ باللہ من کل فتنة مضلة	ہم گمراہ کن فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگتے
وصلی اللہ علی محمد النبی وآلہ	ہیں، اللہ تعالی اپنے نبی و رسول محمد صلی اللہ
وسلم تسلیمًا، اما بعد	علیہ وسلم پر سلام و رحمت نازل فرمائے۔
وفقنا اللہ وایاکم لکل ما	اما بعد اللہ تعالی ہم سب کو اپنی رضا کی
فیہ رضاہ، وجنبنا وایاکم	توفیق دے، اور اپنے غضب سے محفوظ
کل ما فیہ سخطہ واستعملنا	رکھے اور ہم سب کو اپنے ڈرنے والوں
وایاکم عمل الخاشعین لہ العارفین	کی راہ پر چلائے جو اسکی معرفت رکھتے ہیں
بہ، فانہ المسئول۔	

میں آپ کو اور خود اپنے کو تقوی، سنت رسول اور جماعت مسلمین سے لزوم کی وصیت کرتا ہوں، آپ کو ان کی مخالفت کرنے والوں کا بدانجام اور ان کے مطابق عمل کرنے والوں کا نیک انجام معلوم ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہم تک پہنچا ہے۔

ان اللہ لیدخل العبد الجنة	اللہ اپنے بندے کو ایک سنت پر سختی سے
بالسنة یتمسک بہا۔	عمل کرنے پر جنت میں داخل کرتا ہے۔

میں آپ لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ قرآن پر کسی چیز کو ترجیح نہ دیں، قرآن کلام اللہ ہے اور جس چیز کے ذریعہ اللہ نے کلام کیا ہے وہ مخلوق نہیں ہے، جن الفاظ کے ذریعہ قرونِ ماضیہ کی خبر دی ہے وہ بھی غیر مخلوق ہیں، لوح محفوظ میں جو کچھ ہے وہ بھی غیر مخلوق ہے، جو شخص اسے مخلوق کہے کافر ہے، اور جو ایسے لوگوں کی تکفیر نہ کرے وہ بھی کافر ہے۔

کتاب اللہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت احادیث نبویہ، اور صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار کا درجہ ہے، انبیاء ورسل کے بیانات کی تصدیق اور اتباع سنت میں سراسر نجات ہے۔ یہ باتیں اہل علم کے اونچے طبقہ سے نقل ہوتی چلی آئی ہیں۔

جہم بن صفوان کے خیالات سے بچتے رہو، کیونکہ وہ دین میں رخنہ انداز ہیں فرقہ جہمیہ ہمارے علماء کے بیان کے مطابق تین گروہ پر مشتمل ہے، ایک گروہ کہتا ہے کہ قرآن کریم کلام اللہ ہے اور مخلوق ہے، دوسرا گروہ کہتا ہے کہ قرآن کلام اللہ ہے اور مخلوق غیر مخلوق ہونے کے بارے میں خاموش ہے، یہ واقفیہ ہے، اور تیسرا گروہ کہتا ہے کہ قرآن پڑھنے میں جو ہمارے الفاظ ہیں وہ مخلوق ہیں، یہ تمام کے تمام جہمیہ ہیں، اور علماء کا اتفاق ہے کہ جس کا یہ قول ہے اگر وہ اپنے اس قول سے توبہ نہ کرے تو اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال نہیں ہے اور نہ اس کے فیصلے قابلِ قبول ہیں۔

ایمان قول وعمل کا مجموعہ ہے اس میں کمی زیادتی ہوتی ہے، تم نیک کام کروگے تو ایمان میں زیادتی ہوگی اور برے کام کروگے تو کمی ہوگی، یہ ہوسکتا ہے کہ آدمی ایمان سے خارج ہوکر اسلام میں داخل ہوجائے، اگر توبہ کرلے گا تو پھر ایمان میں داخل ہوجائے گا۔ اور اسلام سے سوائے شرک کے کوئی چیز نکال نہیں سکتی ہے: یا فرائض خداوندی میں سے کسی فریضہ کا منکر ہو تو کافر ہوگا، اور اگر کوئی شخص فریضہ

سستی اور کاہلی سے ترک کرتا ہے تو اس کا معاملہ مشیت خداوندی کے حوالہ ہے اگر وہ چاہے تو عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف کر دے۔

معتزلہ کے بارے میں ہمارے علما متفق ہیں کہ وہ گناہ سے تکفیر کے قائل ہیں پس معتزلہ میں سے جو اس اعتقاد پر ہوگا اس کو گمان ہوگا کہ حضرت آدم نے گناہ کا ارتکاب کر کے کفر کیا اور حضرت یوسف کے بھائیوں نے جب اپنے باپ کے سامنے جھوٹ کہا تو انھوں نے کفر کیا، معتزلہ اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ جو شخص ایک حبہ کی بھی چوری کریگا وہ جہنمی ہوگا، اس کی بیوی اس سے جدا ہو جائے گی، اگر اس نے پہلے حج کیا ہے تو اس کو دہرائیگا، اس قسم کی باتیں کہنے والے مرتکب کفر ہیں۔ انکے بارے میں حکم ہے کہ نہ اُن سے سلام و کلام کیا جائے، نہ انکے ہاتھ کا ذبیحہ کھایا جائے یہانتک کہ وہ اپنے عقائد سے توبہ کر لیں۔

روافض کے متعلق ہمارے علما متفق ہیں کہ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے افضل ہیں، اور حضرت علیؓ کا اسلام حضرت ابوبکرؓ کے اسلام سے پہلے تھا۔ جو شخص اسکا قائل ہے وہ کتاب و سنت کا کھلے طور پر رد کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے محمد رسول اللہ والذین اٰمنوا معہ الخ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ کو مقدم کیا ہے نہ کہ حضرت علیؓ کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

لو کنت متخذ اخلیلاً لاتخذت ابابکر خلیلاً ولکن اللہ قد اتخذ صاحبکم خلیلاً یعنی نفسہ	اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا لیکن اللہ نے مجھے اپنا دوست بنالیا۔

جو شخص سمجھتا ہے کہ حضرت علیؓ کا اسلام حضرت ابوبکرؓ سے پہلے تھا وہ غلطی پر ہے، کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کے اسلام لانے کے وقت انکی عمر پینتیس ۳۵ سال تھی۔

اور حضرت علیؓ اس وقت سات سال کے بچے تھے، ان پر اسلامی احکام شرعی حدود اور دینی فرائض جاری نہیں ہوئے تھے۔

مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ قضاء وقدر کے خیر وشر پر ایمان لائے، اور اعتقاد رکھے کہ قضاء وقدر کی ہر گوار وناگوار بات اللہ کی طرف سے ہے، اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی پیدائش سے پہلے جنت کو پیدا کیا ہے اور اس کے مستحقین کی بھی تخلیق کی، اس کی نعمتیں دائمی ہیں۔ جس کا خیال ہے کہ جنت کا کچھ حصہ ضائع ہوجائیگا وہ کافر ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جہنم اور اس کے مستحقین کو پیدا کیا ہے، اس کا عذاب بھی دائمی ہے، لوگ جہنم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے ذریعہ نکلیں گے، اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا۔

میزان برحق ہے، صراط برحق ہے، انبیاء برحق ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، حوض، شفاعت، عرش، کرسی پر ایمان رکھنا چاہئے، اور اس بات پر ایمان کہ ملک الموت ارواح کو قبض کرتا ہے، پھر انکے جسموں کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے اور ان سے ایمان، توحید اور رسول کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے، نفخ صور پر ایمان رکھے جسے حضرت اسرافیل پھونکیں گے۔ اور اس پر بھی ایمان رکھے کہ مدینہ منورہ میں جو قبر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے، اور آپ کے ساتھ ابو بکرؓ اور عمرؓ ہیں، اعتقاد رکھے کہ بندوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، دجّال کا خروج امت محمدیہ میں ہوگا اور حضرت عیسیٰ آکر باب لد پر اس کو قتل کریں گے۔ علمائے اہل سنت نے جس بات کا انکار کیا ہے وہ منکر ہے۔ تمام بدعات سے پرہیز کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکرؓ سے افضل امّت میں

کوئی نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ سے افضل کوئی نہیں ہے اور حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمان سے افضل کوئی نہیں ہے۔ خلفائے ثلاثہ کے بارے میں ہمارا یہی قول ہے اور حضرت علیؓ کے بارے میں ہم خاموش ہیں، تفضیل کے بارے میں ہمارے نزدیک عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث صحیح ہے، یہ چاروں خلفائے راشدین مہدیین ہیں عشرۂ مبشرہ کے بارے میں ہم شہادت دیتے ہیں کہ وہ جنتی ہیں، انکے نام یہ ہیں ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمن بن عوف، ابوعبیدہ بن جراح، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ جن جن لوگوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے ہم ان کے جنتی ہونے کے قائل ہیں۔

ہمارے نزدیک نماز میں رفع یدین کرنا اور آمین کہنا حسنات میں زیادتی کا باعث ہے۔ مسلمان امراء قائدین کے لئے خیر و صلاح کی دعا کی جائے۔ ان پر تلوار سے حملہ نہ کیا جائے، باہمی فتنہ اور نزاع میں ان سے جنگ نہ کیجائے کسی مسلمان کو اس بات کے کہنے پر مجبور نہ کیا جائے کہ فلاں فلاں شخص جنتی ہیں؛ البتہ عشرہ مبشرہ کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے جن کے جنتی ہونے کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وہی اوصاف بیان کرو جن کو اس نے اپنے لئے بیان فرمایا ہے اور جن باتوں کی اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں نفی کی ہے تم بھی ان باتوں کی نفی کرو، اہل اہواء اور گمراہوں کے ساتھ بحث و تکرار سے بچتے رہو، صحابۂ کرام کے معائب بیان کرنے سے رکو، اور انکے فضائل بیان کرو، انکے باہمی مشاجرات میں خاموش رہو، اہل بدعت سے دینی امور میں مشورہ نہ لو، اور نہ انکے ساتھ سفر کرو، نکاح کیلئے ولی، خطبہ خواں اور دو عادل گواہ کی ضرورت ہے، متعہ قیامت تک کے لئے حرام ہے، ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لو، اہل قبلہ میں سے جو شخص مرجائے اسکی

نمازِ جنازہ پڑھ دو، اس کا معاملہ اللہ پر ہے۔ ہر امام و امیر کی اطاعت کرتے رہو، جہاد اور حج کیلئے نکلنا چاہئے، تکبیرات جنازہ چار ہیں اگر امام پانچ تکبیر کہے تو تم بھی علی بن ابی طالبؓ کی طرح پانچ تکبیر کہو، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے کہ نمازِ جنازہ میں امام جتنی تکبیر کہے تم بھی کہو، لیکن شافعیؒ نے اس مسئلہ میں مجھ سے اختلاف کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ اگر چار تکبیر سے زائد ہو تو نماز کا اعادہ کرے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بطور سند کے میرے سامنے پیش کی جس میں ہے کہ آپ نے نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی ہیں۔

خفین کا مسح مسافر کیلئے تین دن تین رات ہے اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات ہے۔ اور رات دن کی نفل نماز میں دو دو رکعت ہے۔ نماز عید سے پہلے کوئی نماز نہیں ہے، جب مسجد میں داخل ہوں تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ لو، وتر ایک رکعت ہے، اقامت کہنا ضروری ہے، میں اہل ہوا کے مقابلہ میں بہرحال اہل سنت کو اچھا سمجھتا ہوں، چاہے ان میں کوئی عیب ہو، اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اسلام اور سنت پر موت دے۔ اور اس کا علم عطا فرمائے اور اپنی مرضی پر چلنے کی توفیق دے[1]

شیخ الاسلام ہرویؒ کو جب ارباب بدع و تعطیل نے جلاوطن کیا تو تمام کتابیں گھر پر چھوڑ دیں صرف اس مکتوب کو توشہ سعادت سمجھ کر اپنے ساتھ لے لیا، حافظ ابن مندہ کا قول ہے کہ جس شخص نے اس وصیت کو پڑھا اور عمل کیا تو وہ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان کا ٹھیک مصداق ٹھہرا حافظ موصوف اپنے اکثر خطبات اس خطبہ سے شروع کرتے ہیں حافظ ابن جوزی کا قاعدہ تھا کہ وہ اپنا وعظ جس میں خلیفہ بغداد حاضر ہوتا تھا، اس خطبہ سے شروع فرماتے تھے حجۃ الاسلام حافظ ابن قیم تو اسکے ایسے شیفتہ ہوئے کہ اپنی اکثر کتابوں کو اس سے شروع کرتے ہیں[2]

---

[1] مناقب الامام احمد بن حنبل صـ ۱۶۷ تا صـ ۱۷۱۔ [2] تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد صـ ۱۹۳ و صـ ۱۹۴۔

مراجع و مصادر

۱۔ احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم — شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد مقدسی بشاری — لائیڈن

۲۔ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ — قاضی ابوعبداللہ حسینی بن علی صیمری — حیدرآباد

۳۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ — ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی — مصر

۴۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ — ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم جزری — طہران

۵۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین — شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر ابن قیم الجوزیہ — مصر

۶۔ الانساب — ابوسعد عبدالکریم بن محمد سمعانی — حیدرآباد

۷۔ تاریخ بغداد — ابوبکر علی بن احمد بن ثابت خطیب بغدادی — مصر

۸۔ تاج العروس من جواہر القاموس — ابوالفیض محمد مرتضی بلگرامی زبیدی — کویت

۹۔ تاریخ ابن عساکر (مختصر) — ابن عساکر — مصر

۱۰۔ تاریخ الکامل — ابن اثیر جزری — مصر

۱۱۔ تذکرۃ الحفاظ — شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن احمد ذہبی — حیدرآباد

۱۲۔ ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالک

۱۳۔ تقدمۃ الجرح والتعدیل — ابومحمد عبدالرحمن بن ابی حاتم رازی — حیدرآباد

۱۴۔ تہذیب التہذیب — ابن حجر عسقلانی — حیدرآباد

۱۵۔ جامع بیان العلم — ابوعمر یوسف بن عبدالبر اندلسی — مصر

۱۶۔ جمہرۃ انساب العرب — ابومحمد علی بن احمد بن حزم اندلسی — مصر

۱۷۔ رجال السند والہند — قاضی اطہر مبارک پوری

۱۸۔ الطبقات الکبیر — محمد بن سعد واقدی — بیروت

۱۹۔ الطبقات الکبری — شیخ عبدالوہاب شعرانی — مصر

۲۰۔ طبقات الشافعیۃ الکبری — تاج الدین ابونصر عبدالوہاب بن علی سبکی — مصر

۲۱۔ طبقات المفسرین — شمس الدین محمد بن علی داؤدی — مصر

نمبر و کتاب	مصنف	مقام
۲۲۔ طبقات الحنابلہ	ابن ابی یعلی موصلی	مصر
۲۳۔ طبقات الحنابلہ (ذیل)	ابن رجب حنبلی	مصر
۲۴۔ العبر فی خبر من غبر	شمس الدین ذہبی	کویت
۲۵۔ عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفۃ النعمان	شمس الدین محمد بن یوسف صالحی دمشقی	حیدرآباد
۲۶۔ فتوح البلدان	ابوالحسن احمد بن یحیٰی بلاذری	مصر
۲۷۔ الفقیہ والمتفقہ	خطیب بغدادی	بیروت
۲۸۔ الفہرست	ابوالفرج محمد بن اسحاق ابن ندیم	مصر
۲۹۔ الکفایہ فی علم الروایۃ	خطیب بغدادی	حیدرآباد
۳۰۔ مسند ابی حنیفہ	روایۃ حصکفی	حلب
۳۱۔ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی	قاضی حسن بن عبدالرحمن رامہرمزی	بیروت
۳۲۔ مشکل الآثار	ابوجعفر طحاوی	حیدرآباد
۳۳۔ المعارف	ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ	مصر
۳۴۔ مصنف عبدالرزاق	عبدالرزاق بن ہمام صنعانی	بیروت
۳۵۔ مناقب ابی حنیفہ وصاحبیہ	شمس الدین ذہبی	مصر
۳۶۔ مناقب الامام احمد	ابوالفرج عبدالرحمن بن علی ابن جوزی	مصر
۳۷۔ نظرۃ تاریخیۃ فی حدوث المذاہب الاربعۃ وانتشارہا	احمد تیمور مصری	مصر
۳۸۔ وفیات الاعیان	شمس الدین احمد بن ابراہیم ابن خلکان	ایران
۳۹۔ وفاء الوفاء	نورالدین علی ابن احمد سمہودی	مصر